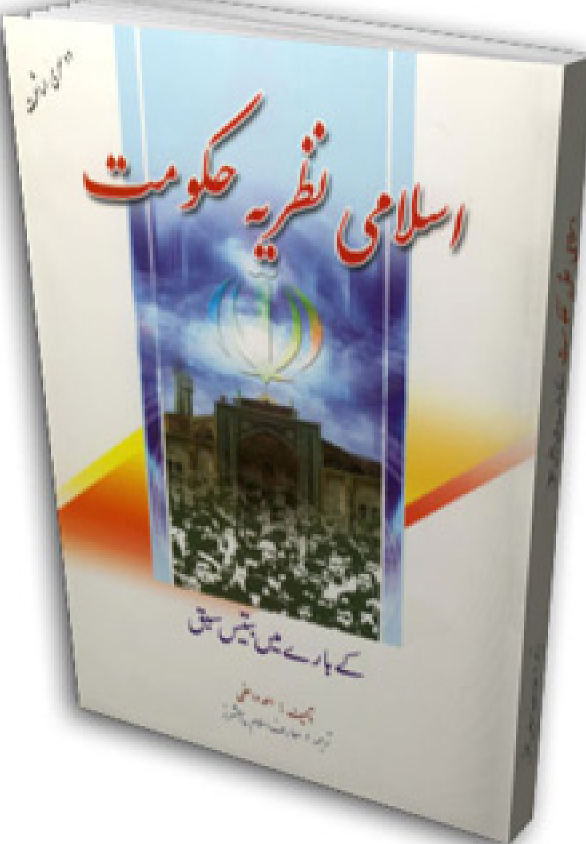

اسلامی نظریہ حکومت
کے بارے میں بیس سبق

فہرست

پہلا باب: دین اور سیاست
تمہید
پہلا سبق: سیاست اور اسکے بنیادی مسائل
علم سیاست اور سیاسی فلسفہ
خلاصہ

دوسرا سبق: اسلام اور سیاست
سیاست میں اسلام کے دخیل کی ادلہ
اسلام کا سیاسی فلسفہ اور سیاسی فقہ
خلاصہ

تیسرا سبق: دینی حکومت کی تعریف
حکومت اور ریاست کے معاني
دینی حکومت کی مختلف تعریفیں
مذکورہ چار تعریفوں کا مختصر تجزیہ
خلاصہ

چوتھا سبق: سیاست میں حاکمیت دین کی حدود
حکومت اور اسکے سیاسی پہلو
حاکمیت دین کی حدود
خلاصہ

پانچواں سبق:دینی حکومت کے منکرین
سیاست سے اسلام کی جدائي
دینی حکومت کا تاریخی تجربہ
خلاصہ

چھٹا سبق: سیکولرازم اور دینی حکومت کا انکار
سیکولرازم کی تعریف
دین اور سیکولرازم
خلاصہ

ساتواں سبق: دینی حکومت کی مخالفت میں سیکولرز کی ادلہ (1)
پہلی دلیل
اس پہلی دلیل کا جواب
خلاصہ

آٹھواں سبق: دینی حکومت کی مخالفت میں سیکولرز کی ادلہ (2)
دوسری دلیل
اس دوسری دلیل کا جواب

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

خلاصہ

دوسرا باب: اسلام اور حکومت
تمهيد
نواں سبق: آنحضرت(ص) اور تاسيس حکومت(1)
حکومت کے بغير رسالت
پہلي دليل کا جواب
دوسری دليل کا جواب
خلاصہ

دسواں سبق: آنحضرت(ص) اور تاسيس حکومت (2)
جابری کے نظريئے کا جواب
آنحضرت(ص) کی حکومت کا الہی ہونا
خلاصہ

گيارہواں سبق: آنحضرت (ص) کے بعد سياسی ولايت
اہل سنت اور نظريہ خلافت
خلاصہ

بارہواں سبق: شيعونکا سياسی تفکر
زمانہ غيبت ميں اہل تشيع کا سياسی تفکر
خلاصہ

تيرہواں سبق: سياسی ولايت کی تعيين ميں بيعت اور شوری کا کردار (1)
بيعت کا مفہوم اور اسکی اقسام
نظريہ انتخاب کی مؤيد روايات
صدور روايات کا زمانہ اور ماحول
خلاصہ

چودھواں سبق: سياسی ولايت کی تعيين ميں بيعت اور شوری کا کردار (2)
ان روايات کے جدلي ہونے کی دليليں
خلاصہ

تيسرا باب: ولايت فقيہ کا معنی ، تاريخ اور ادلہ
تمهيد
پندرہواں سبق: ولايت فقيہ کا معني
ولايت کی حقيقت اور ماہيت
اسلامی فقہ ميں دو طرح کی ولايت
خلاصہ

سولہواں سبق: فقيہ کی وکالت اور نظارت کے مقابلہ ميں ولايت انتصابي
ولايت انتصابی اور وکالت و نظارت ميں فرق

خلاصہ

سترہواں سبق: ولایت فقہ کی مختصرتاریخ (1)
خلاصہ

اٹھارہواں سبق: ولایت فقیہ کی مختصر تاریخ (2)
خلاصہ

انیسواں سبق: ولایت فقیہ ، کلامی مسئلہ ہے یا فقہي؟
کسی مسئلہ کے کلامی یا فقہی ہونے کا معیار
ولایت فقیہ کا کلامی پہلو
خلاصہ

بیسواں سبق: ولایت فقیہ کے اثبات کی ادلہ (حصہ اول)
فقیہ کی ولایت عامہ کا اثبات از باب حسبہ
ولایت فقیہ کی ادلہ روائي
الف) توقیع امام زمان (عجل اللہ فرجہ الشریف)
خلاصہ

اکیسواں سبق: ولایت فقیہ کے اثبات کی ادلہ (2)
ب) مقبولہ عمر ابن حنظلہ
ج) مشہورہ ابی خدیجہ
خلاصہ

بائیسواں سبق: ولایت فقیہ کے اثبات کی ادلہ (3)
ولایت انتصابی کے متعلق کچھ ابہامات کا جواب
ولایت فقیہ کی تایید میں مزید روایات
صحیحہ قداح
مرسلہ صدوق
خلاصہ

تئیسواں سبق: ولایت فقیہ پر عقلی دلیل
ولایت فقیہ پر دلیل عقلی محض
دلیل عقلی ملفق
خلاصہ

چوتھا باب: دینی حکومت کی خصوصیات اور بعض شبہات کا جواب
چوبیسواں سبق: فلسفہ ولایت فقیہ
شرط فقاہت میں تشکیک
فقیہ کی سیاسي ولایت کا دفاع
خلاصہ

پچیسواں سبق: رہبری کی شرائط اور خصوصیات
الف) فقاہت
ب)عدالت
ج)عقل، تدبر، قدرت، امانت
فقہ میں اعلمیت کی شرط
خلاصہ

چھبیسواں سبق: رہبری کی اطاعت کی حدود
نظام ولایت میں رہبر کا مقام
مخالفت کی اقسام
ولی فقیہ کی مخالفت کا امکان
خلاصہ

ستائیسواں سبق: حکومتی حکم اور مصلحت
حکم کی اقسام
الف) شرعی حکم
ب) قاضی کا حکم
ج) حکومتی حکم
حکومتی حکم کے صدور کابنیاد
احکام اولیہ اور ثانویہ
خلاصہ

اٹھائیسواں سبق: حکومتی حکم اور فقیہ کی ولایت مطلقہ
فقیہ کی ولایت مطلقہ
خلاصہ

انتیسواں سبق: دینی حکومت کے اہداف اور فرائض (1)
حقیقت حکومت از نظر اسلام
دینی حکومت کے اہداف
الف) معنوی اہداف
خلاصہ

تیسواں سبق: دینی حکومت کے اہداف اور فرائض (2)
ب)دنیوی اہداف
دینی حکومت کے اہل کاروں کے فرائض
1_ تقوی الہی کی رعایت
2_ شائستہ قیادت
3_ زہد اور سادگی
4_ اجتماعی امور میں مساوات
5_لوگوں سے براہ راست رابطہ
6_ فقر کا خاتمہ اور ضروریات زندگی کی فراہمي
خلاصہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اکتیسواں سبق: دینی حکومت اور جمہوریت (1)
جمہوریت کی حقیقت
اسلام اور جمہوریت کے درمیان ذاتی عدم توافق
خلاصہ

بتیسواں سبق: دینی حکومت اور جمہوریت(2)
دین اور جمہوریت کے درمیان توافق کا امکان
ولایت فقیہ اور جمہوریت میں عدم توافق
مذکورہ شبہہ کا جواب
جمہوریت کی آفات
خلاصہ

ضمیمہ جات
ضمیمہ نمبر 1
ضمیمہ نمبر 2
ضمیمہ نمبر 3
اصطلاحات

پہلا باب :

دین اور سیاست

سبق نمبر 1: سیاست اور اس کے بنیادی مسائل
سبق نمبر 2: اسلام اور سیاست

سبق نمبر 3: دینی حکومت کی تعریف
سبق نمبر 4 : سیاست میں حاکمیت دین کی حدود
سبق نمبر 5: دینی حکومت کے منکرین
سبق نمبر 6: سیکولرازم اور دینی حکومت کا انکار
سبق نمبر 7،8: دینی حکومت کی مخالفت میں کی ادلّہ

تمہید:
"دین اور سیاست کا باہمی تعلق " گذشتہ چند عشروں سے اسلامی معاشروں میں ایك اہم ترین فکری بحث کے طور پر سامنے آیاہے _ ایران میں ا سلامی انقلاب کی کامیابی اور اسلامی جمہوری نظام کی تشکیل نے اس بحث کو مزید وسعت دی ہے _ اوراسلامی حکومت کو بہت سے لکھاریوں اور مفکرین کی توجہ کا مرکز بنادیاہے _
دینی حکومت کے مختلف پہلو قابل غور ہیں _ پہلے باب میں ہماری کوشش یہ ہے کہ "دین اور سیاست کے باہمی تعلق" کے مختلف پہلوؤں کو اختصار کے ساتھ واضحکریں اور دینی حکومت کی ایك واضح تصویر آپ کے سامنے پیش

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کریں_ دینی حکومت کے تصور کوموجودہ دور کے بعض سیاسی مفکرین کی شدید مخالفت کا سامنا ہے لہذا اس باب میں ہم انکی مخالفت کی مختلف قسموں کاجائزہ لیتے ہوئے ان میں سے بعض کی ادلة کے جواب دیں گے_

پہلا سبق :

سیاست اور اس کے بنیادی مسائل

انسان ایك اجتماعی موجودہے کیونکہ عاطفی ، اقتصادی اور ثقافتی ضروریات اسے ایك اجتماعی اور معاشرتی زندگی گزارنے پر مجبور کرتے ہیں _ گھرانہ ، خاندان ، قبیلہ، دیہات، شہر ، ملك اور قوم و ملت تمام اجتماعی زندگی کے مختلف جلوے ہیں اجتماعی زندگی میں تمام افراد کے منافع اور ضروریات ایك دوسرے کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں _ بنابریں ایسے موارد بھی آتے ہیں کہ جن کا تعلق پورے معاشرہ کے ساتھ ہوتاہے _ اور ہر فرد اپنے طور پر تنہا ان کے متعلق فیصلہ نہیں کرسکتا_
مثال کے طور پر اگر ہم ایك قبیلہ کو مدنظر رکھیں تو اگر چہ اس کا ہر فرد اپنے طور پر اپنے کچھ ذاتی مسائل کا فیصلہ کرسکتاہے اور اپنے ذاتی فیصلےکے مطابق عمل کر سکتاہے_ لیکن کسی دوسرے قبیلہ کے ساتھ جنگ یا صلح جیسے مسائل میں اپنی انفرادی رائے کے مطابقفیصلہ نہیں کرسکتا_ کیونکہ جنگ یا صلح ایسے مسائل ہیں جوپورے معاشرے کے ساتھ مربوط ہیں نہ کہ انفرادی مسائل کہ معاشرے کا ہر فرد انفرادی طور پر ان کے متعلق فیصلہ کرے اور اپنی ذاتی تشخیص کے مطابق عمل کرے _
یہ حقیقت ہے کہ چھوٹے بڑے ہر معاشرے میں کچھ اجتماعی مسائل اور مشکلات ہوتی ہیں کہ جن کے حل

کرنے کیلئے اجتماعی فیصلوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی حقیقت نے انسان کو" ریاست و حکومت "کے قبول کرنے کی طرف راغب کیا ہے _ طول تاریخ میں جہاں پر بھی انسانی معاشرہ رہاہے "ریاست اور حکومت" کا وجود بھی اسکے ہمراہ رہاہے_ہر معاشرے نے چاہے وہ جس شکل میں بھی ہو_ اپنے اجتماعی امور کی تدبیر کیلئے ایك فرد یا چند افراد کو رئیس ، حاکم، امیر، والی ، سلطان اور بادشاہ ایسے مختلف عناوین کے تحت قبول کیا ہے _
ہر انسانی معاشرے میں ایك یا چند افراد "سیاسی اقتدار "کے حامل ہوتے ہیں _ اور اس کے اجتماعی امور کی تدبیر اور اجتماعی زندگی کے مختلف امور کو انجام دینا ان کی ذمہ داری ہوتی ہے _ بنابریں "سیاست" (1) کی یوں تعریف کی جاسکتی ہے :
" سیاست" یعنی ایك معاشرے کے بڑے بڑے مسائل و مشکلات کے بارے میں فیصلہ کرنا اور انکی تدبیر کرنا_ یہ سرپرستی اس معاشرے کی مشکلات کو رفع کرنے ، مختلف امور کو منظم کرنے ، منصوبہ بندی اور اسکے اجراء کو شامل ہے _

1)سیاست لفظ " سوس" سے نکلاہے_ جس کے لغوی معنی ریاست ، پرورش، سزا دینا اور رعایا کے امور کی دیکھ بھال کرنا ہے_
ابن منظور کہتے ہیں: السوس: الرياسة ،يقال: ساسوہم سوساً ... و ساس الا مرَ سياسة قام بہ ... (لسان العرب ج6 ص 108 "سوس")_
فیروز آبادی کہتے ہیں : سُستُ الرّعية سياسة : امرتہا و نہيتہا ... و سُوّسَ فلانٌ ا مرَ الناس ... صُيِّر ملكاً (القاموس المحيط ص 710 " سوس") سیاسی لغت ناموں مینسیاست کی مختلف تعریفیں کی گئي ہیں ان میں سے بعض کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں _
الف: انسانی معاشروں پر حکومت کرنے کے فن کو" سیاست" کہتے ہیں _
ب:مختلف مسائل کے حل کے بارے میں فیصلہ کرنا_
ج:ملکی امور کے انتظام کیلئے حکومت جن تدابیر کو کام میں لاتی ہے انہیں سیاست کہتے ہیں _
د:اجتماعی امور کو منظم کرنے کیلئے حکومت جس طاقت کو بروئے کار لاتی ہے اس کے علم کو سیاست کہتے ہیں _

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

11

" سیاست" کے بہت سے دیگر معانی بھی ہیں بطور مثال اگر ہم سیاست کے عملی پہلو کو مدنظر رکھیں تو کہہ سکتے ہیں : سیاسی قدرت کو حاصل کرنے کیلئے کوشش اور اسکی حفاظت اور تقویت کرناسیاست کہلاتاہے_

اگر ہم سیاست کے فکری اور نظریاتی پہلو کو دیکھیں تو پھر یوں تعریف کرسکتے ہیں : سیاسی طاقت حکومتی ڈھانچہ اور سیاسی حکومت میں مختلف گروہوں کے باھمی تعلقات کا مطالعاتی جائزہ، سیاست کہلائے گا _

بہر حال سیاست ، سیاسی اقتدار سے متعلقہ ابحاث اور اجتماعی امور کی تدبیر ہمیشہ سے صاحبان فکر کی توجہ کا مرکز رہی ہیں _ افلاطون کی کتاب " جمہوریت "، ارسطو کی کتاب" سیاست" اور ابو نصر فارابی کی کتاب "مدینہ فاضلہ" اس بات کی شاہد ہیں کہ عظیم مفکرین کے نزدیك سیاست کے موضوع کو ہمیشہ بڑی سنجیدگی سے لیا گیا ہے_ انسانی معاشروں کے دن بدن پیچیدہ ہونے اور ان کے ایك دوسرے کے ساتھ بڑھتے ہوئے سیاسی ، اقتصادی اور ثقافتی تعلقات نے سیاسی ابحاث کو مزید اہمیت کا،حامل بنادیاہے اور انکی وسعت میں مزیداضافہ کردیاہے_

علم سیاست اور سیاسی فلسفہ(1)

عنوان " سیاست" کے تحت داخل مسائل بہت مختلف اور متنوع ہیں_" علم سیاست" ، "سیاسی فلسفہ" ، "سیاسی آئیڈیالوجي" اور "سیاسی تجزیہ" جیسے الفاظ میں سے ہر ایك سیاست کے ساتھ مرتبط مختلف امور کی تحقیقات اور مطالعات کے ایك گوشے کی طرف اشارہ ہے _ ان میں سے بعض مطالعات عملی مباحث کے

1) political philosophy.

12

ساتھ مختص ہیں جبکہ بعض کا تعلق نظریاتی پہلوسے ہے_ اس تنوع اور وسعت کا راز یہ ہے کہ سیاسی سوالات اور سیاسی افکار بہت ہی مختلف اقسام کے ہیں اور علم سیاست کا ایك شعبہ ان تمام سوالات اور ضروریات کا جواب نہیں دے سکتا _ بعض سیاسی سوالات اور احتیاجات کا تعلق عمل سے ہے_ مثلا ایك ملك کے سیاسی ماہرین اور سیاستدان جاننا چاہتے ہیں کہ ہمسایہ اور دوسرے ممالك سے تعلقات قائم کرنے میں انکا موقف کیا ہونا چاہیے اور عالمی سطح پر بین الاقوامی تعلقات کو کس طرح استوار کریں تو اس کیلئے ان کے پاس عالمی اور بین الاقوامی سطح پر قائم سیاسی اقتدار اور طاقتوں کے متعلق اسی طرح جامع تجزیہ ہونا چاہیئےہ جس طرح قومی سطح پر ان کے لئے علاقہ کی سیاست کے پیچ و خم سے آگاہ ہونا ضروری ہے _ پس عالمی اور علاقائي حالات سے آگاہ ہونے کے بعد اپنے سیاسی اہداف اور قومی منافع کو متعین کریں اور انتہائي دقت نظر سے طے کریں کہ ان کے دراز مدت اورمختصر مدت مفادات کونسے ہیں اس مرحلے کے بعد اگلے مرحلے میں وہ اپنے سیاسی اہداف کے حصول کیلئے ایك منظم لائحہ عمل تیار کریں اور وسیع پیمانے پر منصوبہ بندی کریں اور پھر بڑی باریك بینی سے انہیں عملی جامہ پہنائیں_

اس قسم کے سیاسی مطالعات جو عملی پہلو کے حامل ہیں_" علم سیاست"، "سیاسی تجزیہ و تحلیل" اور" لشکری و فوجی مطالعات "(1)جیسے شعبوں کے ساتھ مماثلت رکھتے ہیں _ اور ان فنون اور شعبوں پر مسلط ہونا اس قسم کے سوالات اور مسائل کے جواب دینے کیلئے مفید ثابت ہوسکتے ہیں_

دوسری قسم کے سیاسی سوالات اور مسائل کا تعلق علمی اور نظریاتیپہلو سے ہے_ عملی پہلوکی نسبت علمی پہلو عالَم سیاست میں بنیادی اور اساسی حیثیت رکھتا ہے_ یہاں پر ہم اس قسم کے چند سوالات کی طرف اشارہ کرتے ہیں_

1) Strategie studies .

13

بنیادی طور پر ہمیں حکومت کی احتیاج کیوں ہے؟

حکومت کرنا کن افراد کا حق ہے؟

حکمرانوناور سیاسی اقتدار کے حاملین کی اطاعت کیوں ضروری ہے؟

عوام کے مقابلے میں حکمرانوں کے فرائض کیاہیں؟

حکومت کے اہداف کیا ہونے چاہئیں؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

حکومت کس حد تك عوام کی آزادی کو محدود کرنے کا حق رکھتی ہے؟
کیا حکومت صرف مادی فلاح و بہبود اور امن و امان کی ذمہ دار ہے؟ یا معاشرے کی خوشحالی اوراسکي
روحانی ضروریات کو پورا کرنے کی بھی ذمہ دار ہے؟
معاشرہ کی خوشحالی اور خیر و برکت سے کیا مراد ہے؟ اور اس کا معیار کیا ہے؟
معاشرتی امور کو چلانے اور انکی منصوبہ بندی کرنے میں معاشرتی انصاف کا کیا کردار ہے؟
معاشرتی انصاف اور اقتصادی و انفرادی آزادی کے در میان تضاد اور ٹکراو کی صورت میں کسے ترجیح دی جائے گی ؟
اس قسم کے بنیادی سوالات کی تحقیق " سیاسی فلسفہ" میں کی جاتی ہے_
مختلف سیاسی مکاتب کہ جنہیں ہم "سیاسی افکار و نظریات" سے تعبیر کرتے ہیں انہی سوالات کے جوابات کی بنیاد پر تشکیل پاتے ہیں_ دوسرے لفظوں میں ہر سیاسی مکتب کی بنیاد ایك مخصوص سیاسی نظریہ (سیاسی فلسفہ) پر ہوتی ہے _ مثال کے طور پر" لبرل ازم"(1) ایك سیاسی مکتب فکر ہے _ وہ ان سوالات کے

.Liberalism (1

14

ایسے جواب دیتے ہیں جو بعض جہات سے دوسرے سیاسی مکتب فکر مثلا اشتراکیت(1) کی تعلیمات سے بالکل مختلف ہوتے ہیں _ لبرل ازم فردي، اقتصادی اور ثقافتی آزادی کا حامی ہے_ اور اس نظریے کا قائل ہے کہ معاشرتی انصاف کے بہانے، ذاتی مالکیت اور اقتصادی آزادی پر قدغن نہیں لگایا جاسکتا_ لبرل ازم کی نظر میں حکومت کے اختیارات محدود ہونے چاہیں_ حکومت کا کام صرف رفاہ عامہ ، امن و امان قائم کرنا اورانسانی حقوق کے بنیادی ڈھانچے کی حفاظت کرنا ہے _ سعادت ، خوشبختی ، معنویات اور اخلاقیات کا تعلق انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ ہے _ یہ حکومت کے فرائض میں شامل نہیں ہیں _ اس کے مقابلہ میں سوشلزم کہتاہے: معاشرتی انصاف کا قیام حکومت کی سب سے بڑی اور اہم ذمہ داری ہے اسی لئے اقتصادی امور حکومت کے کنٹرول میں ہونے چاہیں جبکہ ذاتی مالکیت یا تو بہت محدود ہونی چاہیے یاپھر اسکا سرے سے ہی خاتمہ کردینا چاہیے_یہاں پردو نکات کی وضاحت ضروری ہے_
1 : علم سیاست اور سیاسی تجزیہ و تحلیل کے ساتھ مربوط بہت سے مسائل ہمیشہ جدید اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں کیونکہ عالمی سطح پر حکومتیں اور سیاسی تعلقات بدلتے رہتے ہیں_
اقتصادی ، ثقافتی اور سیاسی تبدیلیاںعلاقائي اور عالمی سیاست پر اثر انداز ہوتی ہیں جس کے نتیجہ میں سیاسی ماہرین کو ہمیشہ نت نئے سوالات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے_ لیکن "سیاسی فلسفہ"کے متعلقہ مسائل
میں کوئي تبدیلی نہیں ہوتی یہ اساسی اور مخصوص مسائل ہوتے ہیں کہ جن سے سیاسی ماہرین دوچار رہتے ہیں_
ہر سیاسی ماہر جب اپنے مخصوص نظریات کے تحت ان سوالات کا جواب دیتا ہے تو اس سے ایك سیاسی نظریہ یا مکتب تشکیل پاتا ہے_ لہذا ملکی یا بین الاقوامی سیاست میں تبدیلی آنے سے یہ سیاسی مکاتب تبدیل نہیں ہوتے_

.socialism (1

15

2: "سیاسی فلسفہ" کے دائرہ میں بہت سے سوالات آتے ہیں_ جیسا کہ اوپر اشارہ ہوچکا ہے کہ ان سوالات کے جو جواب دیئے جاتے ہیں انہی کی بنیاد پر سیاسی مکاتب تشکیل پاتے ہیں اورا سی بنیاد پر ان کی شناخت ہوتی ہے _ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان مختلف سیاسی مکاتب میں کوئي وجہ اشتراك نہیں ہے اور سیاسی فلسفہ کے تمام مسائل کے جوابات ایك دوسرے سے بنیادی فرق رکھتے ہیں_ ممکن ہے کہ ایك سیاسی مکتب کی دوسرے سیاسی مکاتب سے علیحد گی اورامتیاز صرف ایسی ہی بعض مباحث میں ہو_ اور بعض دیگر جہات سے وہ دوسرے سیاسی مکاتب سے اتفاق نظر رکھتا ہو _ مثلا " اشتراکی جمہوریت " (1)اور " آزاد جمہوریت" (2) جو کہ سیاسی نظریات کے عنوان سے دو رقیب مکتب فکر ہیں ، اس نکتہ پر متفق ہیں کہ جمہوریت اور را ے عامہ سیاسی حاکمیت کے جواز کی بنیاد ہے اور حکومت و حکمران کا انتخاب عوام کی را ے کی بنیاد پر ہونا چاہیے اور ان دو مکاتب میں اختلافی نکتہ یہ ہے کہ پہلا مکتب فکر معاشرتی عدل و انصاف پر زور دیتا ہے اور دوسرا شخصی آزادی و خصوصی مالکیت پر، ایك اشتراکیت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کی بات کرتا ہے اور دوسرا انفرادیت کی _

1) Social Democracy.
2) Liberal Democracy.

16

خلاصہ

1) "ریاست" انسان کی اجتماعی زندگی کا جزء لاینفك ہے _ ہر معاشرہ اپنے اجتماعی امور کے نظم و تدبیر کیلئے ایك یا چند افراد کے سیاسی اقتدار کو تسلیم کرتا ہے_
2)" سیاست" یعنی معاشرتی امور کی تدبیر ، ہمیشہ سے مفکرین کی توجہ کا مرکز بنی ہوئي ہے_
3) دنیائے سیاست کے مختلف شعبے ہیں_ اسی لئے علم و تفکر کے متعدد گوشے اس کے مسائل کے ساتھ مربوط ہیں_
4) علم سیاست ، سیاسی تجزیہ و تحلیل اور سیاسی نظریات کا عملی سیاست کی مباحث کے ساتھ گہرا تعلق ہے_
5)"سیاسی فلسفہ "سیاست کی علمی اور بنیادی مباحث کو زیر بحث لاتا ہے_
6) ہر سیاسی مکتب اور نظریہ کی بنیاد ایك مخصوص سیاسی فلسفہ پر ہوتی ہے_
7) عملی سیاست کو ہمیشہ نت نئے مسائل اورموضوعات کا سامنا کرنا پڑتا ہے_ جبکہ سیاسی فلسفہ کے متعلقہ مسائل ہمیشہ ثابت اور استوار ہوتے ہیں_
8) ممکن ہے مختلف سیاسی مکاتب فکر سیاسی فلسفہ کے بعض مسائل میں ایك ہی را ے رکھتے ہوں_

سوالات :
1) کیا وجہ ہے کہ ہر انسانی معاشرہ "حکومت اور سیاسی اقتدار "کا حامی اور خواہشمند ہوتا ہے؟
2) سیاست کی تعریف کیجئے؟
3)علمی سیاست کا کونسا شعبہ عملی سیاست کے شعبوں کی تحقیق و بررسی کرتا ہے؟
4) چند ایسے سوالات ذکر کیجئے جن کا جواب "سیاسی فلسفہ" دیتا ہے؟
5) لبرل ازم ایك سیاسی مکتب فکر کے عنوان سے کن امور کا دفاع کرتا ہے؟
6) روز مرہ کے سیاسی اور اقتصادی تحولات سیاسی مطالعات کے کس شعبہ پر اثر انداز ہوتے ہیں؟

اسلامی نظریہ حکومت

17

دوسرا سبق :

اسلام اور سیاست

حکومت ایك اجتماعی ضرورت ہے_ چونکہ انسانی معاشرہ ایسے افراد سے تشکیل پاتاہے کہ جنکے مفادات ، تعلقات اور طرزتفکر متضاد اور متعارض ہیں لہذا اسے ایك حکومت کی ضرورت ہے_ انسانی اجتماع چاہے وہ ایك محدود اور مختصر شکل میں ہی کیوں نہ ہو جس طرح ایك قبیلہ یا دیہات ، اُس میں بھی رئیس و مرئوس (حاکم اور رعیت) کی ضرورت ہے _ مفادات کا ٹکراؤ ، باہمی تنازعات ، حق تلفی اور امن عامہ کو خراب کرنے والے عناصر ، ایسے عوامل ہیں جو ان امور کی دیکھ بھال کرنے والی اور نظم ونسق کو برقرار رکھنے والی مرکزیت کا تقاضا کرتے ہیں _بنابریں اس مرکزیت کے بغیر

کہ جسے ہم حکومت یا ریاست کہتے ہیں معاشرہ نامکمل رہے گا اور اپنی بقا سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا _ پھمرکزیت سیاسی اقتدار ،قوت فیصلہ اورقدرت امر و نہی کی حامل ہو گي_
جب خوارج نے اپنے فکری انحطاط اور شورش طلب انداز میں لا حکم الاللہ (خدا کے سوا کسی کا حکم قابل قبول نہیں) کا نعرہ بلند کیا اور اسلامی معاشرے کیلئے حکومت و حکمرانی کی نفی اور اپنے اوپر صرف خدا کی حکومت کے خواہاں ہوئے تو امیرالمؤمنین نے فرمایا:

18
انہ لا بد للناس من امیر برّ: اوفاجر ، یعمل فی امرتہ المؤمن ، و یَستمتعُ فیہا الکافر، و یُبَلّغُ اللہ فیہا الاجل، و یُجمع بہ الفیء ، و یقاتلُ بہ العَدو، و تأمن بہ السُبُل ، و یُؤخذ بہ الضعیف من القويّ، حتی یَستریحَ برّ ، و یستراح من فاجر (1)
لوگوں کیلئے ایك حاکم کاہونا ضروری ہے _ خواہ وہ اچھا ہو یا برا _ تا کہ مومن اس کے زیر سایہ اپنے کام انجام دے سکے _ اور کافر اس کے عہد میں لذائذ سے بہرہ مند ہوگا _ اللہ تعالی اس نظام حکومت میں ہر چیز کو اس کی آخری حدوں تك پہنچا دے گا اسی حاکم کی وجہ سے مال غنیمت جمع ہوتا ہے، دشمن سے لڑا جاتا ہے، راستے پر امن رہتے ہیں،قوی سے کمزور کا حق دلایا جاتا ہے، یہاں تك کہ نیك لوگ خوشحال اور برے لوگوں سے امان پاتے ہیں _
امیر المؤمنین کا یہ فرمان حکومت کے ضروری ہونے کی نشان دہی کرتا ہے_ اور اس بات کا عند یہ دیتاہے کہ انسانی معاشرے کیلئے حکومت کی اتنی اہمیت ہے کہ ایك غاصب اور فاجر و فاسق کی حکومت بھی معاشرہ کی بد امنی اور فقدان حکومت سے بہتر ہے کیونکہ حکومت اگر چہ فاسق و فاجر کی ہی کیوں نہ ہو بعض اجتماعی نقائص اور خامیوں کو چھپا دیتی ہے _ اور بعض اجتماعی ضروریات کو پورا کر تیہے _
قرآن و حدیث کے مطالعہ سے واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام نے ایك دینی فرمان یا حکم کے تحت مسلمانوں کو حکومت کی تشکیل کی دعوت نہیں دی کیونکہ لوگ خود بخود حکومت کی تشکیل کرتے ہیں اور اس کیلئے

1) نہج البلاغہ خطبہ 40_

19
انہیں کسی دعوت ، ترغیب یا نصیحت کی ضرورت نہیں ہے اس نکتے کی طرف عظیم مفکر اور فیلسوف علامہ طباطبائي نے اپنی کتاب تفسیر المیزان میں اشارہ فرمایاہے: قطعی طور پر لوگ اپنے معاشرے میں حکومت اور ریاست کے قائل ہیں _ اور اپنے انتظامی امور کیلئے ایك یا چند افراد کو سیاسی اقتدار سونپ دیتے ہیں _ اسی لئے قرآن کریم نے لوگوں کو حکومت کی تشکیل کی دعوت نہیں دی بلکہ اسے ان ضروری و بدیہی امور میں سے لیاہے کہ جن میں کسی دعوت یا تشویق کی ضرورت نہیں ہے _ وہ چیز جس کی طرف قرآن کریم لوگوں کو دعوت دیتاہے وہ محور دین پر اجتماع و اتفاق ہے_(1)
اس کے باوجود کیا حکومت اور سیاست انسانی معاشرے کی ایك واقعی ضرورت کے عنوان سے دین اسلام کی مورد توجہ قرار نہیں پائي؟ یہ دین جس نے خود کو دین کامل اور خاتم الادیان کہا ہے، کیا یہ اس حقیقت سے آنکھیں بند کر کے گزرگیا اور اس کے متعلق کوئي ہدایت یا فرمان جاری نہیں کیا ؟ کیا اسلامی تعلیمات صرف انسان کی انفرادی زندگی اور اس کے خدا کے ساتھ تعلق تك محدود ہیں؟ کیا اس دین مبین نے اجتماعی تعلقات ، معاشرتی امور کا نظم ونسق اور سیاست و حکومت کوخود لوگوں کے حوالے کر دیاہے؟ کیسے مان لیا جائے کہ وہ دین کامل جس نے پیدائشے سے لیکر وفات تك انسان کی زندگی کی بہت سی جزئیات میں ہدایت و راہنمائي کی ہے، اس نے حکومت اور معاشرے کے نظم و نسق جیسے اہم امور جو کہ انسان کی شخصیت اور سعادت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، کے متعلق کچھ نہیں کہا اور ان کے متعلق کسی قسم کا اظہار نظر نہیں کیا_
یہ تمام سوالات در حقیقت ایك سوال کو جنم دیتے ہیں کیا اسلام سیاسی فکر کا حامل ہے ؟ اس سوال کے مثبت جواب کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ اصل حکومت کے بدیہی ہونے کی وجہ سے اسلام نے اسے بیان

1) تفسیر المیزان ج 3 ، ص 144، 149_ سورہ آل عمران آیت 26 کے ذیل میں_

20
کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن اس کے متعلق اظہار نظر کیا ہے کہ حکومت کیسے کی جائے اور حکمرانی کا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

حق كسے حاصل ہے _ جس طرح اسلام نے گھريلو اور اجتماعی زندگی مينلوگوں كے باہمی روابط كو بيان كيا ہے اسی طرح حكومت و سياست ميں حكمرانوں اور عوام كے باہمی تعلق اور ہر ايك كے حقوق اور ذمہ داريوں كو بھی بيان فرمايا ہے_

بنا بر يں معاشرتی اور سياسی ميدان سے اسلام كو حذف كرنا اوراسے ا نفرادی زندگی اور گوشہ نشينی كی طرف مائل كرنے والا دين قرار دينا اسے اپنی حقيقت سے جدا كرنے كے مترادف ہے _ اسلامی جمہوريہ ايران كے بانی امام خمينی (رح) ان بلند پايہ علماء اور فقہاء ميں سے تھے جنھوں نے اسلام كے اجتماعی اور معاشرتی پہلو پر خاص توجہ دی اور اس بات پر مصر تھے كہ اسلام كو راہبانہ دين قرار دينا در حقيقت اغيار اور استعماری طاقتوں كی سازش ہے جن كی كوشش ہے كہ اس فكر كے ذريعہ اسلامی ممالك كی پسماندگی كے اسباب فراہم كئے جائيں_ امام خمينی فرماتے ہيں

اسلام ان مجاہدين كا دين ہے جو حق و عدالت كے خواہاں ہيں ان لوگو ں كا دين ہے جو آزادی اور استقلال كے چاہنے والے ہيں ، يہ استعمار كے خلاف جہد و جہد كرنے والوں كا مكتب ہے _ ليكن انہوننے اسلام كوايك اور طرح سے پيش كيا ہے اورپيش كرتے ہيں _ لوگوں كے ذہنوں ميں اسلام كا غلط تصور ڈالا ہے علمی مدارس ميں اس كی شكل مسخ كركے پيش كی گئي ہے ، تا كہ اسلام كی جاودانی اور انقلابی خصوصيات كو اس سے چھين ليا جائے _ مثلا يہ تبليغ كر رہے ہيں كہ اسلام معاشرتی دين نہيں ہے ، دين حيات نہيں ہے، اس كے پاس معاشرتی نظام نہيں ہے ، كوئي قانون نہيں ہے ، كوئي حكومتی دستور نہيں ہے اور نہ ہی حكمرانی كا كوئي لائحہ عمل ہے(1)_

1) ولايت فقيہ ، ص 4_

سياست ميں اسلام كے دخيل ہونے كی ادلّہ

اسلام ايك اجتماعی اور معاشرتی دين ہے ، اس كی حكومت و فرمانروائي انفرادی زندگی سے وسيع ترہے اوريہ مختلف اجتماعی اور سياسی روابط پر مشتمل ہے _ اس مدعا كو دو دليلوں سے ثابت كيا جا سكتا ہے _

الف _ استقرائي روش كے ساتھ ہم كتاب و سنت ميں غور كرتے ہيں اور مختلف فقہی ابواب ميں دينی تعليمات كا مطالعہ كرتے ہيں _ اس تدريجی اور ہمہ گير جستجو سے واضح ہو جائے گا كہ بعض صوفيانہ اور راہبانہ اديان جيسے بدھ مذہب او رعيسائيت كے بعض فرقوں كی طرح كيا اسلام بھی ايك انفرادی دين ہے كہ جس كا معاشرتی اور اجتماعی امور سے كوئي تعلق نہيں ہے ؟يا عبوديت ، خدا كے سامنے انسان كی بندگی كی كيفيت كے بيان ، لوگوں كے با ہمی تعلقات ، اخلاقيات او رمعنوی زندگی كے بيان كرنے كے ساتھ ساتھ اسلام نے انسان كی اجتماعی زندگی كے مختلف پہلوؤں كے بارے ميں بھی اظہار نظر كيا ہے اور انسان كی اجتماعی زندگی كے مختلف ابعاد ميں سے ايك ،مسئلہ حكومت و سياست بھی ہے _اس طرز جستجو كو ہم" روش درون ديني" كا نام ديتے ہيں كيونكہ اس ميں ہم اپنے سوال كا جواب براہ راست اندرون و باطن دين يعنی قرآن و سنت جو كہ اس كے اصلی منابع ہيں سے دريافت كريں گے _

ب_ سياست اور اجتماعی زندگی ميں اسلام كے دخيل ہونے كے اثبات كا دوسرا طريقہ اس دين مبين كے بعض اوصاف اور خصوصيات كے ساتھ تمسك ہے _ اسلام كابعض خصوصيات سے متصف ہونا ، مثلا يہ دين كامل ہے ، دين خاتَم ہے ، اس كی آسمانی كتاب يعنی قرآن كريم ہرشئے كی وضاحت كرنے والی ہے (1) اور ان تمام امور پر مشتمل ہے جن پر انسان كی ہدايت اور سعادت موقوف ہے اس كا عقلی اور منطقی لازمہ يہ ہے

1) سورہ نحل آيت 89_

كہ يہ دين اجتماعی امور ميں دخالت ركھتاہے _ اس استدلال سے معلوم ہوتاہے كہ كمال دين اوراس كے قلمرو ميں حكومت اور اجتماعی امور كا داخل ہونالازم و ملزوم ہيں _ اوراجتماعی امور اور سياست ميں دين كا راہنمائي نہ كرنا اس كے ناقص ہونے كی دليل ہے _اس دوسرے طرز استدلال كے بارے ميں ہم آئندہ مزيد گفتگو كريں گے _ يہاں صرف پہلے طرز استدلال يعنی روش جستجو (استقرائي روش) پرروشنی ڈالتے ہيں _

1348 ھ ش ميں نجف اشرف ميں جب امام خمينی نے دينی حكومت كے متعلق ابحاثكيں تو اسی پہلے طريقے سےسياست او

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

راجتماعی امور میں اسلام کی دخالت پر استدلال کیا_ انہوں نے اس نکتہ پر زور دیا کہ اسلامی قوانین اور شرعی احکام کی ماہیت اور کیفیت بتاتی ہے کہ یہ قوانین اسلامی معاشرہ کے سیاسی ، اقتصادی اور ثقافتی امور کو منظم کرنے کیلئے بنائے گئے ہیں اور یہ احکام حکومت کی تشکیل کے بغیرقابل اجرا نہیں ہیں _ اس قسم کے احکام کے اجرا کیلئے مسلمانوں کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک حکومت تشکیل دیں _ اس قسم کے احکام اسلامی فقہ کے تمام ابواب میں بکھرے ہوئے ہیںبطور نمونہ ایسے بعض احکام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان میں سے ایک مورد "اسلام کے مالی احکام" ہیں _ اسلام میں جو مالیات مقرر کئے گئے ہیں وہ صرف غرباء اور سادات کی ضروریات پوری کرنے کیلئے نہیں ہیںبلکہ ایک عظیم حکومت کی تشکیل او راس کے ضروری اخراجات پورے کرنے کیلئے بھی ہیں کیونکہ وہ اموال جن کا تعلق مسلمانوں کے بیت المال سے ہے ان میں سے ایک "خمس " ہے _ فقہ اہلبیت کے مطابق زرعی منافع ،کاروبار، زمین کے اوپر اور زمین کے نیچے موجود تمام ذرائع آمدنی میں سے اور بطور کلی ہر قسم کے فائدے اور منفعت میں سے عادلانہ طور پر خمس لیا جاتاہے _ واضح سی بات ہے کہ اس قدر کثیر در آمد ایک اسلامی مملکت کو چلانے اور اس کے مالی اخراجات کو پورا کرنے کیلئے ہے وگرنہ اس قدر سرمایہ فقیرسادات کی ضروریات سے بہت زیادہ ہے _ اس قدر وسیع بجٹ

جبکہ اس کے ساتھ اموال زکوۃبھی ہوں در حقیقت ایک معاشرہ کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے ہے _ "جزیہ" جو کہ ذمی کفار سے لیا جاتا ہے اور اسی طرح زرعی محصولات بھی ایک بڑی درآمد کوتشکیل دیتے ہیں_ یہ تمام امور اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس قسم کے تمام مالی منابع ایک معاشرہ کی ضروریات کو پورا کرنے او رحکومت کو تشکیل دینے کیلئے ہیں _

ان میں سے دوسرا مورد وہ احکام ہیں جو اسلامی نظام کی حفاظت اور اسلامی سرزمین اور ملت مسلمہ کے استقلال کے دفاع کیلئے بنائے گئے ہیں انہی دفاعی احکام میں سے ایک ، قرآن مجید کی اس آیت شریفہ "و اعدوالہم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل"(1) میں بیان کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ وہ ہر قسم کے خطرہ سے پہلے اپنی فوجی و دفاعی قوت کو مہیا کرلیں اوراپنی حفاظت کا سامان پہلے سے تیار رکھیں _

اس قسم کا ایک اور نمونہ اسلام کے عدالتی اور انسانی حقوق کے متعلق احکام میں دیکھا جاسکتاہے_ اس قسم کے بہت سارے احکام یا"دیات" ہیں کہ جنہیں لیکر حق داروں کو دینا ہوتاہے یا"حدود و قصاص"ہیں کہ جنہیںاسلامی حاکم کے زیر نظر اجرا کیا جاتاہے اور اس قسم کے امور ایک حکومت کی تشکیل کے بغیر قابل عمل نہیں ہیں _ یہ تمام قوانین حکومت کے ساتھ مربوط ہیں اور حکومتی قوت کے بغیر ایسے اہم امور کو کوئي انجام نہیں دے سکتا _(2)

اسلام کا سیاسی فلسفہ اور سیاسی فقہ

یہ تسلیم کرلینے کے بعد کہ اسلام سیاسی ابعاد کا حامل ہے اور اس کی بعض تعلیمات حکومت اور سیاست کے

1) سورہ انفال آیت 60_
2) لایت فقیہ (امام خمینی) ص 20 تا 25_

ساتھ مخصوص ہیں _ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کا سیاسی تفکر کن شعبوں پر مشتمل ہے ؟

مجموعی طور پر اسلام کے سیاسی تفکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے _ ایک حصے کو " اسلام کا سیاسی فلسفہ " اور دوسرے کو " اسلام کی سیاسی فقہ " کا نام دیتے ہیں _ گذشتہ سبق میں اشارہ کرچکے ہیں کہ ہر سیاسی مکتب فکر کو چند بنیادی سوالات کا جواب دینا ہوتا ہے _ ایسی مباحث کو " سیاسی فلسفہ " کا نام دیا جاتا ہے _ بنابریں اسلام کے سیاسی تفکر کو بھی ایک خاص علمی بنیاد پر استوار ہونا چاہیے اور دنیائے سیاست کے ان بنیادی سوالات کے مناسب اور مخصوص جوابات دینا چا ہیے _

اسلام کے سیاسی تفکر کا دوسرا حصہ یعنی "سیاسی فقہ " یا " فقہ الحکومۃ " حکومت کی نوعیت اور اسکی شکل و صورت ، حکمرانوں کے مقابلے میں عوام کے حقوق ، حکومت اور حکمرانوں کے سلسلہ میں عوام کی ذمہ داریاں ، مذہبی اقلیتوں کے حقوق اور اسلامی حکوت (دار الاسلام)کے غیر اسلامی حکومتوں (دارالکفر) کے ساتھ تعلقات جیسی ابحاث پر مشتمل ہے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

باالفاظ دیگر پہلا حصہ علمی و بنیادی سیاست کی مباحث پر مشتمل ہے_ جبکہ یہ حصہ عملی سیاست اور معاشرے کے انتظامی و اجرائي امور کے زیادہ قریب ہے _

25

سبق کا خلاصہ :

1) حکومت اور ریاست کے بغیر معاشرہ ،نامکمل اور زوال پذیر ہے _
2) اسلام ، حکومت کو ایك اجتماعی او رمعاشرتی ضرورت سمجھتا ہے اسی لئے اس نے لوگوں کو تشکیل حکو مت کی طرف دعوت نہیں دی بلکہ حکومت کیسی ہونی چاہیئے ؟ اس بارے میں اپنی رائے دی ہے _
3) اسلام کو سیاست سے جدا سمجھنا اس دین حنیف کی حقیقت کو مسخ کردینے کے مترادفہے _
4) اسلام کے لئے سیاسی اور اجتماعی پہلو کا وجود دو طریقوں سے ثابت کیا جاسکتاہے _
الف:روش استقرائي (طرز جستجو)اور اسلامی تعلیمات کا مطالعہ ، اسلام کے سیاسی اور اجتماعی پہلو کے اثبات کی بہترین راہ ہے_
ب: اسلام کا آخری اور مکمل دین ہونا اس کے اجتماعی اور سیاسی پہلو کے وجود کی دلیل ہے _
5) اسلام کے بعض قوانین ایك جائز دینی حکومت کے بغیر قابل اجرا نہیں ہیں _
6) اسلام کے سیاسی تفکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے _
الف: اسلام کا سیاسی فلسفہ
ب: اسلام کی سیاسی فقہ

26

سوالات:

1) امیر المومنین نے خوارج کو جو جواب دیا تھا اس سے "ضرورت حکومت "کے سلسلہ میں کیا حاصل ہوتاہے؟
2) اسلام نے لوگوں کو اصل حکومت کی تشکیل کی ترغیب کیوں نہیں دلائي ؟
3) سیاست میں اسلام کے دخیل ہونے کے اثبات کیلئے طرز جستجو یا روش استقرائي سے کیا مراد ہے ؟
4) اسلام کے کامل اور خاتم الادیان ہونے سے اس کے سیاسی اور اجتماعی امور میں دخیل ہونےپر کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے ؟
5) کونسے احکام شرعی کا اجراء اسلامی حکومت کی تشکیل پر موقوفہیں ؟
6) اسلام کے مالی احکام کس طرح اسلام کے سیاسی پہلو پر دلیل بن سکتے ہیں ؟
7) اسلام کا سیاسی تفکر کنحصوں پر مشتمل ہے ؟

اسلامی نظریہ حکومت

27

تیسرا سبق:

دینی حکومت کی تعریف

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

انسان کی اجتماعی زندگی کی طویل تاریخ مختلف قسم کی حکومتوں اور ریاستوں کے وجودکی گواہ ہے جنہیں مختلف خصوصیات کی بنیاد پر ایك دوسرے سے جدا کیا جاسکتاہے اور انہیں مختلف اقسام میں تقسیم کیا جاتاہے_ مثلاً استبدادی و غیر استبدادي،جمہوری و غیر جمہوري، استعماری و استعمار کا شکار حکومتیں ، سوشلسٹ و غیر سوشلسٹ، ترقی یافتہ و پسماندہ حکومتیں و غیرہ ان میں سے ہر تقسیم ایك مخصوص معیار کی بنیاد پر ہے _ اسی طرح ایك تقسیم یہ بھی ہوسکتی ہے : دینی حکومت اور سیکولر حکومت _
دینی حکومت ایك اصطلاح ہے جو دو چیزوں سے مرکب ہے، حکومت اور دین کیساتھ اس کی ترکیب ، اصلی اور بنیادی سوال یہ ہے کہ اس ترکیب میں "دینی "سے کس مطلب کا افادہ مقصودہے ؟ دین اور حکومت کی ترکیب سے کیا مراد ہے؟ ایك حکومت کے دینی یا غیر دینی اور سیکولر ہونے کا معیار کیا ہے؟ ان سوالات کے جواب دینے سے پہلے بہتر ہے حکومت کی تعریف کی جائے _

28

حکومت اور ریاست کے معاني

حکومت (1) اور ریاست (2) گذشتہ اور موجودہ ادوار میں متعدد معانی میں استعمال کئے گئے ہیں ان میں سے بعض معانی مترادف ہیں اور بعض اوقات انہیں مختلف معانی میں استعمال کیا گیا ہےمثلا جدید دور میں ریاست کامعنی حکومت سے وسیع تر ہے جدید اصطلاح کے مطابق ریاست نام ہے ان افراد کے اجتماع کا جو ایك مخصوص سرزمین میں ساکن ہوں اور ایسی حکومت رکھتے ہوں جو ان پر حاکمیت کرتی ہو_ اس تعریف کے مطابق ریاست چار اجزا کے مجموعہ کا نام ہے_آبادي،سرزمین ،حکومت، حاکمیت_ اس اصطلاح کی بناپر حکومت اور ریاست دو مترادف اصطلاحیں نہیں ہیں بلکہ حکومت ریاست کا ایك حصہ ہے اور ریاست کو تشکیل دینے والے چار عناصر میں سے ایك عنصر حکومت ہے جو ان اداروں کے مجموعہ کا نام ہے جو ایك دوسرے کے ساتھ مرتبط ہوکر ایك مخصوص سرزمین میں بسنے والی انسانی آبادی پر حکمرانی کرتی ہے_بنابریں ایرانی ریاست اور فرانسیسی ریاست و غیرہ انکی حکومتوں سے وسیع تر مفہوم ہے _
لیکن اگر ریاست سے مراد وہ منظم سیاسی طاقت ہو جو امر و نہی کرتی ہے تو یہ حکومت کے مترادف ہوجائے گی اور اس تعریف کی بناپر ریاست صرف کا بینہ اور قوّہ مجریہ کا نام نہیں ہے کہ جن کا کام قانون نافذ کرناہے بلکہ تمام حکومتی ادارے مثلاً قانون ساز ادارے، عدلیہ، فوجی اور انتظامی ادارے سب اس میں شامل ہیں _ در اصل اس تعریف کی رو سے ریاست اور حکومت اس قوت حاکمہ کا نام ہے جس میں معاشرہ پر حاکم سیاسی اقتدار کے حامل تمام ادارے شامل ہیں _ اس وقت زیر بحث حکومت و ریاست سے مراد یہی دوسرا معنی ہے کہ اس معنی میں حکومت اور ریاست جب دین سے مرکب ہوتی ہے تو اس کا قابل قبول معنی کونسا ہے_

.Government (1
.State (2

29

دینی حکومت کی مختلف تعریفیں

دینی حکومت کی مختلف تعریفیںکی جاسکتی ہیں _ دوسرے لفظوں میں دینی حکومت کی مختلف اور متنوع تفسیریں بیان کی جاسکتی ہیں و اضح سی بات ہے کہ ان میں سے کچھ تعریفیں صحیح نہیں ہیں ہم اجمالی طور پر ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں_
1) دینی حکومت اس حکومت کو کہتے ہیں جس میں ایك مخصوص دین کے معتقدین اور ماننے والے سیاسی اقتدار کے حامل ہوں معاشرے کی سیاسی طاقت اور سیاسی ادارے کسی خاص دین کے پیرو افراد_ جیسے پیروان اسلام یا مسیحیت_کے ہاتھوں میں ہوںاس تعریف کی بناپردینی حکومت یعنی دیندارافراد کی حکومت_
2) دینی حکومت یعنی وہ حکومتکہ جس میں سیاسی اقتدارایك مخصوص طبقہ بنام" رجال دین" یعني(مذہبی افراد) کے ہاتھ میں ہو اس تعریف کی بنا پر چونکہ سیاسی اقتدار کے حامل مختلف ادارے مذہبی افراد کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اسی لئے اسے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

دینی حکومت کہتے ہیں _
اس دینی حکومت کی افراطی شکل و صورت یورپ میں قرون وسطی میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے _ بعض ادیان مثلاً کیتھولک مسیحیت مینمذہبی افراد خاص تقدس اور احترام کے حامل ہوتے ہیں اور عالم الوہیت و ربوبیت اور عالم انسانی کے درمیان معنوی واسطہ شمار ہوتے ہیں _ قرون وسطی میں یورپ میں جو حکومت قائم ہوئي تھی وہ مذکورہ دینی حکومت سے سازگار تھی _ عیسائیوں کے مذہبی افراد اور کلیسا کے پادری خدا اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہونے کے ناطے مخصوص حق حاکمیت کے حامل سمجھے جاتے تھے _ یہ حق حاکمیت خدا کی حکومت اور ربوبیت کی ایک کڑی تھی اور یہ تصور کیا جاتا تھا کہ مذہبی افراد چونکہ ملکوت کے ساتھ مربوط و متصل ہیں لہذا قابل تقدیس و احترام ہیں ، اسی لئے ان کے فیصلے، تدابیر اور کلام، وحی الہی کی طرح مقدس، ناقابل اعتراض

اور غلطیوں سے مبرّا ہیں _
3) دینی حکومت وہ حکومت ہے جو ایک خاص دین کی تبلیغ ، دفاع اور ترویج کرتی ہے _ اس تعریف کے مطابق ایک دینی حکومت کا معیار ایک مخصوص دین کا دفاع اور تبلیغ ہے _ بنابریں ایران میں صفویوں اور قاچاریوں کی حکومت، سعودی عرب میں وہابیوں کی حکومت اور افغانستان میں طالبان کی حکومت مذکورہ دینی حکومت کے مصادیق ہیں کیونکہ یہ حکومتیں اپنے سیاسی اقتدار کو ایک خاص دین کے دفاع، تبلیغ اور ترویج کیلئے استعمال کرتی ہیں_
4)دینی حکومت وہ حکومت ہے جو سیاست اور معاشرے کے انتظامی امور میں ایک خاص دین کی مکمل مرجعیت و حاکمیت کو تسلیم کرتی ہو یعنی اپنے مختلف حکومتی اداروں میں ایک خاص دین کی تعلیمات کی پابند ہو اور کوشش کرتی ہو کہ قانون بنانے ، عوامی کاموں، معیشت اور اجتماعی امور میں دینی جھلک نظر آئے اور ان تمام حکومتی امور میں دینی تعلیمات کا ر فرما ہوں اور انہیں دین سے ہم آہنگ کرے _ دینی حکومت کا یہ معنی در حقیقت" دینی معاشرہ "کی تشکیل کا خواہاں ہے یعنی حکومت یہ چاہتی ہے کہ ثقافتی ، اقتصادي، سیاسی اور فوجی و عسکری تمام اجتماعی امور دینی تعلیمات کی بنیاد پر تشکیل پائیں _ دینی معاشرہ کو دین کی فکر ہے اور یہ فکر ہمہ گیر ہے کسی خاص جہت میں محدود نہیں ہے_ دینی معاشرہ چاہتاہے کہ اس کے تمام امور دین کے ساتھ ہم آہنگ اور ہم آوازہوں_ اس معنی کی بنیاد پر دینی حکومت دین کیلئے ایک خاص شان و اہمیت کی قائل ہے _ اُس کی تعلیمات کو اپنے لئے نصب العین قرار دیتی ہے_ دین کی حاکمیت اور سیاسی و انتظامی میدانونمیں اس کی اہمیت کو تسلیم کرتی ہے اور معاشرتی و سماجی امور میں دینی تعلیمات کی دخالت کا معیار ان امور میں دین کا وارد ہونا ہوگا_ دوسرے لفظوں میں سیاسی اجتماعی اور سماجی امور میں دین کی دخالت کی حدود مکمل طور پر دینی

تعلیمات کے تابع ہیں اور جس شعبہ میں جتنی مقدار دین نے اپنا کوئي پیغام دیا ہو اور اپنی تعلیمات پیش کی ہوں اس حکومت کیلئے وہ پیغام اور تعلیمات قابل قبول ہوتی ہیں _

مذکورہ چار تعریفوں کا مختصر تجزیہ
مذکورہ چار تعریفوں میں سے چوتھی تعریف دینی حکومت کی ماہیت و حقیقت کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتی ہے _ کیونکہ ان میں سے بعض تعریفیں دینی حکومت کے صرف ایک پہلو کی طرف اشارہ کرتی ہیں _ صرف حکمرانوں اور سیاسی اقتدار کے حامل افراد کا کسی خاص دین کا معتقد ہونا اس حکومت کے دینی ہونے کی علامت نہیں ہے _ آج دنیا کے اکثر ممالک کہ جن کی حکومتیں غیر دینی ہیں ان کے بہت سارے سرکاری عہدیدار انفرادی طور پردین دار ہیں ، لیکن ان کا ایک خاص دین کے ساتھ لگاؤ اور تدیّن ان کی حکومت کے دینی ہونے کی دلیل نہیں ہے _ پہلی تعریف میں جو" حکومت کے دینی ہونے کا معیار" بیان کیا گیا ہے وہ چوتھی تعریف میں بھی شامل ہے_ کیونکہ دین کی حاکمیت اور مختلف سرکاری اداروں میں دینی تعلیمات کی فرمانروائي کا لازمہ ہے کہ سرکاری حکام نظریاتی اور عملی طور پر اس دین کے معتقد ہوں _ اسی طرح تیسر ی تعریف میں بیان شدہ معیار بھی چوتھی تعریف میں مندرج ہے کیونکہ جو حکومت دینی معاشرے کی تشکیل اور سماجی و اجتماعی امور میں دینی تعلیمات کے نفوذ کی کوشش کرتی ہے اور حکومتی امور اور قوانین کو دین کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی خواہاں ہوتی ہے _ وہ فطری طور پر اس دین کا دفاع کرے گی اور اس کی تبلیغ و ترویج کیلئے کوشش کرے گی _

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

دینی حکومت کی دوسری تعریف کی بنیاد" مذہبی افراد" کے بارے میں ایك خاص تصور پر ہے کہ بہت سے ادیان، مذہبی شخصیات اور دینی علماء کے متعلق ایسا تصور نہیں رکھتے _ مثال کے طور پر اسلام کسی طرح بھی علماء

32

دین کیلئے کسی خاص طبقاتی حیثیت کا قائل نہیں ہے اور انہیں مقام عصمت کا حامل نہیں سمجھتا_ اس لئے دینی حکومت کی ایسی تفسیر کی کوئي راہ نہیں نکلتی _ علاوہ بر ایں صرف علماء دین اور مذہبی افراد کے ہاتھ میں حکومتی عہدوں کا ہونا اس حکومت کے دینی ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ حقیقت وہی ہے جو چوتھی تعریف میں بیان کی گئي ہے کہ مختلف اجتماعی و سماجی امور اور حکومتی اداروں میں دینی تعلیمات کا اجرا ہی حکومت اور سیاست کو دینی رنگ دے سکتاہے_ قابل ذکر ہے کہ دینی حکومت سے ہماری مراد کسی خاص دین سے متصف حکومت نہیں ہے _ بلکہ دنیا کے جس گوشہ میں کوئي حکومت دینی تعلیمات کے آگے سر تسلیم خم کردے، اس کی فرمانروائي کو قبول کرلے اور اپنے اداروں میں دینی تعلیمات رائج کردے وہ دینی حکومت کہلائے گی چاہے وہ دین آسمانی ادیان میں سے ہو یا ایسے ادیان میں سے ہو جن کے متعلق ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ان کا تعلق وحی الہی سے نہیں ہے بلکہ شرك و تحریف سے آلودہ ہیں _
نیز توجہ رہے کہ اگر دین سے ہماری مراد دین اسلام ہو تو پھر دینی حکومت وہی حکومت ہوگی جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو اور اسلامی تعلیمات سے مراد وہ دینی اصول و ضوابط ہیں جو معتبر دینی منابع سے ماخوذ ہوں بنابریں کوئي فرق نہیں ہے کہ وہ دینی تعلیمات ،وحی اور معتبر روایات سے حاصل ہوئي ہوں یا معتبر عقلی ادلّہ سے_ البتہ چونکہ اسلامی تعلیمات کا اصلی اور اہم ترین منبع قرآن و سنت ہیں اسی لئے دینی حکومت اور سیاست میں اسلام کے دخیل ہونے پر بحث و تحقیق کرنے والے بہت سے افراد کی "دینی تعلیمات"سے مراد وہ تعلیمات ہیں جو قرآن اور احادیث سے حاصل ہوئي ہوں_

33

خلاصہ :

1 لفظ "حکومت اور ریاست "کے متعدد معانی ہیں کہ جن میں سے بعض معانی مترادف ہیں_
2 دور حاضر کی جدید اصطلاح میں ریاست کی جو تعریف کی جاتی ہے ، حکومت اس کا ایك شعبہ اور حصہ ہے _
3 دینی حکومت کی مختلف تعریفیں کی جاسکتی ہیں یعنی دین اور ریاست کی ترکیب سے متفاوت معانی پیش کئے جاسکتے ہیں _
4 اجتماعی اور سیاسی زندگی میں دین کی حاکمیت کو قبول کرنے والی حکومت کو دینی حکومت کہنا دین و ریاست کی مجموعی حقیقتکے ساتھ زیادہ مطابقت رکھتی ہے_
5 اس سبق میں دینی حکومت کی جوچوتھی تعریف کی گئي ہے وہ ایك جامع تعریف ہے اور اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ایك حکومت کے دینی ہونے کا معیار یہ ہے کہ معاشرے کے مختلف سیاسی شعبوں میں دینی تعلیمات حاکم ہوں_
6 مختلف سیاسی شعبوں میں دین کی حاکمیت کو تسلیم کرنے والی حکومت کو دینی حکومت کہنا ، ایك ایسی عام تعریف ہے جو کسی مخصوص دین کے ساتھ مربوط نہیں ہے_

سؤالات
1 دور حاضر میں ریاست کی تعریف کیا ہے ؟
2 کونسی تعریف کے مطابق ریاست اور حکومت دو مترادف اصطلاحیں ہیں ؟
3 کونسی تعریف میں دینی حکومت دین داروں کی حکومت کے مترادف ہے ؟
4 دینی حکومت کی کونسی تعریف جامع اور قابل قبول ہے ؟
5 باقی تعریفوں کی نسبت دینی حکومت کی چوتھی تعریف کونسے امتیازات کی حامل ہے ؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

34

چوتھا سبق:

سیاست میں حاکمیت دین کی حدود

گذشتہ سبق سے واضح ہوگیا کہ حکومت کے دینی ہونے کا معیار یہ ہے کہ حکومت اور سیاست کے مختلف شعبوں میں دینی تعلیمات کی حکمرانی ہو _وہ چیز جو دینی حکومت کو دوسری حکومتوں سے جدا اور ممتاز کرتی ہے ، وہ معاشرے کے سیاسی اور دیگر امورمیں دین کی حاکمیت کو تسلیم کرنا ہے_ اس بحث میں بنیادی سوال یہ ہے کہ اس حاکمیت کا دائرہ کس حد تک ہے اور دین کس حد تک دنیائے سیاست وحاکمیت میں دخیل ہے ؟
دوسرے لفظوں میں صاحبان دین کیلئے سیاست کے کن شعبوں اور حکومت کے کن اداروں میں دین اور اس کی تعلیمات کو بروئے کار لانا ضروری ہے ؟ اور کونسے شعبوں میں دین کی حاکمیت سے بے نیاز ہیں ؟ ایک دینی حکومت کے کونسے پہلو مدنی اور بشری ہیں اور کونسے پہلو دینی تعلیمات سے ماخوذ ہونے چاہیں؟
اس اہم ترین مسئلہ کی تحقیق سے پہلے حکومت اور سیاست کے مختلف پہلوؤں اور شعبوں کی شناخت ضروری ہے _ کیونکہ حکومت کے متعلق قابل بحث پہلوؤں سے مکمل آگاہی ، ان تمام پہلوؤں میں دین کی دخالت کے سمجھنے میں مددگار ثابت ہوسکتی ہے _

35

حکومت اور اس کے سیاسی پہلو:

ہم نے حکومت اور ریاست کی تعریف کی تھی : " وہ منظم سیاسی قوت جو امر و نہی اور ایک مکمل نظام کے اجرا کی حامل ہو " اس سیاسی قوت کے متعلق مختلف جہات قابل بحث ہیں _ اگر چہ یہ سیاسی ابحاث مختلف اور ایک دوسرے سے جدا ہیںلیکن باہمی ربط کی حامل ہیں _ حکومت سے متعلق مختلف سیاسی پہلوؤں کو درج ذیل صورت میں بیان کیا جاسکتا ہے _
1_ حکومتیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں ، جمہوری ، شہنشاہی اور نیم شہنشاہی و غیرہ _ بنابریں حکومت سے متعلق بنیادی مباحث میں سے ایک یہ طے کرناہے کہ کون سا سیاسی طرز حکومت معاشرہ پر حاکم ہے_
اسی طرح صاحبان اقتدار کی انفرادی خصوصیات اور شرائط کا تعیّن اسکی بنیادی بحث شمار ہوتی ہے_ سیاسی نظام کی نوعیتکی تعیین ہر معاشرے کے سیاسی اقتدار کے حامل اداروں کی ضروری خصوصیات کی ایک حد تک پہچان کروا دیتی ہے _
2_ ہر حکومت کا ایک حکومتی ڈھانچہ ہوتاہے یعنی ہر حکومت مختلف اداروں اور قُوی سے تشکیل پاتی ہے _ حکومتی ڈھانچے کی تعیین ، اس کے اداروں کے آپس میں ارتباط کا بیان اور ہر ادارے کے اختیارات اور فرائض کی وضاحت ، سیاست اور حکومت کے اہم ترین مسائل میں سے ہیں _
3_ ہر ریاست اور حکومت قدرت واقتدار (1) کی حامل ہوتی ہے _ یعنی امرو نہی کرتی ہے ، قوانین بناتی ہے اور انکےصحیح اجرا پر نظارت کرتی ہے _ ایک اہم بحث یہ ہے کہ اس اقتدار کی بنیاد کن اہداف اور اصولوں پر ہونی چاہیئے ؟ مختلف حکومتی ادارے جو عوام کو امرو نہی اور روک ٹوک کرتے ہیں وہ کن اصولوں کی بنیاد پر

Authority (1

36

ہونے چاہیں؟ مثال کے طور پر ایک سوشلسٹ نظریات کی حامل حکومت جو کہ مارکسزم کی تعلیمات کی قائل اور وفادار ہے اپنے اقتدار میں مارکسزم کی تعلیمات کے تابع ہے_ اس قسم کی حکومتوں میں قانون گزاری ، اقتصادی پروگرام ،آئینی اور

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ثقافتی تعلقات اور بین الاقوامی معاملات میں اس مکتب کے اصولوں پرخاص توجہ دی جاتی ہے _ جس طرح کہ " لبرل جمہوری " حکومتوں میں "جیسا کہ آج کل یورپ اور آمریکہ میں قائم ہیں " اقتدار کی بنیاد لبرل ازم کے اصولوں پر قائم ہے _ ان ممالك میں جمہوریت اور اکثریت کی رائے بطور مطلق نافذ العمل نہیں ہوتی بلکہ لبرل ازم اسے کنٹرول کرتا ہے _ آمریت ، اقتدار اور حکومت کا دائر ہ کار ان اصولوں پر قائم ہوتا ہے جنہیں لبرل ازم کے تابع بنایا جاتا ہے _
4_ ہر حکومت کی کچھ ذمہ داریاں ہوتی ہیں جنہیں وہ اپنے عوام کی فلاح و بہبود کیلئے انجام دیتی ہے_ حکومت سے مربوط مباحث میں سے ایك بحث یہ بھی ہے کہ یہ وظائف اور فرائض کیا ہیں ؟ اور عوام کے مقابلے میں حکومت کی ذمہ داریاں کیا ہیں ؟
5_ اپنے افعال اور فرائض کی انجام دہی اور حکومت کی سیاسی قدرت کا سرچشمہ اقتدار اعلی (1) ہوتاہے_
ہر حکومت اپنے اقتدار اعلی کا سہارا لیتے ہوئے مختلف میدانوں میں اپنی سیاسی قوت کو بروئے کار لاسکتی ہے اور اندرون و بیرون ملك اپنے سیاسی ارادوں کو عملی جامہ پہنا سکتی ہے _ ہر حکومت اپنے اقتدار اعلی کی بناپر مختلف احکام نافذ کرتی ہے _ پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کا اقتدار اعلی جائز اور مشروع ہے یا نہیں ؟ دوسرے الفاظ میں کیا وہ حکومت کرنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں ؟
سیاسی فلسفہ میں مشروعیت (2) و غیر مشروعیت کی بحث اہم ترین مباحث میں سے شمار ہوتی ہے _ کوئي بھي

Sovereignty (1
Legitimacy (2

37
سیاسی مکتب اس سے بے نیاز نہیں ہے _ کیونکہ حکومتی ارکان اور ادارے ، اور تمام سیاسی فیصلے اور تدابیر اپنی حقانیت اور مشروعیت، حکومت کے حق حاکمیت اور مشروعیت سے حاصل کرتے ہیں _ ہر حکومت میں یہ صلاحیت اور قدرت ہونی چاہیے کہ وہ اپنی مشروعیت کا معقول طریقے سے دفاع کرسکتی ہو _
اس مختصر اور اجمالی وضاحت سے روشن ہوجاتا ہے کہ حکومت و ریاست کے متعلق کم ازکم پانچ اساسی محور قابل بحث ہیں _ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان پانچ محوروں میں سے کن میں "دین" حاکمیت کی صلاحیت رکھتا ہے ؟ دوسرے لفظوں میں ان پانچ میدانوں میں کس میدان میں دینی حکومت ، دین کے تابع ہے ؟ کیا یہ دعوی کیاجاسکتا ہے کہ ان میں سے بعض میں دین کو دخل اندازی کرنے کا حق نہیں ہے اور دین کی حاکمیت صرف ان میں سے بعض میں ہے ؟

حاکمیت دین کی حدود
سیاست میں دین کے دخیل ہونے کی بحث دو لحاظ سے قابل تحقیق ہے :
الف: کس حد تك دین کا دخیل ہونا ممکن ہے_
ب : کس حد تك دین عملا دخیل ہے_
پہلی بحث سے مراد یہ ہے کہ سیاست کے کونسے پہلو دین کے محتاج ہیں؟ اور کہاں پر دین اپنی تعلیمات سے نواز سکتا ہے اور اپنی حاکمیت کو بروئے کار لاسکتا ہے ؟ یہاں اصلی اور بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا ممکن ہے دین ان پانچوں میدانوں میں دخیل اور معاشرہ کی سیاسی زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی راہنمائي کرے ؟ یا یہ کہ بعض شعبوں کا تعلق صرف لوگوں سے ہے اور دین کیلئے سزاوار نہیں ہے کہ وہاں اظہار نظر کرے ؟
دوسری بحث سے مراد ایك تو اس بات کی تعیین ہےکہ دین مبین اسلام نے سیاست کے پانچ میدانوں

38
میں سے کن میں عملی طور پر اظہار نظر کیاہے؟ دوسرا یہ کہ ان میدانوں میں دین کی تعلیمات کس حد تك ہیں ؟ سیاست کے مختلف پہلوؤں میں دین کی دخالت کے امکان کے متعلق ہمارے نزدیك دین کی حاکمیت کی راہ میں کوئي شئے مانع نہیں ہے_اور دین ان تمام میدانوں میں اپنا پیغام دے سکتا ہے _ منطقی لحاظ سے ضروری نہیںہے کہ دین کی دخالت سیاست کے بعض شعبوں تك محدودرہے بلکہ ممکن ہے دین ،حکومت کے تمام شعبوں میں اپنی رائے کا اظہار کرے بعنوان مثال سیاسی ڈھانچہ ،حکومت کی نوعیت، دینی معاشرے کے حکمرانوں کی شرائط ،خصوصاً رہبر و قائد کی خصوصیات جیسے ابواب میں دین اپنی تعلیمات پیش کرسکتاہے_ دین حکومت کی مشروعیت اور حق حاکمیت کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرسکتا

ہے _ کونسی حاکمیت مشروع ہے اور کونسی نامشروع ،اسکی تعیین کرسکتا ہے ، حکّام پر عوام کے حقوق ، لوگوں کے سلسلہ میں حکمرانوں کے وظائف اور عوام پر حکمرانوں کے حقوق جیسے امور میں اپنی رائے دے سکتا ہے _ سیاسی اقتدار کے حامل افراد کے لئے اہداف اور اقدار معین کرسکتا ہے تا کہ وہ معیّنہ اصولوں اور اہداف کے مطابق اپنی سیاست کو آگے بڑھائیں اورمعاشرتی امور کو انجام دیں _

بنابریں از نظر امکان"سیاست میں دین کی حاکمیت " بلا قید و شرط ہے اور اسے سیاست کے چند مخصوص شعبوں میں محدود کرنا صحیح نہیں ہے _

یہ تسلیم کرلینے کے بعد کہ سیاست کے مختلف شعبوں میں منطقی طور پر دین کی دخالت ممکن ہے ، بعض افراد قائل ہیں کہ مختلف حکومتی شعبوں میں دین کی حاکمیت نہیں ہونی چاہیئے _ ان کی نظر میں بعض ادلّہ کی روسے دین خود کو سیاست سے دور رکھے_ اور ان تمام امور کو لوگوں ، عقل اور تجربہ کے حوالے کردے _ آنے والے اسباق میں ہم دینی حکومت کے ان منکرین کی ادلہ پر بحثکریں گے _

39

پس یہ مان لینے کے بعد کہ سیاست سے متعلق ان پانچ میدانوں میں دین کی دخالت ممکن ہے دوسرے مرحلے کو مورد بحث قرار دیتے ہیں _ حکومتی اور سیاسی امور میں دین کی دخالت کس حد تك ہے ؟ اس کی تعیین صرف ایك طریقے سے ممکن ہے اور وہ بلاواسطہ دین اور پیام الہی کی طرف رجوع کرنا ہے _ اسلام کی اجتماعی اور سماجی تعلیمات کی طرف عالمانہ اور باریك بینی سے رجوع کرنا ، اس حقیقت کی نقاب کشائي کرتا ہے کہ مذکورہ پانچ میدانوں میں سے دین نے کس میں اپنی راہنمائي و ہدایت سے نوازاہے اور کس حد تك گفتگو کی ہے _ اور کونسے امور کو لوگوں اور ان کی عقل و تدبیر پر چھوڑا ہے _ دین کی طرف رجوع اور اس کے مطالب کے ادراك سے واضح ہوجاتا ہے کہ دین نے کس شعبہ میں اور کس حد تك اپنی حاکمیت کو ثابت کیا ہے اور ان کے بارئے میں اظہار نظر کیا ہے اور کن امور کو لوگوں کے حق انتخاب اور رائے پر چھوڑا ہے کسی بھی صورت میں دین کی تعلیمات کی طرف رجوع کرنے سے پہلے سیاست کے بعض شعبوں میں دین کو دخل اندازی سے نہیں روکا جاسکتا یا بعض امور میں اس کے اظہار نظر اور دخالت کودین کے اہداف اور اسکی شان کے منافی قرار نہیں دیا جاسکتا _

40

خلاصہ:

1) حکومت اور سیاست کے پانچ پہلو ہیں جو ایك دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں _
2) سیاسی نظام کی نوعیت کی تعیین ، نیز اس کے اداروں کی کیفیت و کمیت ،سیاست کی اہم ترین مباحث ہیں _
3) اہم ترین سیاسی مباحث میں سے ایك یہ ہے کہ ہر حکومت کا اقتدار کن اصولوں اور اہداف کی بنیاد پر ہونا چاہیے _
4) ہر حکومت اپنی قانونی حکمرانی کی بنیاد پر احکام جاری کرتی ہے _
5) سیاسی اقتدار کی مشروعیت کی بحث حاکمیت کے جائز اور ناجائز ہونے کی بات کرتی ہے اور اس بنیادی سوال کا جواب دیتی ہے کہ حکومت کا حق کن افراد کو حاصل ہے _
6)" دین" سیاست کے مذکورہ بالا پانچ بنیادی میدانوں میں اپنی رائے کا اظہار کرسکتا ہے _
7) سیاسی امور میں دین کی حاکمیت دومرحلوں میں قابل بحث و تحقیق ہے _
الف: کونسے سیاسی موارد میں دین کی دخالت ممکن ہے ؟
ب: کن موارد میں اسلام نے عملی طور پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے ؟
8) دوسرے سوال کا جواب صرف دینی تعلیمات کی طرف رجوع کرنے سے ہی مل سکتا ہے _ تا کہ واضح ہوسکے کہ حکومتی امور میں اسلام نے کس حد تك دخالت کی ہے _

سوالات :

1) حکومت اور سیاست سے مربوط پانچ مباحث کو اختصار کے ساتھ بیان کیجئے_
2) اقتدار سے کیا مراد ہے ؟ اور اس کے متعلق کونسی بحث اہم ہے ؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

3) مشروعیت کی بحث کیا ہے ؟ اورقانونی حاکمیت کی بحث سے اس کا کیا تعلق ہے ؟
4) حکومت کے ان پانچ میدانوں میں سے کس میدان میں "دین" حکمرانی کرسکتاہے ؟
5) ان پانچ موارد میں سے ہر ایک میں دخالت دین کی حدود کی تشخیص کا طریقہ کیا ہے ؟

پانچواں سبق:

دینی حکومت کے منکرین

"دینی حکومت" ایك سیاسی نظریہ ہے ، جو مختلف سیاسی و حکومتی امور میں دین کی حکمرانی کوتسلیم کرنے سے وجود میں آتا ہے _ دینی حکومت وہ حکومت ہے جو دین کے ساتھ سازگار ہوتی ہے اور کوشش کرتی ہے کہ دین کے پیغام پر لبیك کہے جو انتظامی امور ، اجتماعی و سماجی روابط اور دیگر حکومتی امور میں دین کی باتوں پرکان دھرے اور معاشرتی امور کو دینی تعلیمات کی روشنی میں منظم کرے _یہ تمام بحث گذر چکی ہے _
دین اور حکومت کی ترکیب اور دینی حکومت کے قیام کے ماضی میں بھی مخالفین رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں _ اس مخالفت سے ہماری مراد دین اور حکومت کی ترکیب کا نظریاتی انکار ہے اور دینی حکومت کے خلاف سیاسی جنگ اور عملی مخالفت ہماری بحث سے خارج ہے_ دینی حکومت کے منکرین وہ افراد ہیں جو نظریہ" ترکیب دین و حکومت "اور مختلف سیاسی امور میں دین کی حکمرانی کو منفی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کاانکار کرتے ہیں_ اس انکار کی مختلف ادلّہ ہیں اختلاف ادلّہ کے اعتبار سے دینی حکومت کے مخالفین و منکرین کی ایك مجموعی تقسیم بندی کی جاسکتی ہے _ دینی حکومت کے مخالفین تین گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں_

1_ وہ مسلمان جو معتقد ہیں کہ اسلام صرف انسان کی معنوی اور اخلاقی ہدایت کیلئے آیا ہے اور فقط انسان کو آداب عبودیت سیکھاتا ہے ان افراد کے بقول اسلام نے سیاسی امور میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی ہے _ دین اور سیاست دو الگ الگ چیزیں ہیں اور دینی اہداف سیاست میں دین کی دخالت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے _
دینی حکومت کے مخالفین کایہ گروہ سیاسی امور میں دین کی حکمرانی کا کلی طور پر انکار نہیں کرتا بلکہ اس کا اصرار یہ ہے کہ اسلامی و دینی تعلیمات میں سیاسی پہلو مفقود ہے _ یہ افراد اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اگر دینی تعلیمات میں تشکیل حکومت کی دعوت دی گئي ہوتی اور دین نے مختلف سیاسی شعبوں اور حکومتی امور میں عملی طور پر راہنمائي کی ہوتی تو دینی حکومت کی تشکیل میں کوئي رکاوٹ نہ ہوتی _ بنابریں دینی حکومت کے قائلین کے ساتھ ان کاجھگڑا فقہی و کلامی ہے _ نزاع یہ ہے کہ کیا دینی تعلیمات میں ایسے دلائل اور شواہد موجود ہیں جوہمیں دینی حکومت کی تشکیل اور دین و سیاست کی ترکیب کی دعوت دیتے ہیں ؟
2_ دینی حکومت کے مخالفین کا دوسرا گروہ ان افراد پر مشتمل ہے ، جو تاریخی تجربات اور دینی حکومتوں کے قیام کے منفی نتائج کی وجہ سے دین اور سیاست کی جدائي کے قائل ہیں _ ان کی نظر میں دینی حکومت کی تشکیل کے بعض تاریخی تجربات کچھ زیادہ خوشگوار نہیں تھے _ اس کی واضح مثال قرون وسطی میں یورپ میں قائم کلیسا کی حکومت ہے کہ جس کے نتائج بہت تلخ تھے _
اس نظریہ کے قائلین کی نظر میں دین و سیاست کی ترکیب دین کے چہرہ کو بگاڑ دیتی ہے اور اس سے لوگوں کا دین کو قبول کرنا خطرے میں پڑجاتاہے_ لہذا بہتر ہے کہ دین کو سیاست سے جدا رکھا جائے_ چاہے سیاست اور حکومت کے سلسلہ میں دینی تعلیمات موجود ہی کیوں نہ ہوں _ بنابریں اس گروہ کے بقول بحث

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

43

اس میں نہیں ہے کہ دین سیاسی پہلو کا حامل نہیں ہے بلکہ یہ افراد سیاست اور حکومت میں دینی تعلیمات کی دخالت میں مصلحت نہیں سمجھتے _ ان کا عقیدہ ہے کہ اگر چہ دین سیاسی جہات کا حامل ہی کیوں نہ ہو تب بھی دینی حکومت کی تشکیل کے منفی اور تلخ نتائج کی وجہ سے اس قسم کی دینی تعلیمات سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے اور سیاست کو خالصةً لوگوں پر چھوڑ دیناچاہیے _

3_ دینی حکومت کے مخالفین کا تیسرا گروہ وہ ہے جو امور سیاست میں دین کی مداخلت کاکلی طور پرمخالف ہے _ یہ افراد سیاسی اور حکومتی امور میں دین کی حکمرانی کو تسلیم نہیں کرتے _ ان کی نظر میں بات یہ نہیں ہے کہ کیا حکومتی امور او رمعاشرتی نظام کے متعلق دین کے پاس تعلیمات ہیں یا نہیں ؟ بلکہ ان کی نظر میں دین کو اجتماعی اور سیاسی امو رسے الگ رہنا چاہیے اگر چہ اجتماعی اور سیاسی امور کے متعلق اس کے پاس بہت سے اصول اور تعلیمات ہی کیوں نہ ہوں _ اس نظریہ کی بنیاد پر اگر دین، سیاسی امور میں اپنے لئے حکمرانی کا قائل ہو اور اس نے دینی حکومت تشکیل دینے کا کہا ہو ،اور مختلف سیاسی امور میں اپنی تعلیمات پیش بھی کی ہوں لیکن عملی طور پر سیاسی امور میں دین کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ سیاست او رمعاشرتی نظام مکمل طو ر پر انسانی اور عقلی امر ہے او ردین اس میں مداخلت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اس میں دین کو دخیل کرنے کا واضح مطلب، انسانی علم و دانش اور تدبر وعقل سے چشم پوشی کرنا ہے_یہ افراد در حقیقت سیکو لر حکومت کی حمایت کرتے ہے اور مکمل طور پر سیکولرازم کے وفادار ہیں

_

سیاست سے اسلام کی جدائي

جیسا کہ اشارہ ہو چکا ہے : دینی حکومت کے مخالفین کا پہلا گروہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اسلام نے اپنی تعلیمات میں مسلمانوں کو دینی حکومت کی تشکیل کی ترغیب نہیں دلائي _ان کا زور اس بات پر ہے کہ

44

آنحضرت (ص) مدینہ میں کئي سال رہے لیکن کیا آپ (ص) نے وہاں حکومت تشکیل دی ؟اگر مان بھی لیا جائے کہ حکومت قائم کی تھی سوال یہ ہے کہ کیا اس حکومت کے قیام کا سرچشمہ فرمان الہی اور دعوت دینی تھی ؟ یا نہیں بلکہ اس کا سرچشمہ صرف عوام تھے ،اور تشکیل حکومت کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات خاموش تھیں ؟

تاریخی حقیقت یہ ہے کہ ہجرت مدینہ کے بعد آنحضرت (ص) نے اطراف مدینہ کے قبائل کو اسلام کی دعوت دی تھی اورايك اتحاد تشکیل دیا کہ جس کا مرکز مدینة النبی تھا_

اس سے مسلمانوں نے ہمیشہ یہی سمجھا کہ آنحضرت (ص) نے مدینہ میں حکومت بنائي تھي_ نبوت اور ہدایت وراہنمائي کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے سیاسی امور کی باگ ڈور بھی آپ (ص) کے ہاتھ میں تھی آپ (ص) کے اس اقدام کا سرچشمہ وحی اور الہی تعلیمات تھیں او رآنحضرت (ص) کی سیاسی ولایت کا سرچشمہ فرمان الہی تھا:

" النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم "

نبی تمام مومنین سے ان کے نفس کی نسبت زیادہ اولی ہے_ (سورہ احزاب آیت6)

"انّا انزلنااليك الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بمااريك الله "

ہم نے آپ پر برحق کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لو گوں کے در میان حکم خدا کے مطابق فیصلہ کریں_(سورہ نساء آیت 105)

ان دو آیات میں اللہ تعالی نے مسلمانوں پر آنحضرت (ص) کو ولایت عطا فرمائي ہے اور آپ (ص) کو حکم دیاہے کہ قرآن نے آپ کو جو سیکھایاہے اس کے مطابق لوگوں کے در میان فیصلہ کریں_ اسی طرح دوسری آیات میں مسلمانوں کو حکم دیاہے کہ وہ آپ (ص) کی اطاعت کریں_

"اطیعوااللہ واطیعواالرسول "

خدا اور رسول کی اطاعت کرو (سورہ نساء آیت59)

45

"فلا و ربّك لا يؤمنون حتی يحکّموك فيما شجر بينہم ثم لا يجدوافی انفسہم حرجامّما قضيتَ و يسلّمواتسليماً"

پس آپ(ص) کے پروردگار کی قسم یہ کبھی بھی صاحب ایمان نہیں بن سکتے جب تك آپ کو اپنے باہمی اختلاف میں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

منصف نہ بنائیں اور پھر جب آپ فیصلہ کردیں تو اپنے دل میں کسی تنگی کا احساس نہ کریں_ اور آپ کے فیصلہ کے سامنے سرا پا تسلیم ہوجا ہیں_(سورہ نساء آیت 65)
اس مشہور و معروف تفسیر کی بنیاد پر صدر اسلام میں مسلمانوں کے دینی حکومت کے تشکیل دینے کا سرچشمہ دین اور اس کی تعلیمات تھیں اور یہ اقدام مکمل طور پر دینی اور مشروع تھا اور در حقیقت یہ دین کے پیغام پر لبیك تھا_ لیکن آخری عشروں میںبعض سنی اور بہت کم شیعہ مصنفین نے اس معروف تفسیر اور نظریہ کی مخالفت کی ہے_(1)
مدینہ میں آنحضرت (ص) کی اس سیاسی حاکمیت کی یہ افراد کچھ اور تفسیر کرتے ہیں_ بعض تو سرے سے ہی اس کے منکر ہیں اور اس بات پر مصر ہیں کہ آنحضرت (ص) صرف دینی رہبر و قائد تھے اور انہوں نے حکومتی و سیاسی امور کبھی بھی اپنے ہاتھ میں نہیں لئے تھے_ جبکہ اس کے مقابلہ میں بعض افراد معتقد ہیں کہ آنحضرت (ص) سیاسی ولایت بھی رکھتے تھے لیکن یہ ولایت خدا کی طرف سے عطا نہیں ہوئي تھی بلکہ اس کا سرچشمہ رائے عامہ تھي_ اورلوگوںنے ہی حکومت آپ کے سپرد کی تھي_ پس دین نے اپنی تعلیمات میں تشکیل حکومت کی دعوت نہیں دی ہے اور رسولخدا (ص) کی حکومت خالصةًایك تاریخی اور اتفاقی واقعہ تھا لہذا اسے ایك دینی دستور کے طور پر نہیں لیا جاسکتا_
ہم اس کتاب کے دوسرے باب میں جو اسلام کے سیاسی تفکر کی بحث پر مشتمل ہے مذکورہ نظریوں کے

1) اس بحث کا آغاز 1925 عیسوی میں مصری مصنف علی عبدالرزاق کی کتاب '' الاسلام و اصول الحکم'' کے چھپنے کے بعد ہوا_

بارے میں تفصیلی گفتگو کریں گے اور دینی حکومت کے مخالف اس گروہ کی ادلہ کا جواب دیں گے_

دینی حکومت کا تاریخی تجربہ :
پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ دینی حکومت کے مخالفین کا دوسرا گروہ دینی حکومت کی تشکیل کے منفی اور تلخ نتائج پر مصر ہے اور یہ افراد اپنے انکار کی بنیاد انہی منفی نتائج کو قرار دیتے ہیں_ ان کی ادلّہ کا محور دینی حکومت کے قیام کے تاریخی تجربات کا تنقیدی جائزہ ہے_
ان افراد کے جواب کے طور پر ہم چند نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں_
1_ انسانی تاریخ مختلف قسم کی دینی حکومتوں کی گواہ ہے_ ان میں سے بعض اپنی تاریخی آزمائشےوں میں کامیاب نہ ہوسکیں لیکن بعض انبیائ اور اولیا الہی کی حق اور عدل و انصاف پر مبنی حکومتیں دینی حکومت کی تاریخ کا سنہری ورق ہیں_ مدینہ میں آنحضرت (ص) کی دس سالہ قیادت و رہبری اور حضرت امیر المؤمنین کی تقریباً پانچ سالہ حکومت، دینی حکومت کی بہترین مثالیں ہیں_ جن کی جزئیات اور درخشاں دور تاریخ کے ہر محقق اور مورّخ کے سامنے ہے_ اس دور میں عدل ، تقوی اور فضیلت کی حکمرانی کے روح پرور جلوے ایسے خوشگوار اور مسرت انگیز ہیں کہ نہ صرف مسلمانوں کیلئے بلکہ پوری انسانیت کیلئے قابل فخر و مباہات ہیں_ بنابریں کلی طور پر تمام دینی حکومتوں کو یکسر رد نہیں کیا جاسکتا _ بلکہ علمی انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر تاریخی تجربہ کا باریك بینی سے جائزہ لیا جائے_
2_ دینی حکومت کے بھی مراتب اور درجات ہیں_ عالم اسلام اور عیسائیت کی بعض دینی حکومتیں اگر چہ بہت اعلی اور مطلوب حد تك نہیں تھیں لیکن اپنے دور کی غیر دینی حکومتوں سے بہت بہتر تھیں_ عالم اسلام کی

ابتدائي سو سالہ اسلامی حکومتیں " اگر چہ ہمارے نزدیك ان میں سے اکثر حکومتیں غاصب تھیں اور اسلامی اصولوں پر استوار نہیں تھیں" اس کے باوجود دینی حکومت کے کچھ مراتب کا پاس ضرور رکھتی تھي_ لہذا یہ ادعا کیا جاسکتا ہے کہ یہ حکومتیں اپنے دور کی غیر دینی حکومتوں کی نسبت بہت سے بہتر نکات کی حامل تھیں_مفتوحہ علاقوں کے رہنے والوں سے مسلمان فاتحین کے سلوك کو بطور نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ جس نے ان کے اسلام لانے میں اہم کردار ادا کیا_ اس لحاظ سے کشور کشائي کے خواہشمند سلاطین اور دوسری فاتح حکومتوں کا ان سے مقائسہ نہیں کیا جاسکتا_
3_ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بہت سے اعلی حقائق ، گرانقدرمفاہیم اور بلند و بالا اہداف سے غلط استفادہ کیا جاسکتا ہے _ کیا نبوت کے جھوٹے دعوے نہیں کئے گئے ؟ کیا آبادکاری اور تعمیر و ترقی کے بہانے استعماری حکومتوں نے کمزور ممالك کو تاراج نہیں کیا؟ موجودہ دور میں جمہوریت اور آزادی کی علمبردار مغربی حکومتوں نے حقوق بشر اور آزادی کے بہانے عظیم جرائم کا ارتکاب نہیں کیا؟ اور فلسطین جیسی مظلوم قوموں کے حق میں تجاوز نہیں کیا؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ان غلط استفادوں اور تحریفات کا کیا کیا جائے؟ کیا نبوت ، امامت ، دین ، آزادی اور حقوق بشر کو ترک کردیا جائے؟ صرف اس دلیل کی بنیاد پر کہ بعض افراد نے بعض موارد میں ان گرانقدر اور مقدس امور سے غلط استفادہ کیا ہے؟ بلکہ معقول اور منطقی بات یہ ہے کہ ہوشیاری ، دقت ، آگاہی اور طاقت سے غلط کاریوں اور سوء استفادہ کی روک تھام کی جائے_ دینی حکومت بھی ان مشکلات سے دوچار ہے _ دین کے تقدس اوردینی حکومت سے غلط فائدہ اٹھانے اور دین کی حقیقت اور روح کو پس پشت ڈال دینے کا امکان ہمیشہ موجود ہے_ دینی حکومتوں کو راہ راست

48

سے بھٹکنے اور دینی تعلیمات سے ہٹنے کا خطرہ ہمیشہ موجود رہتا ہے لہذا صاحبان دین کی علمی آگاہی اور نظارت کی ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے_ لیکن کسی صورت میں بھی یہ بات عقلی و منطقی نہیں ہے کہ ان خطرات کی وجہ سے دین کی اصل حاکمیت اور سماج و سیاست میں اس کے کردار سے منہ موڑلیا جائے_صاحبان دین کو ہمیشہ اس کی طرف متوجہ رہنا چاہیے کہ حقیقی اسلام کا نفاذ اور دین مقدس کی گرانقدر تعلیمات کی بنیاد پر اجتماعی امور کی تدبیر لوگوں کیلئے کس قدر شیریں ، گوارا اور پر ثمر ہے_

49

خلاصہ

1) دین اور سیاست کی ترکیب کے مخالفین تین قسم کے ہیں_
الف : دینی حکومت کے مخالفین کا ایك گروہ وہ مسلمان ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ اسلام نے دینی حکومت کے قیام کی دعوت نہیں دی اور سیاست کے متعلق اس کے پاس کوئي خاص اصول اور تعلیمات نہیں ہیں_
ب: مخالفین کا دوسرا گروہ دینی حکومت کے انکار کی بنیاد ماضی میں قائم دینی حکومتوں کے تلخ اور ناخوشگوار نتائج کو قرار دیتا ہے_
ج : تیسرا گروہ سرے سے اجتماعی اور سیاسی امور میں دین کی حاکمیت کو تسلیم ہی نہینکرتا_
2) تاریخی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت (ص) نے دینی حکومت قائم کی تھی اور ان کی سیاسی فرمانروائي کا سرچشمہ وحی الہی تھی _
3) طول تاریخ میں تمام دینی حکومتیں منفی نہیں تھیں بلکہ ان میں سے بعض قابل فخر اور درخشاں دور کی حامل تھیں_
4)مقدس امور سے غلط استفادہ کا امکان صرف دین اور دینی حکومت میں منحصر نہیں ہے بلکہ دوسرے مقدس الفاظ و مفاہیم سے بھی غلط استفادہ کیا جاسکتا ہے_

سوالات :
1) دین و سیاست کی ترکیب کے مخالفین کی مختصر تقسیم بندی کیجئے_
2) جو افراد دینی حکومت کے انکار کی وجہ تاریخ کے تلخ تجربات کو قرار دیتے ہیں وہ کیا کہتے ہیں؟
3) رسولخد ا (ص) کی سیاسی ولایت کا سرچشمہ کیا ہے؟
4) دینی حکومت کے منکرین کے دوسرے گروہ کو ہم نے کیا جواب دیا ہے؟

اسلامی نظریہ حکومت

50

چھٹا سبق:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

سیکولرازم اور دینی حکومت کا انکار

گذشتہ سبق میں اشارہ کرچکے ہیں کہ دینی حکومت کے منکرین کا تیسرا گروہ اجتماعی اور سیاسی امور میں سرے سے ہی دینی حاکمیت کی مخالفت کرتا ہے اور سیکولر حکومت کی حمایت کرتا ہے_ اگر چہ اس نظریہ کے قائلین خود کو سیکولر نہیں کہتے لیکن حقیقت میں سیکولرازم کے بنیادی ترین اصول کے موافق اور سازگار ہیںکیونکہ یہ اجتماعی اور سیاسی امور میں دین سے بے نیازی کے قائل ہیں ان افراد کی ادلّہ کی تحقیق سے پہلے بہتر ہے سیکولرازم اور اس کے نظریات کی مختصر وضاحت کردی جائے_

سیکولرازم کی تعریف:
سیکولرازم (1)وہ نظریہ ہے جو یورپ میں عہد " رنسانس" کے بعد اقتصادی ، ثقافتی اور سماجی تحولات کے نتیجہ میں معرض وجود میں آیا_ اس کا اہم ترین نتیجہ اور اثر سیاست سے دین کی علیحد گی کا نظریہ ہے_ سیکولرازم کا فارسی میں دنیوی ، عرفی اور زمینی جیسے الفاظ سے ترجمہ کیا گیا ہے_ اور عربی میں اس کیلئے " العلمانیہ " اور

.Secularism (1

"العَلَمانية "کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں_ جنہوں نے سیکولرازم کیلئے لفظ "العلمانیہ" کا انتخاب کیا ہے_ انہوں نے اس کو " علم " سے مشتق جانا ہے _ اور اسے علم کی طرف دعوت دینے والا نظریہ قرار دیا ہے اور جنہوں نے اس کیلئے "العَلمانية" کے لفظ کا انتخاب کیا ہے _ انہوں نے اسے عالَم (دنیا ، کائنات) سے مشتق سمجھاہے اور سکولرازم کو آخرت کی بجائے دنیا پر ستی والا نظریہ قرار دیا ہے کہ وحی الہی سے مدد لینے کی بجائے انسان کی دنیوی طاقت مثلا عقل و علم سے مدد لی جائے_

فارسی اور عربی کے اس جیسے دیگر الفاظ اور خود لفظ (سیکولر) اس اصطلاح کے تمام اور ہمہ گیر مفہوم کو ادا نہیں کرسکتے _ طول زمان کے ساتھ ساتھ بہت سی تاریخی اصطلاحوں کی طرح لفظ سیکولرازم اور سیکولر بھی مختلف اور متعدد معانی میں استعمال ہوتے رہے ہیں اور تاریخی تحولات کے ساتھ ساتھ ان کے معانی بدلتے رہے ہیں_ابتدا میں سیکولر اور لائیك(1) کی اصطلاحیں غیر مذہبی و غیر دینی معانی و مفاہیم کیلئے استعمال ہوتی تھیں_قرون وسطی میں یورپ میں بہت سی موقوفہ اراضی (وقف شدہ زمین) تھیں جو مذہبی افراد اور راہبان کلیسا کے زیر نظر تھیں جبکہ غیر موقوفہ اراضی غیر مذہبی یعنی سیکولر افراد کے زیر نظر تھیں اس لحاظ سے سیکولر غیر مذہبی اور غیر پادری افراد کو کہا جاتا تھا_

1) آج بہت سی حکو متوں کو لائیك اور سیکولر کہا جاتاہے _ قابل غور ہے کہ سیکولر اور لائیك کے درمیان کوئي بنیادی فرق نہیں ہے_ اور دونوں اصطلاحیں ایك ہی مخصوص نظریہ پر دلالت کرتیں ہیں _ وہی نظریہ جو سیاست میں دین کی مداخلت کو قبول نہیں کرتا _ اس نکتہ کی وضاحت ضروری ہے کہ پروٹسٹنٹ Protestan t (دین مسیحیت کے ماننے والوں کا ایك فرقہ) علاقوں میں سیکولرازم اور سیکولر کی اصطلاحیں رائج ہوئیں_ لیکن کیتھولك ممالك مثلا فرانس و غیرہ میں لائیك اور لائیسیتہ (Laicite) کی اصطلاح مشہور ہوئي _ و گرنہ لائیك اور سیکولر میں معنی کے لحاظ سے کوئي فرق نہیں ہے_

زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ لفظ سیکولر اور لائیك ایك مخصوص معنی میں استعمال ہونے لگے_ حتی کہ بعض موارد میں اس سے دین اور صاحبان دین سے دشمنی کی بو آتی ہے _ لیکن اکثر موارد میں انہیں غیر مذہبیت یا کلیسا اور مذہبی لوگوں کے تحت نظر نہ ہونے کیلئے استعمال کیا جاتا تھا نہ کہ دین دشمنی کے معنی میں_ مثلا سیکولر مدارس ان سکولوں کو کہتے ہیں جن میں دینی تعلیم کی بجائے ریاضی یا دوسرے علوم کی تعلیم دی جاتی ہے اور ان کے اساتذہ مذہبی افراد اور پادری نہیں ہوتے _

آہستہ آہستہ یہ فکر اور نظریہ رائج ہونے لگا کہ نہ صرف بعض تعلیمات اور معارف ، دین اور کلیسا کے اثر و نفوذ سے خارج ہیں بلکہ انسانی زندگی کے کئے شعبے دین اور کلیسا کے دائرہ کار سے خارج ہیں_

یوں سیکولرازم اور لائیك نے ایك نئي فکری شکل اختیار کر لی اور سیکولرازم نے کائنات اورانسان کو ایك نیا نظریہ دیایہ نیا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

نظریہ بہت سے موارد میں دین کی حاکمیت اور اس کی تعلیمات کی قدر و قیمت کا منکر ہے_
سیکولر حضرات ابتداء میں علم اور ایمان کی علیحد گی پر اصرار کرتے تھے_ اس طرح انہوں نے تمام انسانی علوم حتی کہ فلسفی اور ماورائے طبیعت موضوعات کو بھی دینی حاکمیت اور دینی تعلیمات کے دائرے سے خارج کردیا_البتہ ان لوگوںکی یہ حرکت اور فکر کلیسا کی سخت گیری کا نتیجہ اور رد عمل تھا کہ جنھوں نے علم و معرفت کو عیسائیوں کی مقدس کتب کی خو د ساختہ تفسیروں میں محدود کردیا تھا اور دانشوروں کی تحقیقات اور علمی رائے کی آزادی کو سلب کرلیا تھا_ مسیحی کلیساؤں نے قرون وسطی کے تمام علمی ، ادبی اور ثقافتی شعبوں میں مقدس کتب اور اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھي_ اس وجہ سے سیکولر حضرات رد عمل کے طور پر" سیکولر علوم اور وہ علوم جو دین اور کلیسا کی دسترس سے خارج تھے" کے دفاع کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے_
علم طبیعیا سے علم فلسفہ میں بھی یہی بات سرایت کر گئي اور سیکولر فلسفہ کی بنیاد پڑي_ پھر آہستہ آہستہ سیاسی

53

اور سماجی و اجتماعی امور بھی اس میں داخل ہوگئے اور علم و فلسفہ کی طرح سیاسی میدان میں بھی سیکولرازم کی راہ ہموار ہوگئي _ سیکولر افراد کے ہاں سیاست سے دین کی جدائي کا نظریہ اور سیاسی امور میں دین اور کلیساکی حاکمیت کی نفی کا نظریہ شدت اختیار کر گیا لہذا سیکولرازم نہ صرف سیاست سے دین کی علیحد گی کا حامی ہے بلکہ علم سے بھی دین کی جدائي کا دفاع کرتا ہے_ بنیادی طور پر سیکولرازم اس کا خواہاں ہے کہ ان تمام امور کو سیکولر اور غیر دینی ہوجانا چاہیے جو دین کے بغیر قائم رہ سکتے ہیں_ پس سیکولرازم ، سیکولر علم ، سیکولر فلسفہ ، سیکولر قانون اور سیکولر حکومت کا حامی ہے_
سیکولر ازم کی بنیاد ایك ایسی چیز پر ہے جسے" سیکولر عقلانیت"(1) کہتے ہیں _ اس مخصوص عقلانیت (2) نے موجودہ مغربی معاشرہ کی تشکیل میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے_ " سیکولر عقلانیت " نے ایك طرف حاکمیت دین کی حدودکے متعلق نئے نظریات پیش کئے ہیں تو دوسری طرف انسانی عقل اور علم کی اہمیت پر زور دیا ہے_ سیکولرازم صرف انسان کی انفرادی زندگی اور اس کے خدا کے ساتھ تعلق میں دین کی حاکمیت کا قائل ہے جبکہ انسان کی علمی اور اجتماعی زندگی میں دین کی حکمرانی کو تسلیم نہیں کرتا_ بلکہ ان امور میں انسانی علم اورعقل کی فرمانروائي پر زور دیتا ہے" سیکولر عقلانیت" کے نزدیك انسانی علم و عقل ہر قسم کے سرچشمہ معرفت سے مستقل اور بے نیاز ہے لہذا اسے اپنے استقلال اور بے نیازی پر باقی رہنا چاہیے _ انسانی عقل اور علم ، دین اور ہر قسم کے سرچشمہ معرفت سے بے نیاز اور مستقل رہتے ہوئے انسانی زندگی کی پیچیدگیوں کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں_ اس طرح سیکولرازم نے سیکولر عقلانیت اور انسانی عقل و علم کے بارے میں اس خاص

.Secular Rationality (1
.Rationality (2

54

نظریہ کی بناء پر آہستہ آہستہ مختلف علمی امور سے دین کی حاکمیت کو ختم کیااور علمی زندگی اورموجودہ مغربی معاشرہ کے مختلف شعبوں میں خود انسان اور عقل پر زیادہ زور دینے لگا _ (1)

دین اور سیکولرازم
سیکولرازم عقل اورا نسانی علم کو وحی اور دینی تعلیمات سے بے نیاز سمجھتا ہے اور ان تمام امور میں دین کی طرف رجوع کرنے کی نفی کرتا ہے جن تك انسانی عقل اور علم کی رسائي ہے _ سیکولرازم کی نظر میں صرف ان امور میں دین کی حاکمیت قبول ہے جن تك انسانی عقل اور علم کی رسائي نہیں ہوتی _دین کے ساتھ سیکولرازم کے اس رویہ کو کیا الحاد اور دین دشمنی کا نام دیا جاسکتا ہے؟
حقیقت یہ ہے کہ حاکمیت دین کی حدود سے متعلق سیکولرازم کی تفسیر اس تفسیر سے بالکل مختلف ہے جو صاحبان دین کرتے ہیں_ صاحبان دین کے نزدیك دین کی مشہور، رائج اور قابل قبول تشریح یہ ہے کہ دین کی حاکمیت صرف انسان کی خلوت اور خدا کے ساتھ اس کے انفرادی رابطے تك منحصر نہیں ہے بلکہ ایك انسان کا دوسرے انسان سے تعلق ، اور انسان کا کائنات اور فطرت سے تعلق سب دینی ہدایت کے تابع ہیناور اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں میں دین نے اپنی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

تعلیمات پیش کی ہیں_ دین کے بارے میں اس رائج فکر کے ساتھ "سیکولر عقلانیت" اتنا فرق نہیں رکھتی کہ ہم سیکولرازم کو ملحد اور دشمن دین سمجھیں _ سیکولرازم کا انسانی عقل و علم کے وحی اور دینی تعلیمات سے جدا اور بے نیاز ہونے پر اصرار ایمان اور دین کے ساتھ تضاد نہیں رکھتا _ سیکولرازم یقیناً دین کی حاکمیت کو محدود کرتا ہے اور وہ امور جو عقل انسانی اور علم بشری کی دسترس میں ہیں انہیں ایمان اور دین کی فرمانروائي سے خارج سمجھتا ہے_ اس قسم کے موارد میںانسانی علم و فہم سے حاصل شدہ

1) سیکولرازم کے متعلق مزید تفصیل کیلئے احمد واعظی کی کتاب حکومت دینی (نشر مرصاد 1378قم) کی دوسری فصل کا مطالعہ فرمائیں_ 55
ظن و گمان کودینی تعلیمات سے حاصل ہونے والے یقین و اعتقاد پر ترجیح دیتاہے اور اس کو شش میں رہتا ہے کہ دینی اعتقادات کو عقل و علم اور انسانی منطق کی کسوٹی پر پرکھے لیکن اس کے باوجود سیکولرازم کو ملحد اور دشمن دین نہیں کہا جاسکتا_
ہماری نظر میں سیکولر ہونے کی بنیاد" سیکولر عقلانیت" کے قبول کرنے پر منحصر ہے یعنی ہر شخص جو خود پر بھروسہ کرتا ہے، انسانی علم و عقل کے مستقل ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے ، دین کی حاکمیت کو انسان کے عالم غیب کے ساتھ رابطہ میں منحصر سمجھتا ہے اور جو امور انسانی عقل و علم کی دسترس میں ہیں، ان میں دین کی مداخلت کو ممنوع قرار دیتا ہے وہ ایک سیکولر انسان ہے_ چاہے وہ حقیقتاً خدا اور کسی خاص دین کا معتقد ہو یا بالکل منکر دین اور ملحد ہو _ مختصر یہ کہ سیکولرازم صرف ان امور میں دین کے نفوذ کا قائل ہے جو انسانی عقل کی دسترس سے خارج ہوں _ یہ وہ انفرادی امور ہیں جو انسان اور خدا کے تعلق کے ساتھ مربوط ہیں_ یہ ہر فرد کا حق ہے کہ وہ اس ذاتی تعلق کو ردّ یا قبول کرنے کا فیصلہ کرے _ اس لحاظ سے اس رابطے و تعلق کے انکار یا اقرار پر سیکولرازم زور نہیں دیتا_ اور دینی امور میں سہل انگاری کا معتقد ہے اور یہ سہل انگاری الحاد یا بے دینی نہیں ہے_ البتہ سیکولر شخص کی دین داری ایک مخصوص دینداری ہے جو عقل کی محوریت پر استوار ہے اور دین کی حاکمیت کو بہت محدود قرار دیتی ہے_
گذشتہ مطالب کو دیکھتے ہوئے سیکولرازم کا بنیادی نکتہ " سیکولر عقلانیت" کو تسلیم کرنا ہے_ یہ عقلانیت جو خود پر بھروسہ کرنے اورا نسانی عقل و علم کو وحی اور دینی تعلیمات سے بے نیاز سمجھتی ہے بہت سے امور میں دینی مداخلت کیلئے کسی گنجائشے کی قائل نہیں ہے _ دین اور انسان کی علمی طاقت کے متعلق یہ فکر متعدد نتائج کی حامل

56
ہے اور بہت سے امور کو سیکولر اور غیر دینی کردیتی ہے _ علم ، فلسفہ ، قانون ، اخلاق اور سیاست تمام کے تمام غیر دینی اور سیکولر ہو جاتے ہیں_ بنابریں سیاست سے دین کی جدائي بھی سیکولرازم کے نتائج و ثمرات میں سے ایک نتیجہ ہے، نہ کہ صرف یہی اس کا نتیجہ ہے _ لہذا" سیاست سے دین کی جدائي" سیکولرازم کی دقیق اور مکمل تعریف نہیں ہے_ کیونکہ اس صورت میں سیکولرازم کی بنیاد یعنی سیکولر عقلانیت کے ذریعہ تعریف کی بجائے اس کے ایک نتیجے کے ذریعہ تعریف ہوجائے گی اسی طرح الحاد اور بے دینی کے ساتھ بھی اس کی تعریف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کوئي خدا پر ایمان رکھتا ہو لیکن سیکولر عقلانیت کو تسلیم کرتے ہوئے عملی طور پر سیکولرازم کا حامی ہو_
سیکولرازم کے مفہوم کی اجمالی وضاحت اور دین داری کے ساتھ اس کی نسبت کے بعد دینی حکومت کی نفی پر اور سیاست اور معاشرتی نظام میں دین کی مداخلت کے انکار پر سیکولرازم کی بعض ادلہ ذکر کرنے کی باری ہے اور آنے والے سبق میں ہم ان کی دو اصلی دلیلوں پر بحث کریں گے_

57

خلاصہ :

1) دینی حکومت کے مخالفین کا تیسرا گروہ سیکولرازم کی فکر کو قبول کرتا ہے_
2) " سیکولرازم " ایک خاص علمی نظریہ ہے جو " رنسانس" کے بعد منظر عام پر آیا_
3) " سیکولرازم " کے تحت اللفظی تراجم اس کے مفہوم کی صحیح عکاسی نہیں کرتے _
4)"سیکولر" اور " لائیک" دو مترادف اصطلاحیں ہیں_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

5)لفظ " سیکولر" کا معنی وقت کے ساتھ ساتھ بدلتارہاہے_
6) سیکولراز م کی بنیاد" سیکولر عقلانیت "کے قبول کرنے پر ہے_سیکولر عقلانیت خود پر بھروسہ کرنے اور دین اور دینی تعلیمات سے عقل و علم کی بے نیازی کی قائل ہے_
7) " سیکولرازم "بہت سے شعبوں میں دین کی حاکمیت سے انکار کرتا ہے_
8) سیاست سے دین کی جدائي کے ساتھ سیکولرازم کی تعریف کرنا صحیح نہیں ہے_کیونکہ یہ تو اس کا ایک نتیجہ ہے جیسا کہ علم اور فلسفہ سے دین کی جدائي بھی اس کے نتائج میں سے ہے_
9) سیکولرازم کا معنی دین دشمنی اور الحاد نہیں ہے_ بلکہ یہ دین کی حاکمیت کو محدود کرنا چاہتا ہے_
10) موحد اور ملحد دونوں سیکولر ہوسکتے ہیں، کیونکہ دین داری اور الحاد میں سے کوئي بھی اسکی بنیاد نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد سیکولر عقلانیت کے قبول کرنے پر ہے_

58

سوالات :

1) لفظ " سیکولرازم" کا اردو اور عربی میںترجمہ کیجئے؟
2)لفظ "سیکولر" اور لفظ" لائیک" میں کیا فرق ہے؟
3)ابتدا میں لفظ" سیکولر "کن معانی میں استعمال ہوتا تھا؟
4)"سیکولر عقلانیت "سے کیا مراد ہے ؟
5)سیکولرازم اور دین داری میں کیا نسبت ہے؟
6)دین کی حاکمیت کے متعلق سیکولر ازم کا کیا عقیدہ ہے؟
7) کیا سیاست سے دین کی جدائي کے ساتھ سیکولرازم کی تعریف کرنا صحیح ہے؟

اسلامی نظریہ حکومت

59

ساتواں سبق:

دینی حکومت کی مخالفت میں سیکولرازم کی ادلہ (1)

پہلی دلیل:

سیاست میں دین کی عدم مداخلت پر سیکولرازم نے جو استدلال کئے ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جسے "مشکل نفاذ شریعت "کے نام سے یاد کیا جاتاہے_یہ استدلال جو دو اساسی مقدموں پر مشتمل ہے، شریعت کے نفاذ کے ممکن نہ ہونے پر استوار ہے _ دینی حکومت کے قائلین اپنے استدلال اور ادلّہ میں اس نکتہ پر اصرار کرتے ہیں کہ اسلامی شریعت میں کچھ ایسے احکام اور قوانین ہیں جن کا اجرا ضروری ہے _ دوسری طرف یہ احکام حکومت کی پشت پناہی کے بغیر قابل اجرا نہیں ہیں _ لہذا مختلف اجتماعی امور میں شریعت کے نفاذ کیلئے دینی حکومت کا قیام ضروری ہے _ سیکولرازم دینی حکومت کی تشکیل کی نفی کیلئے اس نکتہ پر اصرار کرتا ہے کہ اجتماعی اور سماجی امور میں شریعت کا نفاذ مشکل ہے اور معاشرہ میں فقہ اور شریعت کو نافذ نہیں کیا جاسکتا_ اس طرح وہ اپنے زعم ناقص میں دینی حکومت کی تشکیل پر

سوالیہ نشان لگاتے ہیں_ کیونکہ دینی حکومت کے قیام کی اساس اور بنیاد معاشرے میں دین اور شریعت کے نفاذ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے_

60

سیکولرازم کے استدلال کا پہلا مقدمہ یہ ہے کہ اجتماعی اورسماجی روابط و تعلقات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں_ طول تاریخ میں انسان کے اجتماعی اور اقتصادی روابط تبدیل ہوتے رہے ہیں اور اس تبدیلی کا سرچشمہ علمی اور انسانی تجربات کا رشد ہے_ دیہاتی اور قبائلی معاشرہ میں حاکم سیاسی ،ثقافتی اور اقتصادی روابط ،صنعتی اور نیم صنعتی معاشرہ پر حاکم اجتماعی روابط سے بہت مختلف ہیں _ بنابریں اجتماعی زندگی کے تحول و تغیر کی بناپر اجتماعی روابط میں تبدیلی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا_

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ دین اور اس کی تعلیمات ثابت اور غیر قابل تغییر ہیں_کیونکہ دین نے ایک خاص زمانہ جو کہ اس کے ظہور کا دور تھا میں انسان سے خطاب کیا ہے اور اس زمانے کو دیکھتے ہوئے ایک مخصوص اجتماع کےحالات اور خاص ماحول کے تحت اس سے سروکار رکھاہے_ دین اور شریعت ایسی حقیقت نہیں ہے جو قابل تکرار ہو_ اسلام نے ایک خاص زمانہ میں ظہور کیا ہے اور اس طرح نہیں ہے کہ سماجی تحولات کے ساتھ ساتھ وحی الہی بھی بدل جائے اور اسلام بھی نیا آجائے _ دین ایک امر ثابت ہے اور سماجی تحولات کے ساتھ اس میں جدّت پیدا نہیں ہو تی اور اس کے اصول و ضوابط اور تعلیمات نئے نہیں ہوجاتے _ ان دو مقدموں کانتیجہ یہ ہے کہ ایک امر ثابت، امر متغیر پر قابل انطباق نہیں ہے _ دین جو کہ امر ثابت ہے ہر زمانے کے مختلف اجتماعی اور سماجی روابط کو منظم نہیں کرسکتا_ صرف اُن معاشروں میں شریعت کا نفاذ مشکل سے دوچار نہیں ہوتا جو اس کے ظہورکے قریب ہوں کیونکہ اس وقت تك ان معاشروں کے اجتماعی روابط میں کوئي بنیادی تبدیلی نہیں ہوئي تھی _ لیکن ان معاشروں میں شریعت کا نفاذ مشکل ہوتاہے، جن کے اجتماعی مسائل نزول وحی کے زمانہ سے مختلف ہیںپس شریعت کے نفاذ کے غیر ممکن ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ سیاسی اور اجتماعی امور میں دین کی حاکمیت اور دینی حکومت کی تشکیل کی ضرورت نہیں ہے_

61

اس پہلیدلیل کا جواب

اس استدلال اور اس کے دو اساسی مقدموں پر درج ذیل اشکالات ہیں _

1_ اجتماعی امور اور روابط میں تبدیلیوں کا رونما ہونا ایک حقیقت ہے لیکن یہ سب تبدیلیاںایک جیسی نہیں ہیں اور ان میں سے بعض شریعت کے نفاذ میں رکاوٹ نہیں بنتیں _ اس نکتہ کو صحیح طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ تمام اجتماعی تغیرات اساسی اور بنیادی نہیں ہیں بلکہ بعض اجتماعی تبدیلیاں صرف ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے ہوتی ہیں بایں معنی کہ گذشتہ دور میں معاشرے میں لوگوں کے درمیان اقتصادی روابط تھے آج بھی ویسے ہی اقتصادی روابط موجود ہیں لیکن ایک نئي شکل میں نہ کہ نئے روابط نے ان کی جگہ لی ہے_ مختلف اجتماعی روابط میں شکل و صورت کی یہ تبدیلی قابل تصور ہے_ مثلاًتمام معاشروں میں اقتصادی و تجارتی تعلقات; خرید و فروخت، اجارہ ، صلح اور شراکت جیسے روابط اور معاملات کی صورت میں موجود رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں _زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی شکل و صورت میں تبدیلی آجاتی ہے لیکن ان معاملات کی اصل حقیقت نہیں بدلتي_ اگر ماضی میں خرید و فروخت ،اجارہ اور شراکت کی چند محدود صورتیںتھیں ، تو آج انکی بہت ساری قسمیں وجود میں آچکی ہیں _ مثلاً ماضی میں حصص کاکا روبار کرنے والي(1) اور مشترکہ سرمایہ کی (2)بڑی بڑی کمپنیاں نہیں تھیں_ اسلام نے ان معاملات کی اصل حقیقتکے احکام مقرر کر دیئے ہیں _ تجارت ، شراکت اور اجارہ کے متعلق صدر اسلام کے فقہی احکام ان تمام نئي صورتوں اور قسموں کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں کیونکہ یہ احکام اصل حقیقت کے متعلق ہیں نہ کہ ان کی کسی مخصوص شکل و صورت کے متعلق_ لہذا اب بھی باقی ہیں _

Exchange. . Stock (1
.jointstock companis (2

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

62
اسی طرح اسلام نے بعض اقتصادی معاملات کو ناجائز قرار دیا ہے _ آج اگر وہ نئي شکل میں آجائیں تب بھی اسلام کیلئے ناقابل قبول ہیں اور اس نئي شکل پر بھی اسلام کا وہی پہلے والا حکم لاگو ہوتا ہے _ مثلاً سودی معاملات اسلام میں حرام ہیں _ آج نئے طرز کے سودی معاملات موجود ہیں جو ماضیمیں نہیں تھے _ اگر تجزیہ و تحلیل کرتے وقت مجتہد کو معلوم ہوجائے کہ یہ سودی معاملہ ہے تو وہ اس کی حرمت اور بطلان کا حکم لگا دے گا _ بنابریں اس نئے مورد میں بھی سود والا حکم لگانے میں کوئي دشواری نہیں ہوگی _ لہذا اقتصادی روابط و معاملات میں تغیر و تبدل شرعی احکام کے منطبق ہونے میں رکاوٹ نہیں بنتا _

2_ بعض اجتماعی تحولات، ایسے مسائل کو جنم دیتے ہیں جوحقیقت اور شکل و صورت کے لحاظ سے بالکل نئے ہوتے ہیں کہ جنہیں "مسائل مستحدثہ" کہتے ہیں اس قسم کے مسائل کا حل بھی شریعت کے پاس موجود ہے_ پس سیکولرازم کے استدلال کا دوسرا مقدمہ کہ" دین ثابت ہے اور تغیر پذیر اشیاء پر منطبق ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا" درست نہیں ہے کیونکہ دین اگر چہ ثابت ہے اور معاشرتی تحولات کے ساتھ ساتھ تبدیل نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود دین مبین اسلام میں ایسے قوانین و اصول موجود ہیں جن کی وجہ سے فقہ اسلامی ہر زمانہ کے مسائل مستحدثہ (نئے مسائل) پر منطبق ہونے اور ان کو حل کرنے کی قدرت و صلاحیت رکھتی ہے اور اس میں اسے کوئي مشکل پیش نہیں آتی _ ان میں سے بعض اصول و قوانین یہ ہیں_

الف_ اسلامی فقہ خصوصاً فقہ اہلبیت میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے بایں معنی کہ فقیہ اور مجتہد کا کام صرف یہ نہیں ہے کہ فقہی منابع میں موجود مسائل کے احکام کا استنباط کرے بلکہ وہ فقہی اصول و مبانی کو مد نظر رکھتے ہوئے جدید مسائل کے احکام کے استخراج کیلئے بھی کوشش کرسکتا ہے _

ب_ شرط کی مشروعیت اور اس کی پابندی کا لازمی ہونا فقہ کے بعض شرائط اور جدید مسائل کے ساتھ

63
مطابقت کی راہ ہموار کرتا ہے کیونکہ بہت سے نئے عقلائي معاملات کو "شرط اور اس کی پابندی کے لزوم" کے عنوان سے جواز بخشا جاسکتاہے _ مثلاً عالمی تجارت کے قوانین ،دریائي اور بحری قوانین، قوانین حق ایجاد ، فضائي راستوناور خلائي حدود کے قوانین سب نئے امور اور مسائل ہیں کہ جن کے متعلق اسلامی فقہ میں واضح احکام موجود نہیں ہیں _ لیکن اسلامی نظام ان میں سے جن میں مصلحت سمجھتاہے ان کو بین الاقوامی یا بعض انفرادی معاملات کے ضمن میں قبول کرسکتاہے اور لوگوں کو ان کی پابندی کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کیلئے راہنمائي کرسکتا ہے _

ج_ مصلحت کے پیش نظر جامع الشرائط ولی فقیہ کا حکم حکومتی زمانہ کے تقاضوں کے ساتھ فقہ کی مطابقت کے اہم ترین اسباب میں سے ہے _نئے امور کہ جن کے متعلق مخصوص فقہی حکم موجود نہیں ہے میں ولی فقیہ حکومتی حکم کے تحت ان کی شرعی حیثیت کا تعین کرسکتا ہے_

مختصر یہ کہ:

اولاً: تو تمام اجتماعی تبدیلیاں ایسی نہیں ہیں جو نئے شرعی جواب کا مطالبہ کریں اور نفاذ شریعت میں دین کا ثبات اور استحکام رکاوٹ پیدا کرے کیونکہ صرف شکل وصورت بدلی ہے لہذا شریعت کا حکم آسانی سے اس پر منطبق ہوسکتا ہے _

ثانیاً: اگر اجتماعی تحولات کی وجہ سے بالکل نئے مسائل پیدا ہوجائیں تب بھی اسلامی فقہ میں ایسے اسباب وا صول موجود ہیں جن کی وجہ سے شریعت ان نئے مسائل کیلئے بھی جواب گو ہوسکتی ہے _ بنابریں " ثبات دین" کا معنی یہ نہیں ہے کہ دین کا جدید مسائل پر منطبق ہونا ممکن نہیں ہے _ بلکہ دین ثابت میں ایسےعناصرموجود ہیں کہ جن کی بناپر دین جدید تبدیلیوناور مسائل کے قدم بہ قدم چل سکتا ہے _

64

خلاصہ :

1)" سیکولرازم" دینی حکومت کو تطبیق اور نفاذ شریعت کی مشکل سے دوچا ر سمجھتاہے _

2) دینی حکومت کی مخالفت کے سلسلہ میں "سیکولرازم" کی مشہور دلیل یہ ہے کہ فقہ اپنے ثبات کی وجہ سے اجتماعی تحولات پر منطبق نہیں ہوسکتی _

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

3)"سیکولرازم" کے استدلال کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ دین ثابت ہے اور اجتماعی روابط تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور ثابت چیز متغیّر شےء پر منطبق نہیں ہو سکتی پس دین معاشرے میں قابل اجرا نہیں ہے _
4) حقیقت یہ ہے کہ اجتماعی تغیرات ایك جیسے نہیں ہیں _
5) اجتماعی معاملات کی شکل و صورت میں تبدیلی نفاد شریعت میں مشکل پیدا نہیں کرتی _
6) اگر چہ بعض تبدیلیاں بالکل نئي ہیں لیکن شریعت میں ان کیلئے راہ حل موجود ہے _
7) دین اگر چہ ثابت ہے لیکن اس میں مختلف حالات کے ساتھ سازگار ہونے کے اسباب فراہم ہیں_

سوالات :
1) دینی حکومت کی نفی پر "سیکولرازم" کی پہلی دلیل بیان کیجیئے _
2) دو قسم کے اجتماعی تغیرات کی مختصر وضاحت کیجیئے _
3) کس قسم کے اجتماعی تغیرات میں شریعت کا اجرازیادہ مشکل ہے ؟
4)"سیکولرازم" کے پہلے استدلال کا اختصار کیساتھ جواب بیان کیجئے_
5) جدید مسائل پر اسلامی فقہ کو قابل انطباق بنانے والے عناصر کی چند مثالیں پیش کیجئے_

آٹھواں سبق :

دینی حکومت کی مخالفت مینسیکولرازم کی ادلّہ (2)

دوسری دلیل :

سیکولرازم کی پہلی دلیل اس زاویہ نگاہ سے بیان کی گئي تھی کہ اجتماعی معاملات اور مسائل ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں جبکہ دین و شریعت ثابت ہے لہذا فقہ ان معاملات اور مسائل کا جواب دینے سے قاصر ہے _ سیاست اور اجتماع کے متعلق فقہ کی ناتوانی پر سیکولرازم کی دوسری دلیل درج ذیل مقدمات پر مشتمل ہے _
1_ فقہ کے سیاسی اہداف میں سے ایك معاشرتی مشکلات کا حل اور انسان کی دنیوی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی تدبیر کرنا ہے غیر عبادی معاملات مثلاً ارث ، وصیت، تجارت ، حدود اور دیات میں واضح طور پریہ ہدف قابل فہم ہے _ مثال کے طور پر معاشرتی برائیوں کو روکنے کیلئے حدود و دیات کا باب اور معاشرہ کی اقتصادی مشکلات کے حل کیلئے مختلف تجارتی اور معاملاتی ابواب کارسازہیں _
2_ گذشتہ ادوار میں اجتماعی روابط بہت ہی سادہ اور لوگوں کی ضروریات نہایت کم اور غیر پیچیدہ تھیں _ فقہ آسانی سے ان اہداف سے عہدہ برا ہو سکتی تھی اور انسان کی اجتماعی ضروریات کو پورا کرنے کی صلاحیت

رکھتی تھی بنابریں فقہ اور فقہی نظارت صرف اس معاشرہ کے ساتھ ہم آہنگ ہوسکتی ہے جو نہایت سادہ اور مختصرہو_
3_ آج معاشرہ اور اجتماعی زندگی مخصوص پیچیدگیوں کی حامل ہے لہذا اس کی مشکلات کے حل کیلئے علمی منصوبہ بندی (1)کی ضرورت ہے اور موجودہ دور کی مشکلات کو فقہ اپنی سابقہ قد و قامت کیساتھ حل کرنے سے قاصر ہے
کیونکہ فقہ بنیادی طور پر منصوبہ بندی کے فن کو نہیں کہتے بلکہ فقہ کا کام احکام شریعت کو بیان کرنا ہے فقہ صرف

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قانونی مشکلات کو حل کرسکتی ہے جبکہ موجودہ دور کی تمام مشکلات قانونی نہیں ہیں _
ان مقدمات کا نتیجہ یہ ہے کہ فقہ موجودہ معاشروں کو چلانے سے قاصر ہے کیونکہ فقہ صرف قانونی مشکلات کا حل پیش کرتی ہے جبکہ موجود معاشرتی نظام کو ماہرانہ اور فنی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے _ لہذا آج کی ماہرانہ علمی اورسائنٹیفك منصوبہ بندیوں کے ہوتے ہوئے فقہی نظارت کی ضرورت نہیں ہے _

اس دوسری دلیل کاجواب:
مذکورہ دلیل "دینی حکومت" اور" اجتماعی زندگی میں فقہ کی دخالت "کی صحیح شناخت نہ ہونے کا نتیجہہے _ اس دلیل میں درج ذیل کمزورنکات پائے جاتے ہیں _
1_ اس دلیل کے غلط ہونے کی ایك وجہ فقہی نظارت اور علمی و عقلی نظارت(2) کے در میان تضاد قائم کرنا ہے _گویا ان دونوں کے درمیان کسی قسم کا توافق اور مطابقت نہیں ہے _ اس قسم کے تصور کا سرچشمہ عقل اور دین کے تعلق کا واضح نہ ہونا اوردینی حکومت اور اس میں فقہ کے کردار کے صحیح تصور کا فقدان ہے_ اسی ابہام کی وجہ سے سیکولرازم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ معاشرے کی تمام تر زمام نظارت یا تو فقہ کے ہاتھ میں ہو اور تمام تر

.scientific management (1

67
اجتماعی و سماجی مشکلات کا حل فقہ کے پاس ہو اور علم و عقل کی اس میں کسی قسم کی دخالت نہ ہو یا فقہ بالکل ایك طرف ہوجائے اور تمام تر نظارت علم و عقل کے پاس ہو_
اس تضاد کی کوئي بنیاد اور اساس نہیں ہے دینی حکومت اور سیکولر حکومت میں یہ فرق نہیں ہے کہ دینی حکومت عقل ، علم اور انسانی تجربات کو بالکل نادیدہ سمجھتی ہے اور معاشرے کے انتظامی امور میں صرففقہی احکام پر بھروسہ کرتی ہے جبکہ سیکولر حکومت معاشرتی امور میں مکمل طور پر عقل و علم پر انحصار کرتی ہے _اس قسم کی تقسیم بندی اور فرق کاملاً غیر عادلانہ اور غیر واقعی ہے_دینی حکومت بھی عقل و فہم اور تدبیرومنصوبہ بندی سے کام لیتی ہے_ دینی حکومت اور سیکولر حکومت میں فرق یہ ہے کہ دینی حکومت میں عقل اور منصوبہ بندی کو بالکل بے مہار نہیں چھوڑ اگیا بلکہ عقل دینی تعلیمات کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی ہے اور دینی حکومت عقل سے بے بہرہ نہیں ہے_ بلکہ اسے وہ عقل چاہیے جو شریعت کے رنگ میں رنگی ہو اور دینی حکومت میں نظارت اور عقلی منصوبہ بندی کیلئے ضروری ہے کہ وہ دینی تعلیمات سے آراستہ ہوں اور اسلامی حدودکو مد نظر رکھتے ہوئے معاشرتی امور کو چلائے _ سیکولر حکومت مینعقلی نظارت ،بے مہار اور دین سے لا تعلق ہوتی ہے _ ایسی عقلینظارت دین سے کوئي مطابقت نہیں رکھتی _
2_ دینی حکومت میں دین کی حاکمیت اور اسلامی احکام کی رعایت کا یہ معنی نہیں ہے کہ حکومت کے تمام کام مثلاً قانون گذاری ، فیصلے اور منصوبہ بندی جیسے امور بلاواسطہ" فقہ سے ماخوذ" ہوں _ دینی حکومت کی اساس اس پر نہیں ہے کہ معاشیات کی جزوی تدابیر، بڑے بڑے سیاسی اور اقتصادی منصوبے اور اجتماعی پیچیدگیوں کا حل عقل و علم کی دخالت اور مددکے بغیر براہ راست فقہ سے اخذ کیا جائے_ یہ بات نا ممکن ہے اور دین نے بھی اس قسم کا کوئي دعوی نہیں کیا _ نہ ماضی میں اور نہ حال میں کبھی بھی فقہ تمام مشکلات کا حل نہیں

68
رہی بلکہ ماضی میں بھی جو مشکلات سیکولر افراد کی نظر میں صرف فقہ نے حل کی ہیں در حقیقت ان میں عقل اور انسانی تجربات بھی کار فرما رہے ہیں_ آنحضرت (ص) ،امیرالمؤمنیناور صدر اسلام کے دوسرے خلفاء نے اسلامی معاشرے کے انتظامی امور میں جس طرح فقہ سے مدد لی ہے اسی طرح عقلی چارہ جوئي، عرفی تدابیر اور دوسروں کے مشوروں سے بھی فائدہ اٹھایا ہے _ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ فقہ تمام اجتماعی مسائل اور مشکلات کا حل رہی ہو اور اس نے عقل و تدبیرکی جگہ بھی لے لی ہو _ پس جس طرح ماضی میں دینی حکومت نے فقہ اور عقل و عقلی تدابیر کو ساتھ ساتھ رکھا ہے اسی طرح آج بھی دینی حکومت ان دونوں کو ساتھ ساتھ رکھ سکتی ہے _ سیکولر حضرات کو یہ غلط فہمی ہے کہ ماضی میں دینی حکومت صرف فقہ کی محتاج تھی اور آج چونکہ دنیا کو اجتماعی اورناقابل انکار منصوبہ بندی کی ضرورت ہے لہذا دینی حکومت جو کہ صرف فقہی نظارت پر مشتمل ہوتی ہے معاشرتی نظام کو چلانے سے قاصر ہے_
3_ اجتماعی زندگی میں فقہ کے دو کام ہیں_ ایك : مختلف پہلوؤں سے قانونی روابط کو منظم کرنا اور ان کی حدود متعین

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کرنا_ دوسرا : ثقافت ، معیشت اور داخلی و خارجی سیاست کے کلی اصول و ضوابط مشخص کرنا_دینی حکومت کا فقہ پر انحصار یا فقہی نظارت کا مطلب یہ ہے کہ وہ حکمراني، خدمتگزاري،کا رکردگی اور قوانین بنانے میں ان قانونی حدود کا بھی خیال رکھے اور ان اصول و قوانین کے اجرا اور اپنے اہداف کے حصول کیلئے عملی منصوبہ بندی بھی کرے_ فقہی نظارت کا معنی یہ نہیں ہے کہ فقہ صرف افراط زر ، بے روزگاری اور ٹریفک کی مشکلات کو حل کرے بلکہ فقہی نظارت کا معنی یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کے حکمران اور منتظمین اقتصادی اور سماجی مشکلات کو حل اوران کی منصوبہ بندی کرتے وقت شرعی حدود کی رعایت کریں _ اور ایسے قوانین کا اجرا کریں جو فقہی موازین کے ساتھ سب سے زیادہ مطابقت رکھتے ہوں _ لہذا دلیل کے تیسرے حصّے میں جو یہ

69

کہا گیا ہے کہ فقہ صرف قانونی پہلو رکھتی ہے اور تمام معاشرتی مسائل قانونی نہیں ہیں وہ اس نکتے پر توجہ نہ دینے کی وجہ سے کہا گیا ہے _ اگرچہ تمام معاشرتی مسائل قانونی نہیں ہیں لیکن ایك دینی معاشرے میں ان مشکلات اور جدید مسائل کے حل کا طریقہ بہت اہمیت رکھتا ہے_ ایك اجتماعی مشکل کے حل کے مختلف طریقوں میں سے وہ طریقہ اختیار کیا جائے جس میں اسلامی احکام کی زیادہ رعایت کی گئي ہو اورجو اسلامی اصولوں سے زیادہ مطابقت رکھتا ہو _ پس کسی اجتماعی مشکل کے قانونی نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے حل کیلئے اسلامی احکام کو بالکل نظر انداز کردیا جائے_

یہ دو دلیلیں جو ان دو سبقونمیں بیان کی گئي ہیں "سیاست اور معاشرتی نظارت میں دین کی عدم دخالت " پر سیکولر حضرات کی اہم اور مشہورترین ادلّہ میں سے ہیں _باقی ادلّہ اتنی اہم نہیں ہیں لہذا انہیں ذکر نہیں کرتے اورانہیں دو پر اکتفاء کرتے ہیں _

70

خلاصہ :

1) فقہ کے اہداف میں سے ایك انسانی معاشرے کی اجتماعی مشکلات کو حل کرنا ہے _

2)سیکولر حضرات کا خیال ہے کہ ماضی میں ان مشکلات کے حل کرنے میں اسلامی فقہ کامیاب رہی ہے لیکن موجودہ جدید دور میں وہ اس کی صلاحیت نہیں رکھتي_

3) موجودہ دور، خاص قسم کی پیچیدگیوں اور مسائل کا حامل ہے پس اس کی تمام مشکلات فقہ سے حل نہیں ہو سکتیں لہذا ان کے حل کیلئے علمی نظارت اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے _

4) سیکولر حضرات کا خیال ہے کہ علمی و عقلی نظارت، فقہی نظارت کی جانشین بن چکی ہے_

5) سیکولر حضرات کی نظر میں فقہ صرف قانونی مشکلات کو بر طرف کرتی ہے جبکہ موجودہ دور کی مشکلات صرف قانونی نہیں ہیں_

6) سیکولر حضرات کو فقہی نظارت اور علمی نظارت کے درمیان تضاد قرار دینے میں غلط فہمی ہوئي ہے _

7) دینی حکومت اور فقہی نظارت نے ماضی سے لیکر آج تك عقل سے فائدہ اٹھایا ہے _

8) امور حکومت میں فقہ کو بروئے کار لانا ،عقل سے مدد حاصل کرنے کے منافی نہیں ہے _

9)دینی حکومت میں اجتماعی مشکلات کے حل ، منصوبہ بندی اور نظارت میں فقہی موازین اور دینی اقدار کی رعایت کرنا ضروری ہے _

سوالات :

1) سیکولرحضرات اجتماعی اور سماجی مشکلات کے حل کرنے میں فقہ کی توانائي اور صلاحیت کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں؟

2) دینی حکومت کی نفی پر سیکولر حضرات کی دوسری دلیل کو مختصر طور پربیان کیجئے ؟

3) سیکولر حضرات کی نظر میں موجودہ دور کیلئے کس قسم کی نظارت کی ضرورت ہے ؟

4) کیا علمی نظارت اور فقہی نظارت میں تضادہے ؟

5) اجتماعی زندگی میں فقہ کا دائرہ کارکیا ہے ؟
6) "معاشرے کی نظارت میں دین کی حاکمیت "سے کیا مراد ہے ؟

اسلامی نظریہ حکومت

71

دوسرا باب :

اسلام اور حکومت

سبق نمبر 9،10 : آنحضرت (ص) اور تاسیس حکومت
سبق نمبر 11 : آنحضرت (ص) کے بعد سیاسی ولایت
سبق نمبر 12 : شیعوں کا سیاسی تفکر
سبق نمبر 13، 14 : سیاسی ولایت کی تعیین میں بیعت اور شوری کا کردار

72

تمہید :

گذشتہ باب میں ہم نے کہا تھا کہ دینی حکومت کا معنی " حکومتی امور میں دینی تعلیمات کی دخالت اور مختلف سیاسی امور میں دین کی حاکمیت کو قبول کرناہے" _ دینی حکومت کے مخالفین کی ادلّہ پر ايك نگاہ ڈالتے ہوئے ہم یہ ثابت کرچکے ہیں کہ اجتماعی و معاشرتی امور میں دین کی حاکمیت اور دینی حکومت کی تشکیل میں کوئي رکاوٹ نہیں ہے _
اس باب میں اس نکتہ کی تحقیق کی جائے گی کہ کیا اسلام مسلمانوں کو دینی حکومت کی تشکیل کی دعوت دیتا ہے یانہیں ؟ اور حکومت کی تشکیل، اس کے اہداف و مقاصد اور اس کے فرائض کے متعلق اس کا کوئي خاص نظریہ ہے یا نہیں ؟ دوسرے لفظوں میں کیا اسلام نے دین اور حکومت کی ترکیب کا فتوی دیا ہے ؟ اور کوئي خاص سیاسی نظریہ پیش کیا ہے ؟ واضح سی بات ہے کہ اس تحقیق میں دینی حکومت کے منکرین کی پہلی قسم کی آراء اور نظریات جو کہ گذشتہ باب میں بیان ہوچکے ہیں پر تنقید کی جائے گی _ یہ افراد اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ معاشرے اور سیاست میں دین کی دخالت ممکن ہے _ اسی طرح اس کے بھی قائل ہیں کہ اجتماعی امور میں دین کی حاکمیت میں کوئي رکاوٹ نہیں ہے بلکہ ان کا کہناہے کہ" اسلام میں ایسا ہوانہیں " _ یعنی ان کی نظر میں اسلام نے حکومت کی تشکیل ، اس کی کیفیت اور حکومتی ڈھانچہ جیسے امور خود مسلمانوں کے سپرد کئے ہیں اور خود ان کے متعلق کسی قسم کا اظہار رائے نہیں کیا _

73

نواں سبق:

آنحضرت (ص) اور تاسیس حکومت (1)

کیا اسلام نے دینی حکومت کی دعوت دی ہے؟ کیا مختلف سیاسی اور حکومتی امور میں اپنی تعلیماتپیش کی ہیں ؟ اس قسم کے سوالات کے جواب ہمیں صدر اسلام اور آنحضرت (ص) کی مدنی زندگی کی طرف متوجہ کرتے ہیں_
آنحضرت (ص) نے اپنی زندگی کے جو آخری دس سال مدینہ میں گزارے تھے اس وقت امت مسلمہ کی قیادت اور رہبری آپ کے ہاتھ میں تھی _سوال یہ ہے کہ یہ قیادت اور رہبری کیا مسلمانوں پر حکومت کے عنوان سے تھي؟ یااصلاً آ پ (ص)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

نے حکومت تشکیل نہیں دی تھی بلکہیہ رہبری و قیادت صرف مذہبی اور معنوی عنوان سے تھی ؟
گذشتہ زمانے کے تمام مسلمانوں اور موجودہ دور کے اسلامی مفکرین کی اکثریت معتقدہے کہ تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ اس وقت آنحضرت (ص) نے ایك اسلامی حکومت تشکیل دی تھی جس کا دارالحکومت مدینہ تھا _ اس مشہور نظریہ کے مقابلہ میں قرن اخیر میں مسلمان مصنفینکی ایك قلیل تعداد یہ کہتی ہےکہ پیغمبر

اکرم (ص) صرف دینی رہبر تھے اور انہوں نے کوئي حکومت تشکیل نہیں دی تھی _
آنحضرت (ص) کی قیادت کے سلسلہ میں دو بنیادی بحثیں ہیں :
الف _ کیا آپ (ص) نے حکومت تشکیل دی تھی ؟
ب _ بنابر فرض تشکیل حکومت کیا آنحضر ت (ص) کی یہ ریاست اور ولایت ،وحی اور دینی تعلیمات کی رو سے تھی یا ایك معاشرتی ضرورت تھی اور لوگوں نے اپنی مرضی سے آپ(ص) کو اپنا سیاسی لیڈر منتخب کر لیا تھا؟ پہلے ہم پہلے سوال کی تحقیق کریں گے اور ان افراد کی ادلّہ پر بحث کریں گے جو کہتے ہیں : آنحضرت (ص) نے حکومت تشکیل نہیں دی تھی _

حکومت کے بغیر رسالت
مصری مصنف علی عبدالرازق اس نظریہ کا دفاع کرتے ہیں کہ آنحضرت (ص) کی قیادت ورہبری صرف مذہبی عنوان سے تھی اور اس قیادت کا سرچشمہ آپ کی نبوت اور رسالت تھی اسی وجہ سے آپ کی رحلت کے بعد اس قیادت کا خاتمہ ہوگیا _ اور یہ امر جانشینی اور نیابت کے قابل نہیں تھا _ آنحضرت (ص) کی رحلت کے بعد خلفاء نے جو قیادت کی وہ آنحضرت (ص) والی رہبری نہیں تھی بلکہ خلفاء کی قیادت سیاسی تھی اور اپنی اس سیاسی حکومت کی تقویت کیلئے خلفاء نے آنحضرت (ص) کی دینی دعوت سے فائدہ اٹھایا_ اس نئي حکومت کے اہلکاروں نے خود کو خلیفہ رسول کہلوایا جس کی وجہ سے یہ سمجھ لیا گیا کہ ان کی رہبری رسول اکرم (ص) کی قیادت کی جانشینی کے طور پر تھی حالانکہ آنحضرت (ص) صرف دینی قیادت کے حامل تھے اور یہ قیادت قابل انتقال نہیں ہے_ پیغمبر اکرم (ص) سیاسی قیادت کے حامل نہیں تھے کہ خلفا آپ کے جانشین بن سکتے(1)_

1) ''الاسلام و اصول الحکم ''علی عبدالرازق صفحہ 90، 94_

عبدالرازق نے اپنے مدعا کے اثبات کیلئے دو دلیلوں کا سہارا لیا ہے _
الف _ پہلی دلیل میں انہوں نے بعض قرآنی آیات پیش کی ہیں ان آیات میں شان پیغمبر (ص) کو رسالت ، بشیر اور نذیر ہونے میں منحصر قرار دیا گیا ہے _ ان کے عقیدہ کے مطابق "اگر آنحضرت (ص) رسالت اور نبوت کے علاوہ بھی کسی منصب کے حامل ہوتے یعنی حکومت اور ولایت کے منصب پر بھی فائز ہوتے تو کبھی بھی ان آیات میں ان کی شان کو نبوت ، بشیر اور نذیر ہونے میں منحصر نہ کیا جاتا" (1)
ان میں سے بعض آیات یہ ہیں_
"ان ا نا الّا نذیرو بشیر " (2)
میں تو صرف ڈرانے اور بشارت دینے والا ہوں _
"وَ مَا علی الرسول الّا البلاغ المبین "(3)
اور رسول کے ذمہ واضح تبلیغ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے _
"قل انّما ا نا بشر مثلکم یُوحی الي" (4)
کہہ دیجئے میں تمھارے جیسا بشر ہوں مگر میری طرف وحی آتی ہے_
"انّما ا نت منذر" (5)
یقیناً تو صرف ڈرانے والا ہے _

1) ''الاسلام و اصول الحکم ''علی عبد الرازق صفحہ 73_

2) سورہ اعراف آیت188_
3) سورہ نور آیت 54_
4) سورہ کہف آیت110_
5) سورہ رعد آیت 7_

"فان ا عرضوا فما ا رسلناك عليهم حفيظاً ان عليك الا البلاغ"(1)
اگر یہ روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے _ آپ کا فرض صرف پیغام پہنچا دینا ہے_
ب_ آنحضرت (ص) نے حکومت تشکیل نہیں دی تھی _ عبدالرازق اس کی دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ آج کل ہر حکومت بہت سے شعبوں اور اداروں پر مشتمل ہوتی ہیں _ ضروری نہیں ہے کہ گذشتہ دور کی حکومتیں بھی اسی طرح وسیع تر اداروں پر مشتمل ہوں لیکن جہاں بھی حکومت تشکیل پاتی ہے کم از کم کچھ سرکاری محکموں مثلاً انتظامیہ ،داخلی و خارجی اور مالی امور سے متعلقہ ادارونو غیرہ پر مشتمل ہوتی ہے_ یہ وہ کمترین چیز ہے جس کی ہر حکومت کو احتیاج ہوتی ہے لیکن اگر ہم آنحضرت (ص) کے دور فرمانروائي کی طرف دیکھیں تو کسی قسم کے انتظامی اداروں کا نشان نہیں ملتا _ یعنی آنحضر ت (ص) کی حاکمیت میں ایسے کمترین انتظامی ادارے بھی مفقود ہیں جو ایك حکومت کیلئے ضروری ہوتے ہیں_
ممکن ہے ذہن میں یہ خیال آئے کہ چونکہ آنحضرت (ص) ایك سادہ زندگی بسر کرتے تھے لہذا انہوں نے اپنی حکومت کے دوران اس قسم کے اداروں کے قائم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن عبدالرازق کے نزدیك یہ احتمال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس قسم کے ادارے ایك حکومت کیلئے ناگزیر ہیں اور سادہ زندگی کے منافی بھی نہیں ہیں _ لہذا ان امور اور اداروں کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضر ت (ص) نے حکومت تشکیل نہیں دی تھی اور یہ کہ اسلام صرف ایك دین ہے اور رسالت پیغمبر اکرم (ص) دینی حکومت کے قیام کو شامل نہیں تھي_(2)

1) سورہ شوری آیت 48_
2) الاسلام و اصول الحکم صفحہ 62_ 64_

پہلی دلیل کا جواب

قرآن مجید کی طرف رجوع کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آنحضرت (ص) کے مناصب اور ذمہ داریاں پیام الہی کے ابلاغ اور لوگوں کو ڈرانے میں منحصر نہیں تھے بلکہ قرآن کریم نے کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد، مشرکین کے ساتھ جنگ کیلئے مومنین کی تشویق ، عدالتی فیصلے اور معارف الہی کے بیان جیسے امور کو بھی آنحضرت (ص) کی ذمہ داری قرار دیا ہے_
اور یہ امور پیام الہی کے ابلاغ اور لوگوں کو ڈرانے جیسے امور کے علاوہ ہیں _ ان میں سے ہر منصب کیلئے ہم بطور دلیل ایك آیت پیش کرتے ہیں_
"یا ایہا النبی جاہد الکفار و المنافقین و اغلظ علیہم "(1)
اے پیغمبر (ص) آپ کفار اور منافقین سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں_
"یا ایہا النبی حرّض المومنین علی القتال "(2)
اے پیغمبر مومنین کو جہاد پر آمادہ کریں_
"وما کان لمومن و لا مومنة اذا قضی الله و رسولہ امراً ان یکون لہم الخیرة من امرہم "(3)
کسی مومن مرد یا عورت کو اختیار نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسول کسی امر کے بارے میں فیصلہ کریں تو وہ بھی اپنے امر کے بارے میں صاحب اختیار بن جائے_

1) سورہ تحریم آیت 9_
2) سورہ انفال آیت 65_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

3) سورہ احزاب آیت36_

78
"و انزلنا اليك الذكر لتبين للناس ما نزّل اليهم "(1)
اور آپ (ص) كى طرف قرآن كو نازل كيا تا كہ لوگوں كيلئے جواحكام آئے ہيں انہيں بيان كرديں_
اس حقيقت كو ديكھتے ہوئے كہ آنحضرت (ص) مختلف مناصب كے حامل تھے معلوم ہوتاہے كہ عبدالرازق كى پيش كردہ آيات ميں موجود " حصر" حقيقى نہيں بلكہ "اضافي" ہے _ حصر اضافى كا مطلب يہ ہے كہ جب سامنے والا يہ سمجھ رہا ہو كہ موصوف دو صفتوں كے ساتھ متصف ہے تو متكلم تاكيداً مخاطب پر يہ واضح كرتا ہے كہ نہيں موصوف ان ميں سے صرف ايك صفت كے ساتھ متصف ہے _ مثلاً لوگ يہ سمجھتے تھے كہ آنحضرت (ص) كى ذمہ دارى پيام الہى كا پہنچانا بھى اور لوگوں كو زبردستى ہدايت كى طرف لانا بھى ہے_ اس و ہم كو دور كرنے كيلئے آيت نے حصر اضافى كے ذريعہ آنحضرت (ص) كى ذمہ دارى كو پيام الہى كے ابلاغ ميں منحصر كر ديا ہے اور فرمايا ہے : "و ما على الرسول الا البلاغ" اور رسول كے ذمہ تبليغ كے سوا كچھ نہيں ہے(2) يعنى پيغمبر اكرم (ص) كا كام لوگوں كو زبردستى ايمان پر مجبور كرنا نہيں ہے بلكہ صرف خدا كا پيغام پہنچانا اور لوگوں كو راہ ہدايت دكھانا ہے_ لوگ خود راہ ہدايت كو طے كريں اور نيك كاموں كى طرف بڑھيں_ پس آنحضرت (ص) لوگوں كى ہدايت كے ذمہ دار نہيں ہيں بلكہ صرف راہ ہدايت دكھانے كے ذمہ دا ر ہيں آنحضرت (ص) صرف ہادى ہيں اور لوگوں كى ہدايت كے ذمہ دار نہيں ہے _ بلكہ لوگ خود ہدايت حاصل كرنے اور نيك اعمال بجا لانے كے ذمہ دار ہيں_ اس حقيقت كو آيت نے حصر اضافى كے قالب ميں يوں بيان فرمايا ہے_(3)

1) سورہ نحل آيت44_
2) سورہ نورآيت 54_

79
3) تفسير ميزان ج 12 ، ص 241، 242 سورہ نحل آيت 35 كے ذيل ميں _ ج 10 ص 133 سورہ يونس آيت نمبر108 كے ذيل ميں _
"فمن اہتدى فانما يهتدى لنفسہ و من ضل فانما يضّل عليہا و ما انا عليكم بوكيل"(1)
پس اب جو ہدايت حاصل كرے گا وہ اپنے فائدہ كيلئے كرے گا اور جو گمراہ ہوگا وہ اپنے آپ كا نقصان كرے گا اور ميں تمہارا ذمہ دار نہيں ہوں _
بنابريں عبدالرازق سے غلطى يہاں ہوئي ہے كہ انہوں نے مذكورہ آيات مينحصر كو حقيقى سمجھا ہے اور ان آيات ميں مذكورمخصوص صفت كے علاوہ باقى تمام اوصاف كى آنحضرت (ص) سے نفى كى ہے_ حالانكہ ان آيات مينحصر" اضافي" ہے بنيادى طور پريہ آيات دوسرے اوصاف كو بيان نہيں كررہينبلكہ ہر آيت صرف اس وصف كى نفى كر رہى ہے جس وصف كا وہم پيدا ہوا تھا_

دوسرى دليل كا جواب :
ظہور اسلام سے پہلے كى تاريخ عرب كااگر مطالعہ كيا جائے تو يہ حقيقت واضح ہوجاتى ہے كہ ظہور اسلام سے پہلے جزيرہ نما عرب ميں كوئي منظم حكومت نہيں تھى _ ايسى كوئي حكومت موجود نہيں تھى جو ملك ميں امن و امان برقرار كر سكے اور بيرونى دشمنوں كا مقابلہ كر سكے صرف قبائلى نظام تھا جو اس وقت اس سرزمين پر رائج تھا_ اس دور كى مہذب قوموں ميں جو سياسى ڈھانچہ اور حكومتى نظام موجود تھا جزيرة العرب ميں اس كا نشان تك نظر نہيں آتا _ ہر قبيلے كا ايك مستقل وجود اور رہبر تھا_ ان حالات كے باوجود آنحضرت (ص) نے جزيرة العرب ميں كچھ ايسے بنيادى اقدامات كئے جو سياسى نظم و نسق اور تأسيس حكومت كى حكايت كرتے ہيں حالانكہ اس ماحول ميں كسى مركزى حكومت كا كوئي تصور نہيں تھا_ يہاں ہم آنحضرت (ص) كے ان بعض اقدامات كى طرف اشارہ كرتے ہيں جو آپ (ص) كے ہاتھوں دينى حكومت كے قيام پر دلالت كرتے ہيں_

1) سورہ يونس آيت نمبر108_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

الف _ آنحضرت (ص) نے مختلف اور پراگندہ قبائل کے درمیان اتحاد قائم کیا _ یہ اتحاد صرف دینی لحاظ سے نہیں تھا بلکہ اعتقادات اور مشترکہ دینی تعلیمات کے ساتھ ساتھ سیاسی اتحاد بھی اس میں شامل تھا _ کل کے مستقل اور متخاصم قبائل آج اس سیاسی اتحاد کی برکت سے مشترکہ منافع اور تعلقات کے حامل ہوگئے تھے_ اس سیاسی اتحاد کا نمایاں اثر یہ تھا کہ تمام مسلمان قبائل غیر مسلم قبائل کیساتھ جنگ اور صلح کے موقع پر متحد ہوتے تھے_

ب _ آنحضرت (ص) نے مدینہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا اور وہیں سے دوسرے علاقوں میں والی اور حکمران بھیجے طبری نے ایسے بعض صحابہ کے نام ذکر کئے ہیں_ اُن میں سے بعض حکومتی امور کے علاوہ دینی فرائض کی تعلیم پر بھی مامور تھے جبکہ بعض صرف اس علاقہ کے مالی اور انتظامی امور سنبھالنے کیلئے بھیجے گئے تھے جبکہ مذہبی امور مثلانماز جماعت کا قیام اور قرآن کریم اور شرعی احکام کی تعلیم دوسرے افراد کی ذمہ داری تھی _

طبری کے بقول آنحضرت (ص) نے سعید ابن عاص کو "رمَعْ و زبید " کے درمیانی علاقے پر جو نجران کی سرحدوں تك پھیلا ہوا تھا عامر ابن شمر کو "ہمدان "اور فیروز دیلمی کو "صنعا "کے علاقے کی طرف بھیجا _ اقامہ نماز کیلئے عمرو ابن حزم کو اہل نجران کی طرف بھیجا جبکہ اسی علاقہ سے زکات اور صدقات کی جمع آوری کیلئے ابوسفیان ابن حرب کو مامور فرمایا_ ابو موسی اشعری کو "مأرب "اور یعلی ابن امیہ کو "الجند "نامی علاقوں کی طرف روانہ کیا (1)

ج _ مختلف علاقوں کی طرف آنحضرت (ص) کا اپنے نمائندونکو خطوط دیکر بھیجنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ (ص) نے اپنی قیادت میں ایك وسیع حکومت قائم کی تھی _ ان میں سے بعض خطوط اور عہد نامے ایسے ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ آنحضرت (ص) نے ان افراد کو حاکم اور والی کے عنوان سے بھیجا تھا_ عمرو بن حزم

1) تاریخ طبری (تاریخ الرسل و الملوك) ج 3 ص 318_

کو آپ نے حکم نامہ دیا تھا اس میں آپ (ص) نے لکھا تھا :لوگوں سے نرمی سے پیش آنا لیکن ظالموں سے سخت رویہ رکھنا _ غنائم سے خمس وصول کرنا اور اموال سے زکات ان ہدایات کے مطابق وصول کرنا جو اس خط میں لکھی گئي ہیں ... (1)واضح سی بات ہے کہ ایسے امور حاکم اور والی ہی انجام دے سکتا ہے_

د _ آنحضرت (ص) کے ہاتھوں حکومت کے قیام کی ایك اور دلیل یہ ہے کہ آپ (ص) نے مجرموں اور ان افراد کیلئے سزائیں مقرر کیں جو شرعی حدود کی پائمالی اور قانون شکنی کے مرتکب ہوتے تھے اور آپ (ص) نے صرف اخروی عذاب پر اکتفاء نہیں کیا اورحدود الہی کا نفاذ اور مجرموں کیلئے سزاؤں کا اجراحکو متی ذمہ داریوں میں سے ہیں_

ہ_ قرآن کریم اور صدر اسلام کے مومنین کی زبان میں حکومت اور سیاسی اقتدار کو لفظ"الامر"سے تعبیر کیا جاتا تھا_ " و شاورہم فی الامر" (2) اور اس امر میں ان سے مشورہ کرو _"و امرہم شوری بینہم" (3) اور آپس کے معاملات میں مشورہ کرتے ہیں _

اگر آنحضرت (ص) کی رہبری اور قیادت صرف دینی رہبری میں منحصر تھی تو پھر رسالت الہی کے ابلاغ میں آپ (ص) کو مشورہ کرنے کا حکم دینا ناقابل قبول اور بے معنی ہے لہذا ان دو آیات میں لفظ "امر" سیاسی فیصلوں اور معاشرتی امور کے معنی میں ہے_

1) اس خط کی عبارت یہ تھی _'' امرہ ان یاخذ بالحق کما امرہ اللہ ، یخبر الناس بالذی لہم و الذی علیہم ، یلین للناس فی الحق و یشتدّ علیہم فی الظلم ، امرہ ان یاخذ من المغانم خمس اللہ ''
ملاحظہ ہو: نظام الحکم فی الشریعة و التاریخ الاسلامی ، ظافر القاسمي، الکتاب الاول ص 529_
2) سورہ العمران آیت 159_
3) سورہ شوری آیت 38_

خلاصہ :

1) آنحضرت (ص) اپنی امت کے قائد تھے اور تمام مسلمان قائل ہیں کہ آپ نے حکومت تشکیل دی تھی _ موجودہ دور کے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بعض مسلمان مصنفين آپ (ص) كى دينى قيادت كے معترف ہيں ليكن تشكيل حكومت كا انكار كرتے ہيں_
2) آپ (ص) كى حكومت كے بعض منكرين نے ان آيات كا سہارا ليا ہے جو شان پيغمبر كو ابلاغ وحى ، بشارت دينے اور ڈرانے والے ميں منحصر قرار ديتى ہيں اور ان آيات ميں آپ كى حاكميت كاكوئي تذكرہ نہيں ہے_
3) ان آيات سے" حصر اضافي" كا استفادہ ہوتا ہے نہ كہ" حصر حقيقي" كا _ لہذايہ آنحضر ت (ص) كے سياسى اقتدار كى نفى كى دليل نہيں ہيں_
4)بعض منكرين كى دوسرى دليل يہ ہے كہ مسلمانوں پر آپ (ص) كى حاكميت ميں ايسے كمترين امور بھى نہيں پائے جاتے جو ايك حكومت كى تشكيل كيلئے انتہائي ضرورى ہوتے ہيں_
5) تاريخ شاہد ہے كہ آنحضرت (ص) نے اس دور كے اجتماعى ، ثقافتى اور ملكى حالات كو مد نظر ركھتے ہوئے حكومتى انتظامات كئے تھے_
6) مختلف علاقوں كى طرف صاحب اختيار نمائندوں كا بھيجنا اور مجرموں كيلئے سزائيں اور قوانين مقرر كرنا آنحضرت (ص) كى طرف سے تشكيل حكومت كى دليل ہے_

سوالات :
1) آنحضرت (ص) كى زعامت اور رياست كے متعلق كونسى دو اساسى بحثيں ہيں؟
2) آنحضرت (ص) كے ہاتھوں تشكيل حكومت كى نفى پر عبدالرازق كى پہلى دليل كونسى ہے؟
3) عبدالرازق كى پہلى دليل كے جواب كو مختصر طور پر بيان كيجئے_
4)عبدالرزاق كى دوسرى دليل كيا ہے ؟
5) آنحضرت (ص) كے ذريعے تشكيل حكومت پر كونسے تاريخى شواہد دلالت كرتے ہيں؟

اسلامى نظريہ حكومت

83

دسواں سبق:

آنحضرت (ص) اور تأسيس حكومت (2)

محمد عابد الجابرى نامى ايك عرب مصنف آنحضرت (ص) كى دينى حكومت كى نفى كرتے ہوئے كہتے ہيں كہ آپ (ص) نے كوئي سياسى نظام اور دينى حكومت تشكيل نہيں دى تھى بلكہ آپ (ص) كى پورى كوشش ايك "امت مسلمہ "كى تاسيس تھى _ آپ (ص) نے كوئي حكومت قائم نہيں كى تھى بلكہ آپ (ص) نے لوگوں ميں ايك خاص اجتماعى اور معنوى طرز زندگى كو رائج كيا اور ايسى امت كو وجود ميں لائے جو ہميشہ دين الہى كى حفاظت كيلئے كوشش كرتى رہى اور اسلام اور بعثت نبوى كى بركت سے ايك منظم معنوى اور اجتماعى راہ كو طے كيا_ اس معنوى و اجتماعى راہ كى توسيعكى كوششوں اور امت مسلمہ كى پرورش كے باوجود آنحضرت (ص) نے اپنے آپ (ص) كو بادشاہ ، حكمران يا سلطان كا نام نہيں ديا _ بنابريندعوت محمدى سے ابتدا ميں ايك "امت مسلمہ" وجود ميں آئي پھر امتداد زمانہ كے ساتھ ايك خاص سياسى ڈھانچہ تشكيل پايا جسے اسلامى حكومت كا نام ديا گيا _ سياسى نظم و نسق اور

84
حكومت كى تشكيل عباسى خلفا كے عہد ميں وقوع پذير ہوئي _ صدر اسلامكےمسلمان اسلام اور دعوت محمدى كو دين خاتم كے عنوان سے ديكھتے تھے نہحكومت كے عنوان سے_ اسى لئے ان كى تمام تر كوشش اس دين كى حفاظت اور اس امت مسلمہ كى بقا كيلئےرہى نہ كہ سياسى نظام اور نوزائيدہ مملكت كى حفاظت كيلئے_ صدر اسلام ميں جو چيز اسلامى معاشرے ميں وجود ميں آئي وہ امت مسلمہ تھى پھر اس دينى پيغام اور الہى رسالت كے تكامل اور ارتقاء سے دينى حكومت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

نے جنم ليا_
عابد جابری نے اپنے مدعا کی تائيد کيلئے درج ذيل شواہد کا سہارا ليا ہے_
الف _ زمانہ بعثت ميں عربونکے پاس کوئي مملکت اور حکومت نہيں تھی _ مکہ اور مدينہ ميں قبائلی نظام رائج تھا جسے حکومت نہيں کہا جا سکتا تھا کيونکہ حکومت کا وجود چند امور سے تشکيل پاتا ہے: اس سرزمين کی جغرافيائي حدود معين ہوں ،لوگ مستقل طور پر وہاں سکونت اختيار کريں_ايک مرکزی قيادت ہو جو قوانين کے مطابق ان لوگوں کے مسائل حل کرے _جبکہ عرب ميں اس قسم کی کوئي شئے موجود نہيں تھي_
ب _ آنحضرت (ص) نے اس دينی اور معاشرتی رسم و رواج اور طرز زندگی کی ترويج کی جسے اسلام لايا تھا اور خود کو حکمران يا سلطان کہلو انے سے اجتناب کيا _
ج _ قرآن مجيد نے کہيں بھی اسلامی حکومت کی بات نہيں کی بلکہ ہميشہ امت مسلمہ کا نام ليا ہے "و کنتم خير امّة اُخرجت للناس"تم بہترين امت ہو جسے لوگوں کيلئے لايا گيا ہے_ (1)
د _ حکومت ايک سياسی اصطلاح کے عنوان سے عباسی دور ميں سامنے آئي _ اس سے پہلے صرف" امت مسلمہ " کا لفظ استعمال کيا جاتا تھا جب امويوں سے عباسيوں کی طرف اقتدار منتقل ہوا تو ان کی اور ان

1) سورہ آل عمران آيت 110_

کے حاميوں کی زبان پر" ہذه دولتنا" (يہ ہماری حکومت ہے) جيسے الفاظ جاری ہوئے جو کہ دين و حکومت کے ارتباط کی حکايت کرتے ہيں اور امت کی بجائے حکومت اور رياست کا لفظ استعمال ہونے لگا _(1)

جابری کے نظريئےا جواب :
گذشتہ سبق کا وہ حصہ جو عبدالرازق کی دوسری دليل کے جواب کے ساتھ مربوط ہے جابری کے اس نظريہ کے رد کی دليل ہے کہ آنحضرت (ص) نے حکومت تشکيل نہيں دی تھی _ يہاں ہم جابری کے نظريہ کے متعلق چند تکميلی نکات کی طرف اشارہ کرتے ہيں_
1_ اسلام اور ايمان کی برکت سے عرب کے متفرق اور مختلف قبائل کے درميان ايک امت مسلمہ کی تشکيل اور ايک مخصوص اجتماعی اور معنوی طرز زندگی اس سے مانع نہيں ہے کہ يہ امت ايک مرکزی حکومت قائم کر لے _کسی کو بھی اس سے انکار نہيں ہے کہ آنحضرت (ص) مختلف اور متعدد قبائل سے" امت واحده" کو وجود ميں لائے_ بحث اس ميں ہے کہ يہ امت سياسی اقتداراور قدرت کی حامل تھی _ حکومت کا عنصراس امت ميں موجود تھا اور اس حکومت اور سياسی اقتدار کی قيادت و رہبری آنحضرت (ص) کے ہاتھ ميں تھی _
گذشتہ سبق کے آخر ميں ہم نے جو شواہد بيان کئے ہيں وہ اس مدعا کو ثابت کرتے ہيں_
2_ عبدالرازق اور جابری دونوں اس بنيادی نکتہ سے غافل رہے ہيں: کہ ہر معاشره کی حکومت اس معاشره کے مخصوص اجتماعی اور تاريخی حالات کی بنياد پر تشکيل پاتی ہے_ ايک سيدھا اور ساده معاشره جو کہ پيچيده مسائل کا حامل نہيں ہے اس کی حکومت بھی طويل و عريض اداروں پر مشتمل نہيں ہوگی _جبکہ ايک وسيع معاشره جو کہ مختلف اجتماعی روابط اور پيچيده مسائل کا حامل ہے واضح سی بات ہے اسے ايک ايسی حکومت

1) الدين و الدولہ و تطبيق الشريعة محمد عابد جابری ص 13_ 24 _

کی ضرورت ہے جو وسيع انتظامی امور اور اداروں پر مشتمل ہوتا کہ اس کے مسائل حل کر سکے _ جس غلط فہمی ميں يہ دو افراد مبتلا ہوئے ہيں وہ يہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت (ص) کے دور کے اجتماعی حالات پر غور نہيں کيا _ انہوں نے حکومت کے متعلق ايک خاص قسم کا تصور ذہن ميں رکھا ہے لہذا جب آنحضرت (ص) کے دور ميں انہيں حکومت کے متعلق وه تصور نہيں ملا توکہنے لگے آنحضرت (ص) نے حکومت تشکيل نہيں دی بلکہ عباسيوں کے دور ميں ا سلامی حکومت وجود ميں آئي _
يہ نظريہ کہ جس کا سرچشمہ عبدالرازق کا کلام ہے کی ردّ ميں ڈاکٹر سنہوری کہتے ہيں :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

عبد الرازق کی بنیادی دلیل یہ ہے کہ ایك حکومت کیلئے جو انتظامی امور اور ادارے ضروری ہوتے ہیں_ وہ رسولخدا (ص) کے زمانہ میں نہیںتھے_ لیکن یہ بات عبدالرازق کے اس مدعاکی دلیل نہیں بن سکتی کہ آپ (ص) کے دور میں حکومت کا وجود نہیں تھا_ کیونکہ اس وقت جزیرة العرب پر ایك سادہ سی طرز زندگی حاکم تھی جو اس قسم کے پیچیدہ اور دقیق نظم و نسق کی روادار نہیں تھی لہذا اس زمانہ میں جو بہترین نظم و نسق ممکن تھا آنحضرت (ص) نے اپنی حکومت کیلئے قائم کیا _ پس اس اعتراض کی کوئي گنجائشے نہیں رہتی کہ "اگر آپ نے حکومت تشکیل دی تھی تو اس میں موجود ہ دور کی حکومتوں کی طرح کا نظم و نسق اور انتظامی ادارے کیوں نہیں ملتے_ کیونکہ اس قسم کانظم و نسق اور طرز حکومت آنحضرت (ص) کے زمانہ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنی اسلامی حکومت کیلئے مالیات ، قانون گذاری ، انتظامی امور اور فوجی ادارے قائم کئے_(1)

3_ ہمارا مدعا یہ ہے کہ آنحضرت (ص) سیاسی اقتدار اور ایك مرکزی حکومت کی ماہیت کو وجود میں لائے_ ہماری بحث اس میں نہیں ہے کہ اس وقت لفظ حکومت استعمال ہوتا تھا یا نہیں یا وہ الفاظ جو کہ عموماً حکمران

1) ''فقہ الخلافة و تطورہا ''عبدالرزاق احمد سنہوری ص 82_

استعمال کرتے تھے مثلاً امیر ، بادشاہ یا سلطان و غیرہ آنحضرت (ص) نے اپنے لئے استعمال کئے یا نہیں؟تاکہ جابری صرف اس بنا پر کہ آپ (ص) نے خود کو حکمران یا بادشاہ نہیںکہلوایا یاعباسیوں کے دور میں "ہماری حکومت " جیسے الفاظ رائج ہوئے تشکیل حکومت کو بعد والے ادوار کی پیداوار قرار دیں_

وہ تاریخی حقیقت کہ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا یہ ہے کہ آنحضرت (ص) کے دور میں مدینہ میں سیاسی اقتدار وجود میں آچکا تھا _ البتہ یہ حکومت جو کہ اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر قائم تھی شکل و صورت اور لوگوں کے ساتھ تعلقات میں اس دور کی دوسری مشہور حکومتوں سے بہت مختلف تھی _

آنحضرت (ص) کی حکومت کا الہی ہونا :

اس نکتہ کی وضاحت کے بعد کہ آنحضرت (ص) نے مدینہ میں حکومت تشکیل دی تھی اور آپ کی رسالت اور نبوت سیاسی ولایت کے ساتھ ملی ہوئي تھی _ اس اہم بحث کی تحقیق کی باری آتی ہے کہ آنحضرت (ص) کو یہ حکومت اور سیاسی ولایت خداوند کریم کی طرف سے عطا ہوئي تھی یا اس کا منشأ رائے عامہ اور بیعت تھی ؟ دوسرے لفظوں میں کیا آ پ (ص) کی سیاسی ولایت کا منشأدینی تھا یا عوامی اورمَدني؟

اس سوال کا جواب اسلام اور سیاست کے رابطہ کی تعیین میں اہم کردار ادا کرے گا _ اگر آنحضرت (ص) کی سیاسی ولایت اور حکومت کا منشا دینی تھا_ اور یہ منصب آپ (ص) کو خدا کی طرف سے عطا کیا گیا تھا تو پھر اسلام اور سیاست کا تعلق" ذاتي" ہوگا _ بایں معنی کہ اسلام نے اپنی تعلیمات میں حکومت پر توجہ دی ہے اور مسلمانوں سے دینی حکومت کے قیام کا مطالبہ کیا ہے لہذا آنحضرت (ص) نے اس دینی مطالبہ پر لبیك کہتے ہوئے حکومت کی تشکیل اور مسلمانوں کے اجتماعی اور سیاسی امور کے حل کیلئے اقدام کیا ہے_ اور اگر آنحضرت (ص) کی حکومت اور سیاسی ولایت کا منشأ و سرچشمہ صرف لوگوں کی خواہش اور مطالبہ تھا تو اس صورت میں اسلام اور حکومت کے درمیان تعلق ایك "تاریخی تعلق "کہلائے گا _ اس تاریخی تعلق سے مراد یہ

ہے کہ اسلام نے اپنی تعلیمات میں دینی حکومت کی تشکیل کا مطالبہ نہیں کیا اور آنحضرت (ص) کیلئے سیاسی ولایت جیسا منصب یا ذمہ داری قرار نہیں دی بلکہ رسولخدا (ص) کے ہاتھوں دینی حکومت کا قیام ایك تاریخی واقعہ تھا جو اتفاقاً وجود میں آگیا _ اگر مدینہ کے لوگ آپ(ص) کو سیاسی قائد کے طور پر منتخب نہ کرتے اور آپ (ص) کی بیعت نہ کرتے تو اسلام اورحکومت کے درمیان اس قسم کا تعلق پیدا نہ ہوتا کیونکہ اس نظریہ کے مطابق اسلام اور سیاست کے درمیان کوئي "ذاتی تعلق" نہیں ہے اور نہ ہی اس دین میں سیاسی ولایت کے متعلق اظہار رائے کیاگیا ہے _

اس نظریہ کے حامیوں میں سے ایك کہتے ہیں :

آسمانی پیغام کو پہنچانے کیلئے رسولخدا (ص) کی اجتماعی ، سیاسی اور اخلاقی قیادت سب سے پہلے لوگوں کے منتخب

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کرنے اور بیعت کے ذریعہ وجود میں آئي پھر اس بیعت کو خداوند کریم نے پسند فرمایا جیسا کہ سورہ فتح کی آیت" لقد رضی الله عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرة "(1)"بے شك الله تعالی مومنوں سے اس وقت راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے"_ سے معلوم ہوتا ہے ایسا نہیں ہے کہ آنحضرت (ص) کی سیاسی قیادت الہی ماموریت اور رسالت کا ایك حصہ ہو بلکہ آپ کی سیاسی قیادت اورفرمانروائي جو کہ لوگوں کی روزمرہ زندگی اور عملی و اجرائي دستورات پر مشتمل تھی لوگوں کے انتخاب اور بیعت کے ذریعہ وجود میں آئي لہذا یہ رہبری وحی الہی کے زمرے میں نہیں آتي_
یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کہ دین اور سیاست کا تعلق ایك تاریخی تعلق ہے اور آنحضرت (ص) کی سیاسی ولایت ایك مدنی ضرورت تھی _ آپ (ص) کی حکومت اس دور کے تقاضے اور لوگوں کے مطالبہ سے اتفاقاً وجود میں نہیں

1) سورہ فتح آیت نمبر18_

89

آئي تھی _بلکہ اس کا سرچشمہ اسلامی تعلیمات تھیں اور جیسا کہ آگے ہم وضاحت کریں گے کہ لوگوں کی خواہش اور بیعت نے درحقیقت اس دینی دعوت کے عملی ہونے کی راہ ہموار کی _ متعدد دلائل سے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ آپ (ص) کی سیاسی ولایت کا سرچشمہ اسلام اور وحی الہی تھی ان میں سے بعض دلائل یہ ہیں_
الف _ اسلام کچھ ایسے قوانین اور شرعی فرائض پر مشتمل ہے کہ جنہیں دینی حکومت کی تشکیل کے بغیر اسلامی معاشرہ میں جاری نہیں کیا جاسکتا _ اسلامی سزاؤں کا نفاذ اور مسلمانوں کے مالی واجبات مثلاً زکوة ، اور اموال و غنائم کے خمس کی وصولی اور مصرف ایسے امور ہیں کہ دینی حکومت کی تشکیل کے بغیر ان کا انجام دینا ممکن نہیں ہے _ بنابریں دینی تعلیمات کے اس حصہ کو انجام دینے کیلئے آپ (ص) کیلئے سیاسی ولایت ناگزیر تھي_ ہاں اگر مسلمان آپ (ص) کا ساتھ نہ دیتے اور بیعت اور حمایت کے ذریعہ آپ (ص) کی پشت پناہی نہ کرتے تو آپ کی سیاسی ولایت کو استحکام حاصل نہ ہوتا اور دینی تعلیمات کا یہ حصہ نافذ نہ ہوتا _ لیکن اس کا یہ معنی نہیںہے کہ آپ(ع) کی سیاسی ولایت کا منشأ عوام تھے اور اسلام سے اس کا کوئي تعلق نہیں تھا_
ب _ قرآنی آیات رسولخدا (ص) کی سیاسی ولایت کو ثابت کرتی ہیں اورمؤمنین سے مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ آپ (ص) کی طرف سے دیے گئے اوامر اور نواہی کی اطاعت کریں:
" النبی اولی بالمومنین من انفسہم "(1)
بے شك نبی تمام مومنوں سے ان کے نفس کی نسبت اولی ہیں _
" انما ولیّکم الله و رسولہ و الذین آمنوا الذین یقیمون الصلوة و یؤتون الزکوة و ہم راکعون" (2)

1) سورہ احزاب آیت 6_
2) سورہ مائدہ آیت55_

90

یقیناً تمہارا ولی خدا ، اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوة دیتے ہیں _
" انا انزلنا الیك الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اریك الله"(1)
ہم نے تمہاری طرف بر حق کتاب نازل کی تا کہ لوگوں کے درمیان حکم خدا کے مطابق فیصلہ کریں_
اس قسم کی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت (ص) مومنین پر ولایت ،اولویت اور حق تقدم رکھتے ہیں_ بحث اس میں ہے کہ یہ ولایت اور اولویت کن امور میں ہے _ ان آیات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ولایت اور اولویت ان امور میں ہے جن میں لوگ معمولاً اپنے رئیس کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی وہ اجتماعی امور جن کے ساتھ معاشرہ اور نظام کی حفاظت کا تعلق ہے _ مثلاً نظم و نسق کا برقرار رکھنا ،لوگوں کے حقوق کی پاسداری ، مالیات کی جمع آوری ، انکی تقسیم اورمستحقین تك ان کا پہنچانا اور اس طرح کے دوسرے ضروری مصارف ، مجرموں کو سزا دینا اور غیروں سے جنگ اور صلح جیسے امور _
ج_ وہ افراد جو آنحضرت (ص) کی سیاسی ولایت کو مدنی اور غیر الہی سمجھتے ہیں ان کی اہم ترین دلیل مختلف موقعوں پر مسلمانوں کا رسولخدا ا(ص) کی بیعت کرنا ہے _ بعثت کے تیر ہویں سال اہل یثرب کی بیعت اور بیعت شجرہ(بیعت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

رضوان) كہ جس كى طرف اسى سبق ميں اشارہ كيا گيا ہے يہ وہ بيعتيں ہيں جن سے ان افراد نے تمسك كرتے ہوئے كہا ہے كہ آنحضرت (ص) كى حكومت كا منشأ دينى نہيں تھا _
بعثت كے تير ہويں سال اعمال حج انجام دينے كے بعد اور رسولخدا (ص) كى مدينہ ہجرت سے پہلے اہل يثرب كے نمائندوں نے آنحضرت (ص) كى بيعت كى تھى _ جسے بيعت عقبہ كہتے ہيں_ اگر اس كا پس منظر ديكھا

1) سورہ نساء آيت 105_

91

جائے تو بخوبى واضح ہوجاتا ہے كہ اس بيعت كا مقصد مشركين مكہ كى دھمكيوں كے مقابلہ ميں رسولخدا (ص) كى حمايت كرنا تھا _ اس بيعت ميں كوئي ايسى چيز نہيں ہے جو دلالت كرتى ہو كہ انہوں نے آنحضرت (ص) كو سياسى رہبر كے عنوان سے منتخب كيا ہو _ اس بيعت كے وقت آنحضرت (ص) نے فرمايا:
" امّا مالى عليكم فتنصروننى مثل نسائكم و ابنائكم و ان تصبروا على عضّ السّيف و ان يُقتل خياركم "
بہر حال ميرا تم پر يہ حق ہے كہ تم ميرى اسى طرح مدد كرو جس طرح اپنى عورتوں اور بچوں كى مدد كرتے ہو اور يہ كہ تلواروں كے كاٹنے پر صبر كرو اگر چہ تمہارے بہترين افراد ہى كيوں نہ مارے جائيں_
براء بن معرور نے آنحضرت (ص) كا ہاتھ اپنے ہاتھ ميں ليا اور كہا :
"نعم و الذى بعثك بالحق لنمنعنّك ممّا نمنع منہ ازرنا "(1)
ہاں اس ذات كى قسم جس نے آپ كو حق كے ساتھ مبعوث كيا ہے ہم ہراس چيز سے آپ كا دفاع كريں گے جس سے اپنى قوت و طاقت كا دفاع كرتے ہيں_
بيعت رضوان كہ جس كى طرف سورہ فتح كى اٹھارويں آيت اشارہ كر رہى ہے سن چھ ہجرى ميں "حديبيہ" كے مقام پر ہوئي اس بيعت سے يہ استدلال كرنا كہ آنحضرت(ص) كى حكومت كا منشا مدنى اور عوامى تھا ناقابل فہم بہت عجيب ہے كيونكہ يہ بيعت مدينہ ميں آنحضرت (ص) كى سياسى ولايت اور اقتدار كے استحكام كے كئي سال بعد ہوئي پھر اس بيعت كا مقصد مشركين كے ساتھ جنگ كى تيارى كا اظہار تھا _ لہذا سياسى رہبر كے انتخاب كے مسئلہ كے ساتھ اس كا كوئي تعلق نہيں تھا _

1) مناقب آل ابى طالب ج 1، ص 181_

92

خلاصہ :

1) عصر حاضر كے بعض مصنفين قائل ہيں كہ آنحضرت (ص) نے حكومت تشكيل نہيں دى تھى بلكہ ايك امت مسلمہ كى نبياد ركھى تھى _ امت مسلمہ كى تشكيل كے بعد عباسيوں كے دور ميں دينى حكومت قائم ہوئي _
2) اس مدعا كى دليل يہ ہے كہ رسولخد ا (ص) كے دور ميں جو قبائلى نظام رائج تھا اس پر حكومت كى تعريف صادق نہيں آتى _ دوسرا يہ كہ آنحضرت (ص) نے اپنے آپ كو امير يا حاكم كا نام نہيں ديا نيز قرآن نے بھى مسلمانوں كيلئے "امت "كا لفظ استعمال كيا ہے _
3) اس نظريہ كے حامى اس نكتہ سے غافل رہے ہيں كہ ہر معاشرے اور زمانے كى حكومت اس دور كے اجتماعى حالات كے مطابق ہوتى ہے لہذا دور حاضر ميں حكومت كى جو تعريف كى جاتى ہے اس كا رسولخدا (ص) كے زمانے كى حكومت پر صادق نہ آنا اس بات كى نفى نہيں كرتاكہ مدينہ ميں آنحضرت (ص) نے حكومت تشكيل دى تھى _
4) دوسرا نكتہ جس سے غفلت برتى گئي ہے وہ يہ ہے كہ بحث لفظ "حكومت، رياست اور امارت" ميں نہيں ہے _ ہمارا مدعا يہ ہے كہ رسولخدا (ص) كے زمانہ ميں حكومت اور سياسى ولايت موجود تھى _
5) مسلمانوں ميں حكومت كا وجود ان پر لفظ "امت" كے اطلاق كے منافى نہيں ہے _
6) اصلى مدعا يہ ہے كہ آنحضرت (ص) كى سياسى ولايت اسلام اور سياست كے در ميان ذاتى تعلق كا نتيجہ ہے نہ كہ ايك اتفاقى اور تاريخى واقعہ _ پس اسلام اور سياست كا تعلق ايك تاريخى تعلق نہيں ہے_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

7) آنحضرت (ص) کی حکومت کے الہی اور غیر مدنی ہونے پر بہت سی ادلّہ موجود ہیں _

93

سوالات :

1) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت (ص) نے حکومت کی بجائے امت مسلمہ کی نبیاد رکھی تھی اس سے ان کی مراد کیا ہے ؟
2) اس مدعا پر انہوں نے کونسی ادلّہ پیش کی ہیں ؟
3) آنحضرت (ص) کے ہاتھونتشکیل حکومت کے منکرین کے اس گروہ کو کیا جواب دیا گیا ہے؟
4) اسلام اور سیاست کے درمیان "ذاتی تعلق" اور "تاریخی تعلق" سے کیا مراد ہے ؟
5)اس بات کی کیا دلیل ہے کہ آنحضرت (ص) کی حکومت الہی تھی اور اس کا سرچشمہ دین تھا ؟ اور یہ کہ آپ (ص) کی حکومت مدنی نہ تھي_

اسلامی نظریہ حکومت

94

گیا رہواں سبق:

آنحضرت (ص) کے بعد سیاسی ولایت

گذشتہ سبق میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کرچکے ہیں کہ آنحضرت (ص) کی سیاسی ولایت، شرعی نص اور وحی الہی کی بنیاد پر تھی اور اس ولایت کی مشروعیت کا سرچشمہ فرمان الہی تھا _ اب سوال یہ ہے کہ کیا رحلت کے بعد مسلمانوں کے سیاسی نظام اور امت کے سیاسی اقتدار کے متعلق اسلامی تعلیمات اور دینی نصوص میں اظہار رائے کیا گیا ہے ؟ یا اسلام اس بارے میں خاموش رہا ہے اور امر ولایت اور سیاسی اقتدار اور اس کی کیفیت کو خود امت اور اس کے اجتہاد و فکر پر چھوڑ دیا ہے ؟
یہ مسئلہ جو کہ" کلام اسلامي" میں "مسئلہ امامت" کے نام سے موسوم ہے طول تاریخ میں عالم اسلام کی اہم ترین کلامی مباحث میں رہا ہے اوراسلام کے دو بڑے فرقوں یعنی شیعہ و سنی کے درمیان نزاع کا اصلی محور یہی ہے _ اہلسنت کہتے ہیں: آنحضرت(ص) کی رحلت کے بعد امر حکومت کے متعلق دینی نصوص ساکت ہیں اور نظام حکومت ، مسلمانوں کے حکمران کی شرائط اور اس کے طرزانتخاب کے متعلق کوئي واضح فرمان نہیں دیا گیا _ آنحضرت(ص) کے بعد جو کچھ ہوا وہ صدر اسلام کے مسلمانوں کے اجتہاد کی بناپرتھا _ اہل سنت اس اجتہاد کا نتیجہ

95
"نظام خلافت"کے انتخا ب کو قرار دیتے ہیں _
جبکہ اس کے مقابلے میں اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت (ص) نے اپنی زندگی میں ہی حکم خدا سے متعدد شرعی نصوص کے ذریعہ امت کی سیاسی ولایت اور" نظام امامت" کی بنیاد رکھ دي_
ان دو بنیادی نظریات کی تحقیق سے پہلے جو کہ آپس میں بالکل متضاد ہیں اس نکتہ کی وضاحت ضروری ہے کہ اہلسنت نے "مسئلہ امامت" کو وہ اہمیت اور توجہ نہیں دی جو شیعوں نے دی ہے _ اہلسنت کے نزدیك مسئلہ خلافت ، شرائط خلیفہ اور اس کی تعیین کا طریقہ ایك فقہی مسئلہ ہے _ جس کا علم کلام اور اعتقاد سے کوئي تعلق نہیں ہے _ اسی لئے انہوں نے اسے اتنی اہمیت نہیں دی _ ان کی کلامی کتب میناس مسئلہ پر جووسیع بحث کی گئي ہے وہ در حقیقت ضد اور شیعوں کے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

رد عمل كے طور پر كى گئي ہے _ كيونكہ شيعوں نے اس اہم مسئلہ پر بہت زور ديا ہے اور" مسئلہ امامت" كو اپنى اعتقادى مباحث كے زمرہ ميں شمار كرتے ہوئے اسے بہت زيادہ اہميت دى ہے _ لہذا اہلسنت بھى مجبوراً اس فرعى اور فقہى بحث كو علم كلام اور اعتقادات ميں ذكر كرنے لگے بطور مثال ،غزالى مسئلہ امامت كے متعلق كہتے ہيں :
"النظر فى الامامة ليس من المہمات و ليس ايضاً من فنّ المعقولات بل من الفقہيات"
امامت كے بارے ميں غور كرنا اتنا اہم نہيں ہے اور نہ ہى يہ علم كلام كے مسائل ميں سے ہے بلكہ اس كا تعلق فقہ سے ہے (1)
مسئلہ امامت شيعوں كے نزديك صرف ايك فرعى اور فقہى مسئلہ نہيں ہے اور نہ ہى معاشرتى نظام كے چلانے كى كيفيت اور سياسى ولايت ميں منحصر ہے بلكہ ايك كلامى مسئلہ ہے اور جزء ايمان ہے لہذا ائمہ

1) الاقتصاد فى الاعتقاد، ابوحامد غزالى ص 95_

معصومين كى امامت پر اعتقاد نہ ركھنا در حقيقت دين كے ايك حصّے كے انكار اور بعض نصوص اور دينى تعليمات سے صرف نظر كرنے كے مترادف ہے ،جس كے نتيجہ ميں ايمان ناقص رہ جاتا ہے _ شيعوں كے نزديك امامت ايك ايسا بلند منصب ہے كہ سياسى ولايت اس كا ايك جزء ہے _ شيعہ ہونے كا اساسى ركن امامت كا معتقد ہونا ہے _ يہى وجہ ہے كہ اہلسنت كے مشہور عالم "شہرستاني" " شيعہ" كى تعريف كرتے ہوئے كہتے ہيں: الشيعة ہم الذين شايعوا علياً على الخصوص و قالوا بامامتہ و خلافتہ نصاً و وصيتاً اما جلياً و اما خفيا و اعتقدوا ان امامتہ لا تخرج من اولادہ (1) شيعہ وہ لوگ ہيں جو بالخصوص حضرت على كا اتباع كرتے ہيں اور آنحضرت (ص) كى ظاہرى يا مخفى وصيت اور نص كى روسے انكى امامت اور خلافت كے قائل ہيں اور معتقد ہيں كہ امامت ان كى اولاد سے باہر نہيں جائے گى _

اہلسنت اور نظريہ خلافت :
اگر موجودہ صدى كے بعض روشن فكر عرب مسلمانوں كے سياسى مقاصد اور نظريات سے چشم پوشى كرليں تو اہلسنت كا سياسى تفكر تاريخى لحاظ سے نظام خلافت كے قبول كرنے پر مبتنى ہے _
اہلسنت كے وہ پہلے مشہور عالم ماوردى (2)كہ جنہوں نے اسلام كى سياسى فقہ كے متعلق ايك مستقل كتاب لكھى ہے كے زمانہ سے ليكر آج تك سياسى تفكر كے بارے ميں انكى سب تحريروں كا محور نظريہ خلافت ہے_
اہلسنت كى فقہ سياسى اور فلسفہ سياسى دينى نصوص كى بجائے صحابہ كے عمل سے متاثر ہے _ اہلسنت سمجھتے ہيں كہ خليفہ كى تعيين كى كيفيت اورشرائط كے متعلق قرآن اور سنت ميں كوئي واضح تعليمات موجو د نہيں ہيں

1) الملل و النحل، شہرستانى ج 2 ص 131_
2) على ابن محمد ابن حبيب ابوالحسن ماوردى (364 _ م 450 ق) شافعى مذہب كے عظيم فقہا ميں سے ہيں فقہ سياسى كے متعلق ''احكام سلطانيہ'' كے علاوہ ديگر كتب كے بھى مؤلف ہيں جيسے ''الحاوي'' اور ''تفسير قرآن'' _

بلكہ يہ امر اجتہاد امت كے سپرد كيا گيا ہے _ سياست ، معاشرہ كے انتظامى امور ، حاكم اور خليفہ كے انتخاب كا طريقہ اور اس كے اختيارات كے متعلق آنحضرت (ص) كى رحلت كے بعدجو كچھ بھى ہوا ہے وہى حجت ہے كيونكہ يہ سب كچھ رسولخد ا (ص) كے صحابہ كے اجتہاد اور رائے كى بناپر ہوا ہے اور ان كا ا جتہاد حجت اور معتبر ہے _
اہلسنت كے سياسى نظام كے دينى نصوص كى بجائے رحلت رسول (ص) كے بعد پيش آنے والے واقعات سے وابستہ ہونے كى وجہ سے سياسى تفكر كے سلسلہ ميں علماء اہلسنت مشكل ميں پڑگئے ہيں كيونكہ يہ سياسى واقعات ايك طرح كے نہيں تھے لہذا ان كے مختلف ہونے كى وجہ سے انكى آراء بھى مختلف ہيں_ بطور مثال خليفہ كے انتخاب كى كيفيت اوراس كى سياسى ولايت كى مشروعيت كے سرچشمے كى طرف اشارہ كيا جاسكتا ہے_
خليفہ اول كا انتخاب سقيفہ ميں موجود بعض مہاجرين و انصار كى بيعت سے عمل ميں آيا _ جبكہ امير المومنين حضرت على ، حضرت ابوذر ،حضرت سلمان، حضرت مقداد اور حضرت زبير جيسے جليل القدر صحابہ اس بيعت كے مخالفت تھے_ خليفہ دوم حضرت ابوبكركى تعيين كے ذريعے منتخب ہوئے خليفہ سوم كا انتخاب اس چھ ركنى شورى كى اكثريت رائے سے عمل ميں آيا جسے حضرت عمر نے بنايا تھا _ جبكہ حضرت على كا انتخاب مہاجرين و انصار كے اتفاق رائے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اور عامۃ الناس کی بیعت سے ہوا _ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا: خلفاء کے بر سر اقتدار آنے کا طریقہ ایك نہیں تھا _ ان چار خلفاء کے بعد سیاسی ولایت کاسرچشمہ مزید مشکلات اور ابہامات کا شکار ہوگیا کیونکہ معاویہ سمیت بہت سے اموی اور عباسی خلفاء نے طاقت اور غلبہ کے زور پر حکومت حاصل کی _ ان کا انتخاب مسلمانوں کی رائے ، بیعت یا اہل حل و عقد کے ذریعہ عمل میں نہیں آیا_
خلافت اور اس کے انتخاب کے متعلق اہلسنت کے صاحبان نظر کا نظریہ کلی طور پر آنحضرت (ص) کی رحلت کے بعد پیش آنے والے واقعات سے متاثر ہے _ ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اپنے سیاسی نظام کو

اس طرح پیش کیا جائے کہ وہ ان تمام واقعات کے ساتھ ہم آہنگ ہوسکے_ مثلاً آپ خلیفہ کے انتخاب کی کیفیت اور مشروعیت کے متعلق "ماوردي" کے کلام کو دیکھیں کہ وہ کس طرح انتخاب خلیفہ کے ان مختلف طریقوں کو جمع کرتے ہینوہ کہتے ہیں :امامت کا اثبات دو طریقوں سے ممکن ہے _ ایك اہل حل و عقد کے اختیار اورانتخاب سے اور دوسرا سابق امام کی وصیت و تعیین سے _ اس دوسرے طریقہ میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا اہل حل و عقد کے اجماع کے بغیر خلافت ثابت ہوسکتی ہے؟
حق یہ ہے کہ کسی امام کی امامت و خلافت سابقہ امام کی تعیین سے ثابت ہوجاتی ہے اور اس کیلئے اہل حل و عقد کی رضایت ضروری نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر کی امامت صحابہ کی رضایت پر موقوف نہیں تھی _ دوسرا یہ کہ سابقہ خلیفہ بعد والے خلیفہ کے تعیّن کا دوسروں کی نسبت زیادہ حق رکھتا ہے_ اور وہ دوسروں یعنی اہل حل و عقد سے زیادہ با اختیار ہے_(1)
اہل سنت کے نظریہ خلافت کے متعلق دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ کیا خلیفۃ المسلمین ہونا ،صاحب خلافت کیلئے کسی خاص اخلاقی اور معنوی مقام و منزلت پر دلالت نہیں کرتا؟
صدر اسلام میں لفظ "خلیفہ "کو اس کے لغوی معنی میں استعمال کیا جاتا تھا اور اس پر کوئي خاص معنوی شان و منزلت مترتب نہیں کرتے تھے_ "خلافت "لغوی لحاظ سے مصدر ہے_ جس کے معني" غیر کی جانشینی " اور "نیابت" کے ہیں _ خلیفہ وہ ہے جو کسی دوسرے کی جگہ پر آئے _بنابریں خلیفہ رسول وہ شخص ہے جو آنحضرت(ص) کے بعد مسلمانوں کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے_ خلیفہ اول کے بعد خلیفہ وہ ہے جو رسولخدا (ص) کے جانشین کے بعد مسلمانوں کا قائد بنے_ یعنی وہ رسولخدا (ص) کے خلیفہ کا خلیفہ ہے_ خود خلفاء کے کلام

1) الاحکام السلطانیہ، ابوالحسن ماوردی ص ،6و 10 _

سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائے استعمال میں عنوان "خلیفہ "کسی خاص معنوی معانی کا حامل نہیں تھا اور آنحضرت (ص) کی ذاتی صفات و کمالات کا حامل ہونے سے حکایت نہیں کرتا تھا_ لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ حکومتوں کے استحکام کیلئے اس منصب کو معنوی تقدس اور احترام کا لبادہ پہنایا جانے لگا اور خلیفہ رسول کو آنحضرت (ص) کے معنوی کمالات کا حامل بھی سمجھا جانے لگا_
آخری نکتہ جس کی طرف اشارہ ضروری ہے یہ ہے کہ خلافت اسلامیہ کی تاریخ گواہ ہے ، کہ ایسے افراد بھی بر سر اقتدار آئے جو اگر چہ خلیفہ رسول کے نام پر حکومت کر رہے تھے_ لیکن سیرت و کردار ، اور اخلاقی صفات و کمالات کے لحاظ سے نہ صرف رسولخدا (ص) بلکہ ایك عام مسلمان سے بھی کو سوں دور تھے_ یہ مسئلہ خود اس سوال کیلئے کافی ہے کہ اہلسنت جس نظام خلافت پر بہت زور دیتے ہیں اس نظام اور نظام سلطنت و ملوکیت میں کیا فرق ہے؟ اس ابہام میں مزید اضافہ اس بات سے ہوتا ہے کہ نظام خلافت کے حامیوں میں سے بعض نے تو امام یا خلیفہ کی مخصوص شرائط بھی بیان نہیں کیں_ بلکہ بعض کے کلام سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے حکمران کی اطاعت کے واجب ہونے میں اس کا متقی اور عادل ہونا سرے سے شرط ہی نہیں ہے_ ابوبکر باقلانی (م403ھ) جمہور اہل حدیث سے نقل کرتے ہیں :
"حاکم یا امام کے فسق و فجور کا ظاہر ہونا، اس کے ہاتھوں نفوس محترمہ کی ہتك حرمت ، حدود الہی کی پائمالی اور لوگوں کے مال کا غصب ہونا اس کی قدرت کے فقدان اور اطاعت سے خارج ہونے کا باعث نہیں بنتا" _ اس نظریہ کی تائید کیلئے اہل حدیث آنحضرت (ص) اور صحابہ سے منقول روایات کا سہارا لیتے ہیں _ مثلا:
"اسمعوا وأطیعوا و لو لعبد اجدع و لو لعبد حبَشی و صَلّوا وَرائَ کلّ برّ و فاجر"

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

100

" حاکم کی اطاعت کرو اگر چہ وہ ناك کٹا غلام ہی کیوں نہ ہو اور اگر چہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو اور ہر نیك یا بد کے پیچھے نماز پڑھو"_

یا یہ روایت کہ:

"أطعہم و ان أكَلُوا مالَك و ضَرَبُوا ظہرَك"(1)

" حکمرانوں کی اطاعت کرو چاہے انہوں نے تمہارے اموال غصب کئے ہوں اور تمھیں مارا پیٹا ہو"_

مخفی نہ رہےکہ احمد بن حنبل جیسے بعض گذشتہ علماء اہلسنت معتقد ہیں کہ حسن ابن علی کے بعد والے حکمرانوں پر خلیفہ کا اطلاق مکروہ ہے_ یہعلماء خلافت اور ملوکیت و سلطنت میں فرق کے قائل ہیں_ ان کی دلیل وہ روایت ہے جسے ابوداود اور ترمذی نے آنحضرت (ص) سے نقل کیا ہے :

"الخلافةُ فی أُمتی ثلاثونَ سنة ثمّ ملك بعد ذلك"(2)

میری امت میں تیس (30) سال تك خلافت ہے اس کے بعد ملوکیت ہے_

اس کے باوجود اکثر علماء اہلسنت کی عملی سیرت یہ رہی ہے کہ انہوں نے اپنے حکمرانوں اور خلفاء کی اطاعت کی ہے اور ان کی مخالفت کرنے سے پرہیز کیا ہے_ اگر چہ ان میں سے بہت سے خلفا ء فاسق و فاجر تھے_

1) التمہید فی الردّ علی الملحدة، ابوبکر باقلانی ،ص 238_
2) مأثر الانافة فی معالم الخلافہ ، احمد ابن عبداللہ قلقشندی ،ص 9_

101

خلاصہ :

1) اسلامی علم کلام میں مسئلہ امامت اس سوال کا جواب ہے کہ کیا اسلامی تعلیمات نے رحلت رسو ل (ص) کے بعد سیاسی ولایت کے متعلق سکوت اختیار کیا ہے یا نہیں؟

2) اہلسنت معتقد ہیں کہ سیاسی قیادت کا تقرر خود ا مت کے سپرد کیا گیا ہے اور صدر اسلام کے مسلمانوں نے اپنے اجتہاد اور رائے سے "نظام خلافت "کا انتخاب کیا_

3) شیعہ "نظام امامت "کے معتقد ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ دینی نصوص نے رحلت رسولخدا (ص) کے بعد مسئلہ امامت کو واضح کردیا ہے_

4)"امامت "اہلسنت کے نزدیك ایك فرعی مسئلہ ہے جبکہ شیعہ اسے ایك اعتقادی مسئلہ اور اصول دین میں سے قرار دیتے ہیں_

5) اہلسنت کے سیاسی تفکر اور نظریہ خلافت کی بنیاد صحابہ کے عمل پر ہے_

6) صدر اسلام کے خلفاء کے تعیّن اور طرز انتخاب کے مختلف ہونے کی وجہ سے اہلسنت کا سیاسی تفکر ایك جیسا نہیں رہا اور اتفاق نظر سے عاری ہے_

7) ابتداء میں لفظ "خلیفہ "معنوی خصوصیات کا حامل نہیں تھا لیکن مرور زمان کے ساتھ ساتھ خلیفہ کو رسولخدا (ص) کے دینی اور معنوی جانشین کے طور پر متعارف کرایا گیا_

8) بہت سے موارد میں اہلسنت کے مورد نظر "نظام خلافت " اور "نظام سلطنت" کے درمیان فرق کرنا مشکل ہے_

102

سوالات :

1) مسئلہ امامت میں اصلی نزاع کیا ہے؟

2)" نظام خلافت" سے کیا مراد ہے؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

3) اہل تشیع اور اہل تسنن کے نزدیکمسئلہ امامت کا کیا مقام ہے؟
4) سیاسی تفکر اور نظریہ خلافت کو بیان کرنے کیلئے اہلسنت نے کس چیز پر اعتماد کیا ہے؟
5) نظریہ خلافت سے متعلق سیاسی ولایت کی مشروعیت کو بیان کرنے میں اہلسنت کیوں مشکل سے دوچار ہوئے؟
6) اہلسنت کے در میان لفظ "خلافت اور خليفہ" کے استعمال نے کن راہوں کو طے کیا ہے؟
7) نظام خلافت کو نظام سلطنت و ملوکیت سے تميز دينے میں کونسی شئے ابہام کا باعث بنی ہے؟

بارہواں سبق :

شیعوں کا سیاسی تفکر

سیاسی ولایت کے سلسلہ میں آنحضرت (ص) کی رحلت کے بعد شیعہ "نظریہ امامت "کے معتقد ہیں _ شیعہ معتقد ہیں کہ ائمہ معصومین صرف سیاسی ولایت اور شان و منزلت کے حامل نہیں تھے بلکہ ان کا ایمان ہے کہ ائمہ معصو مین وحی الہی کے علاوہ آنحضرت (ص) کی تمام صفات و کمالات میں آپ (ص) کے جانشین ہیں _ بنابریں ائمہ معصومین سیاسی ولایت سمیت ولایت معنوي، معاشرہ کی دینی راہنمائي اور لوگوں کو دینی حقائق کی تعلیم دینے جیسی خصوصیات کے بھی حامل ہیں _ وہ رسولخد ا (ص) کے حقیقی خلفاء ، وارث اور جانشین ہیں اور اس وراثت کا لازمہ یہ ہے کہ معنوی ، علمی اور سیاسی اوصاف میں رسولخدا (ص) کے بعد ائمہ معصومین تمام لوگوں سے افضل ہوں اور امامت اور خلافت نبوی کے منصب کیلئے اپنے دور کے تمام افراد سے زیادہ شائستہ ہوں _ اسی وجہ سے اہلسنت کے بعض علماء نے شیعہ کی تعریف میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے _
ابن حزم " اہل تشیع" کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں :

"و مَن وافق الشيعة فی أنّ علیّاً أفضل الناس بعد رسول الله (ص) و أحقّهم بالامامة و وُلده من بعده، فهو شيعی و إن خالفهُم فيما عدا ذلك مما اختلف فيہ المسلمون، فإن خالَفَہُم فيما ذكرنا فليس شيعيّاً"(1)
جو شخص شیعوں کی اس بات سے اتفاق کرتا ہے کہ رسولخدا (ص) کے بعد علی سب سے افضل ہیں_ اور آپ(ع) اور آپ (ع) کی اولاد دوسروں سے زیادہ حقدار امامت ہے وہ شیعہ ہے اگر چہ مسلمانوں کے نزديك مورد اختلاف دیگر چیزوں میں شیعوں سے اختلاف رائے رکھتا ہو اور اگر وہ اس چیز میں شیعوں سے اتفاق نہیں کرتا جسے ہم نے ذکر کیا ہے تو وہ شیعہ نہیں ہے_
شیعوں کا سیاسی نظریہ اہلسنت کے نظریہ خلافت سے دو بنیادی نکات میں مختلف ہے پہلانکتہ یہ ہے کہ آنحضرت (ص) کی رحلت کے بعد امر حکومت اور سیاسی ولایت کے متعلق شیعہ دینی نصوص کو ساکت نہیں سمجھتے بلکہ معتقد ہیں کہ آنحضرت (ص) کے بعد خلیفہ کے تقرر کے سلسلہ میں بہت سی معتبر نصوص موجودہیں _ اسی وجہ سے وہ ائمہ معصومین کی ولایت کے جواز کا مبداء و سرچشمہ ،ارادہ الہی اور خدا کی طرف سے تعیین کو سمجھتے ہیں_ اہلبیت کی ولایت اور امامت ايك الہی منصب ہے جیسا کہ امت پر رسولخد ا (ص) کی ولایت کا سرچشمہ الہی تھا اور اس کا جواز لوگوں کی بیعت اور رائے کا مرہون منت نہیں تھا_
دوسرا نکتہ اختلاف یہ ہے کہ شیعوں کی نظر میں لفظ "امام" خلیفہ رسول کے حقیقی معنی میں ہے یعنی معنوي، علمی اور سیاسی تمام جہات میں رسولخدا (ص) کا جانشین _ جبکہ اہلسنت خلفاء کی جانشینی کو اس کے لغوی معنی میں لیتے ہیں _ یعنی بعد میں آنے والا _ البتہ ائمہ معصومین کے متعلق شیعوں کے اعتقاد سے متاثر ہوکر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

1) الفصَل فی الملل و الاہواء و النحل ج 2، ص 113_

105

اہلسنت کے بعض علماء نے یہ نظریہ قائم کرلیا ہے کہ آنحضرت (ص) کے بعد پہلے چار خُلفاء بالترتیب تمام لوگوں سے افضل ہیں _ حالانکہ اس عقیدہ کا صدر اسلام حتی کہ خلیفہ اول اور دوم کے دور میںبھی کوئي وجود نہیں تھا_ اہلسنت میں یہ عقیدہ اموی اور عباسی خلفاء کے ذریعہ آیا جس کی تقویت انہوننے اپنے سیاسی اغراض اور شیعوں کی ضد میں آکر کی انہوں نے اس عقیدہ کی ترویج کی بہت زیادہ کوششیں کیں کہ وہ بھی رسولخدا (ص) کی بعض خصوصیات کے حامل ہیں _(1)

بہت سی معتبر روایات دلالت کرتی ہیں کہ امامت کا ایك خاص اجتماعی اور ایمانی مقام و منزلت ہے امامت اسلام کے دوسرے فروع اور اجزا کی طرح نہیں ہے _ بلکہ بہت سے احکام اور فروع کا قوام اور اسلام و مسلمین کی اساس "امامت" پر ہے _ ہم بطور نمونہ بعض روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں _

مرحوم شیخ کلیني جناب زرارہ کے واسطہ سے امام باقر سے نقل کرتے ہیں :

بُنی الاسلام علی خمسة أشیائ: علی الصلاة و الزکاة و الحجّ والصوم و الولایة قال زرارة: فقلت و أيّ شيء من ذلك أفضل؟ فقال: الولایة أفضل; لانّہا مفتاحہنّ والوالی ہو الدلیل علیہنّ ... ثمّ قال: ذروة الامر و سنامہ و مفتاحہ و باب الا شیاء و رضا الرحمان الطاعة للامام بعد معرفتہ ان الله (عزوجل) یقول:(مَن یُطع الرَّسولَ فَقَد أطاعَ اللهَ و مَن تَولّی فَما أرسلناك عَلیہم حَفیظاً)(2)

1) الاسلام السیاسي، محمد سعید العشماوی ص 93و 94_
2) الکافی جلد 2 صفحہ 18_19، باب دعائم الاسلام حدیث 5 جبکہ حدیث میں مذکور آیت سورہ نساء کی 80 نمبر آیت ہے_

106

اسلام کی بنیاد اور اساس پانچ چیزوں پر ہے : نماز ، زکوة ، حج، روزہ اور ولایت _

جناب زرارہ کہتے ہیں : میں نے پوچھا کہ ان میں سے افضل کونسی چیز ہے ؟ امام نے فرمایا :ولایت سب سے افضل ہے کیونکہ یہ ان تمام کی کنجی ہے اور ولی ان پرراہنمائي کرنے والا ہے ... پھر فرمایا: امر دین کا بلندترین مرتبہ اور اس کی کنجی ، تمام اشیاء کا دروازہ اور خدا کی رضا، امام کی معرفت کے بعد اس کی اطاعت میں پنہاں ہے _ الله تعالی فرماتا ہے: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے تمھیں ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا_

امام رضا ایك حدیث میں امامت کو زمام دین ، مسلمانوں کا نظام حیات ، اسلام کی اساس اور بہت سے احکام کی تکمیل کی بنیاد قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

"انّ الامامة زمام الدین و نظام المسلمین و صلاح الدنیا و عزّ المؤمنین انّ الامامة أسّ الاسلام النامی و فرعہ السامي_ بالامام تمام الصلاة و الزکاة والصیام والحجّ والجہاد و توفیر الفيء و الصدقات وامضاء الحدود والأحکام و منع الثغوروالاطراف الامام یحلّ حلال الله و یحرم حرام الله و یقیم حدود الله و یذبّ عن دین الله "(1)

یقیناً امامت زمام دین ، مسلمانوں کا نظام حیات ، صلاح دنیا اور صاحبان ایمان کی عزت ہے_ امامت اسلام کی نشو و نما کرنے والی جڑ اور اس کی بلندترین شاخ ہے _ نماز، روزہ، حج،زکوة اور جہاد کی تکمیل امام کے ذریعہ سے ہوتی ہے _ غنیمت اور صدقات کیشرعی قانون

1) الکافی جلد 1، صفحہ 200 ، باب نادرجامع فی فضل الامام وصفاتہ حدیث1 _

107

کے مطابق تقسیم ، حدود و احکام کا اجر اء اور اسلامی سرزمین اور اس کی سرحدوں کی حفاظت امام کے وسیلہ سے ممکن ہے _ امام ہی حلال خدا کو حلال اور حرام خدا کو حرام کرتا ہے حدود الہی کو قائم کرتا ہے اور دین کا دفاع کرتاہے_

حضرت علی بھی امامت کو امت کا نظام حیات اور اسکي اطاعت کو اسکی تعظیم قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

"فَرَضَ الله الإیمان تَطہیراً من الشرك ... والإمامة نظاماً للأُمة والطاعة تعظیماً للإمامة"(1)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اللہ تعالی نے ایمان کو شرک سے بچنے کیلئے ، امامت کو نظام امت اور اطاعت کو امامت کی تعظیم کیلئے واجب قرار دیاہے _

قابل ذکر ہے کہ شیعوں کا سیاسی تفکر دو مرحلوں میں قابل تحقیق ہے _

الف: امام معصوم کے حضور کے زمانہ میں

ب : امام زمانہ(عجل اللہ فرجہ الشریف) کی غیبت کے زمانہ میں

امام کے حضور کے زمانہ میں سیاسی ولایت کے متعلق شیعہ علماء کا نظریہ مکمل طور پر متفقہ اور واضح ہے_ شیعہ نظریہ امامت کے معتقد ہیں اور امت کی ولایت کو امام معصوم کی امامت کا ایک حصہ اور جز سمجھتے ہیں _ تمام وہ حکومتیں جو اس حق خدا کو پامال کر کے تشکیل پائي ہوں انہیں غاصب اور ظالم قرار دیتے ہیں اور اس نظریہ میں کسی شیعہ عالم کو اختلاف نہیں ہے ، کیونکہ شیعوں کی شناخت اور قوام اسی اعتقاد کی بناپر ہے _وہ شئے جو قابل بحث و تحقیق ہے وہ غیبت کے زمانہ میں شیعوں کا سیاسی تفکر ہے _

1) نہج البلاغہ حکمت 252_

زمانہ غیبت میں شیعوں کا سیاسی تفکر :

زمانہ غیبت میں شیعوں کا سیاسی تفکر اس طرح واضح ، روشن اور متفق علیہ نہیں ہے جس طرح زمانہ حضور میں ہے _ شیعوں کا کوئي عالم دین ائمہ معصومین کی سیاسی ولایت اور امامت میں شك و تردید کا شکار نہیں ہے کیونکہ امامت میں شك تشیّع سے خارج ہونے کے مترادف ہے _ائمہ معصومین کی امامت پر نہ صرف سب کا اتفاق ہے بلکہ تشیّع کی بنیاد ہی امامت کے نظریہ پر ہے _ لیکن سوال یہ ہے کہ امام معصوم کی غیبت کے زمانہ میں بھی ان کی سیاسی ولایت کے متعلق یہی اتفاق نظر ہے ؟

حقیقت یہ ہے کہ تمام جہات سے ایسا اتفاق نظر موجود نہیں ہے _ یعنی ایك واضح و ثابت قول کی تمام علماء شیعہ کی طرف نسبت نہیں دی جاسکتی _ کیونکہ اس بحث کے بعض پہلوؤں میں ان کے در میان اختلاف پایا جاتا ہے _ آئندہ کی بحثوں میں آئے گا کہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی غیبت کے دوران علماء شیعہ "فقیہ عادل" کی ولایت کے قائل ہیں _ اور فقیہ عادل کو امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا نائب عام سمجھتے ہیں _ لیکن اس فقیہ عادل کی ولایت کی حدود اور اختیارات میں اتفاق نہیں ہے _ ولایت فقیہ کی حدود کے سلسلہ میں ایك واضح اور مشخص نظریہ کی تمام علماء کی طرف نسبت نہیں دی جاسکتی _

ولایت فقیہ کی تاریخ پر بحث کے دوران تفصیل سے آئے گا کہ علماء شیعہ "اصل ولایت فقیہ" اور فقیہ عادل کی بعض امور میں امام معصوم کی جانشینی پر اتفاق نظر رکھتے ہیں _اختلاف اس میں ہے کہ اس ولایت کا دائرہ اختیار کس حد تك ہے _ بعض بڑے شیعہ فقہاء اس ولایت اور جانشینی کو عام اور ان تمام امور میں سمجھتے ہیں کہ جن میں امام کی جانشینی ممکن ہے اور اس طرح فقیہ کی "ولایت عامہ" کے قائل ہیں _ جبکہ بعض دوسرے فقہا اس جانشینی کو محدود اور خاص موارد میں قرار دیتے ہیں _

مسلمان معاشرے کے اجتماعی اور سیاسی امور میں فقیہ کی سیاسی ولایت اس کی ولایت عامہ کے اثبات پر موقوف ہے _ کیونکہ امام معصوم کی خصوصیات میں سے ایك آپ کی سیاسی ولایت بھی ہے اور یہ خصوصیت قابل نیابت ہے _ جبکہ ائمہ معصومین کا مقام عصمت، علم الہی اور معنوی کمالات قابل نیابت نہیں ہیں _ تیسرے باب میں ہم ولایت فقیہ اور اس کی ادلّہ پر تفصیلی بحث کریں گے _ اسی طرح" فقیہ عادل" کا منصب ولایت پر فائز ہونا اور اس کے دائرہ اختیار پر بھی گفتگو کریں گے _

البتہ اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ شیعہفقہا نے "فقہ سیاسي" یعنی "فقہ حکومت" کی مباحث کو اس قدرا ہمیت نہیں دی جس طرح دوسری عبادی اوربعض معاملاتی مباحث کو دی ہے _ بہت سے فقہا نے تو اس قسم کی فقہی فروعات کو بیان ہی نہیں کیا اور انہیں مورد بحث ہی قرار نہیں دیا _ اور اگر بیان بھی کیاہے تو بہت مختصر اور اس کے مختلف پہلوؤں اور

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مسائل کا اس طرح دقیق تجزیہ و تحلیل نہیں کیا جس طرح عبادی اور معاملاتی مسائل کا کیا ہے _ یہ بات دوسرے فقہی ابواب کی نسبت "فقہ سياسي" کے باب کے ضعف کا باعث بنی ہے _ يقينا اگر شیعوں کے جلیل القدر فقہاء دوسرے عبادی ابواب کی طرح " فقہ الحكومة " کے باب میں بھی دقیق بحث کرتے تو آج شیعوں کے سیاسی تفکر میں مزید ارتکاء دیکھنے کو ملتا _

امویوں اور عباسیوں کے زمانہ میں حکمرانوں کی طرف سے شیعوں پر اس قدر دباؤ تھا اور ان کے حالات اسقدر ناسازگار تھے کہ اولاً ائمہ معصومین تك دسترسی کے امکان کی صورت میں بھی تقیہ کی وجہ سے اس قسم کے حساس سیاسی مسائل پر گفتگو کرنے سے اجتناب کرتے تھے _ کیونکہ اس سے موجودہ حکومتوں کی واضح نفی ہوتی تھی لہذا اس قسم کے مسائل پر بحث کرنے کیلئے حالات سازگار نہیں تھے _ ثانیاً یہ اقلیت اس قدر دباؤ اور محرومیت کا شکار تھی کہ خود کو بر سر اقتدار لانے اور ایك صحیح دینی حکومت کی تشکیل کو انتہائي مشکل سمجھتی

110

تھی لہذا اس نے اپنی تمام تر ہمت اپنی بقا اور غاصب حکومتوں سے نفرت میں صرف کردی اور حکومتی روابط ، مسائل اور سیاسی نظام کے متعلق سوالات کے بارے میں بہت کم فکر کی _بنابریں عبادی احکام کی نسبت" فقہ سياسي" کے متعلق روایات کا ذخیرہ بہت کم ہے _

اسی طرح امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی غیبت کے بعد بھی شیعوں کیلئے اجتماعی اور سیاسی حالات سازگار نہیں تھے_ لہذا علماء شیعہ نے سیاسی مباحث کے پھیلاؤ اور اس کی تحقیقات میں کوئي خاص اہتمام نہیں کیا _

111

خلاصہ :

1) شیعہ ائمہ معصومین کیلئے سیاسی ولایت سے وسیع تر مقام و منزلت کے قائل ہیں _
2) یہ مخصوص شان و منزلت جو ان کی افضلیت کے اعتقاد کا باعث ہے _ شیعہ کی پہچان ہے اور امامت کے متعلق شیعہ اور سنی کے درمیان وجہ افتراق یہی ہے _
3) مکتب اہلبیت اور معصومین کی روایات کی روشنی میں امامت ایك عظیم اجتماعی اور دینی شان ومنزلت کی حامل ہے اور سیاسی ولایت میں محدود نہیں ہے _
4) شیعوں کا سیاسی تفکر دو مرحلوں میں قابل تحقیق ہے _
الف : امام معصوم کے زمانہ ظہور میں
ب : زمانہ غیبت میں
5) زمانہ غیبت میں شیعوں کا سیاسی تفکر زمانہ حضور میں سیاسی تفکر کی طرح واضح اور روشن نہیں ہے _
6) زمانہ غیبت میں تمام شیعہ علمائ" اصل ولایت فقیہ "کے قائل ہیں لیکن اس ولایت کے دائرہ اختیار میں اختلاف نظر رکھتے ہیں _
7) شیعہ علماء کے درمیان "سیاسی فقہ" کے متعلق مباحث کی کمی کی وجہ ظالم اور فاسق حکومتوں کا دباؤ ہے _

سوالات :
1) اہل تشیع کے نظریہ" امامت "اور اہلسنت کے نظریہ "خلافت "کے در میان دو بنیادی فرق بیان کیجئے _
2) روایات اہلبیت نے امامت کیلئے کونسی اجتماعی اور ایمانی شان و منزلت کو بیان کیا ہے ؟
3) شیعوں کے زمانہ حضور اور زمانہ غیبت کے سیاسی تفکر میں کیا فرق ہے ؟
4) زمانہ غیبت میں ولایت فقیہ کے متعلق علماء شیعہ کے درمیان وجہ اشتراك اور وجہ اختلاف کیا ہے ؟
5) شیعہ علماء کے درمیان عبادی مباحث کی نسبت "سیاسی فقہ" کی مباحث کے کم ہونے کی وجہ کیا ہے ؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

تیرہواں سبق:

سیاسی ولایت کی تعیین میں بیعت اور شوری کا کردار (1)

اہلسنت کے سیاسی نظریہ کی وضاحت کے دوران میں اس نکتہ کی طرف اشارہ ہو چکا ہے کہ وہ آنحضرت (ص) کے بعد سیاسی ولایت کے سلسلہ میں دینی متون کو ساکت سمجھتے ہیں اور معتقد ہیں کہ سیاسی ولایت کا کام خود امت کے سپرد کیا گیا ہے _ شوری یعنی "اہل حل و عقد" کی رائے اور" بیعت مسلمین "اسلامی حاکم کی تعیین کرتے ہیں _ واضح ہے کہ ایسا دعوی شیعہ عقائد کے ساتھ سازگار نہیں ہے _ علم کلام کی کتابوں میں امامت کے متعلق جو معتبر اور متعدد ادلّہ قائم کی گئي ہیں وہ اس دعوی کو بے معنی قرار دیتی ہیں _ ائمہ معصومین کی امامت "انتصابی "یعنی خدا کی طرف سے مقررکردہ ہے_ لوگوں کی بیعت صرف امام کے اختیارات کو عملی جامعہ پہنانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے اوراس کا امامت کی حقیقت میں کوئي کردار نہیں ہوتا_ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی غیبت کے دوران بھی اس دعوے کو تسلیم کیا جاسکتا ہے ؟ اور کیازمانہ غیبت میں سیاسی ولایت کا اختیار خود شیعوں کو حاصل ہے اور بیعت اور شوری سیاسی رہبر کا انتخاب کرے گي؟ یہ بحث اس مفروضہ کی بناپر ہے کہ ائمہ معصومین کی نیابت عامہ موجود نہیں ہے اور روایات کی روسے فقیہ

عادل کو ولایت تفویض نہیں کی گئي _

اس سبق اور اگلے سبق میں ہم ان دونکتوں کی تحقیق کریں گے _ پہلا یہ کہ کیا روایات میں اس دعوی کے تسلیم کرنے پر کوئي دلیل موجود ہے ؟ اور کیا زمانہ غیبت میں بیعت اور شوری "سیاسی زندگي" کا تعيّن کرسکتے ہیں ؟ دوسرا یہ کہ اصولی طور پر اسلام کے سیاسی تفکر میں بیعت اور شوری کا کیا کردار ہے ؟

حضرت امیرالمومنین سے بعض ایسی روایات منقول ہوئي ہیں جو صریحاً کہتی ہیں کہ سیاسی ولایت کا حق خود امت کو حاصل ہے _ لہذا اگر مسلمانوں کی شوری کسی کو مقرر کردے اور لوگ اس کی بیعت کرلیں تو وہی مسلمانوں کا حاکم اور ولی ہے _ اس قسم کی روایات کی تحقیق سے پہلے ضروری ہے کہ بیعت اور اس کی اقسام کے متعلق مختصر سی وضاحت کردی جائے _

بیعت کا مفہوم اور اس کی اقسام :

بیعت ایك قسم کا عہد و پیمان اور عقد ہے جو ظہور اسلام سے پہلے عرب قبائل میں رائج اور مرسوم تھا لہذا یہ ایسا مفہوم نہیں ہے جسے اسلام نے متعارف کروایا ہو _ البتہ متعدد مواقع پر سیرت نبوی (ص) نے بیعت مسلمین کو شرعی جواز بخشا ہے _

بیعت اور بیع لفظ "باع" کے دو مصدر ہیں اسی وجہ سے بیعت کا مفہوم بڑی حد تك بیع کے مفہوم سے مطابقت رکھتا ہے جو کہ خرید و فروخت کے معنی میں ہے _ بیع وہ عقد اور معاملہ ہے جس میں فروخت کرنے والے اور خریدار کے در میان مال کا تبادلہ ہوتا ہے _ اسی طرح بیعت وہ معاملہ ہے جو ایك قوم کے رہبر اور اس کے افراد کے درمیان قرار پاتا ہے اس بنیاد پر کہ بیعت کرنے والے اپنی اطاعت ، اپنے وسائل و امکانات اور اموال کو اس کے زیر فرمان قرار دے دیتے ہیں_

جس طرح بیع (خرید و فروخت)میں معاملہ کرنے والوں کے درمیان ابتدا میں قیمت اور دوسری شرائط طے پاتی ہیں پھر معاملہ انجام پاتا ہے _ " غالباًیہ معاملہ گفتگو کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے لیکن کبھی کبھی فعل یعنی صرف عملی طور پر بھی انجام پاتا ہے کہ جسے بیع معاطات کہتے ہیں "_ بیعت میں بھی اسی طرح پہلے گفتگو ہوتی ہے اور تمام شرائط پر رضایت حاصل کی جاتی ہے پھر دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنی رضایت کا اقرار کیا جاتا ہے _ اس طرح بیعت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہوجاتی ہے یہ معاہدہ بیعت مختلف طرح کا ہوسکتا ہے اسی لئے ہمیں بیعت کی مختلف قسمیں دیکھنے کو ملتی ہیں _بیعت کی جو قسم غالب اور رائج ہے وہ مقابل کی سیاسی ولایت کو قبو ل کرنے سے متعلق ہے_ عربوں کے در میان ایك شخص بیعت کے ذریعہ دوسرے شخص کی سیاسی ولایت کو قبول کرلیتا تھا _ سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت ، قتل عثمان کے بعد امیر المومنین حضرت علی کی بیعت اور خلیفہ کے تعیّن کے لئے حضرت عمر نے جو شوری تشکیل دی تھی اس میں عبدالرحمن ابن عوف کا حضرت عثمان کی بیعت کرنا یہ سب خلافت اور سیاسی ولایت پر بیعت کرنے کے موارد ہیں_ لیکن بیعت صرف اسی قسم میں منحصر نہیں ہے کیونکہ کبھی بیعت اس لئے کی جاتی تھی تا کہ دشمن کے مقابلہ میں جہاد اور ثابت قدمی کا عہد لیا جائے _ جس طرح بیعت رضوان کا واقعہ ہے جو کہ حدیبیہ کے مقام پر 6 ہجری میں لی گئي_ سورہ فتح کی اٹھارہویں آیت میں اس کی طرح اشارہ ہے _

"لَقَد رَضيَ اللهُ عَن المؤمنينَ اذيُبا يعُونَك تَحْتَ الشَّجرة فَعَلَمَ ما فی قلُوبہم فا نْزَلَ السَّكينَةَ عَلَيْہم"

خدا صاحبان ایمان سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے جو کچھ ان کے دلوں میں تھاوہ اسے جانتا تھا پس اس نے ان پر سکون نازل کیا _

6 ہجری تك مسلمانوں پر رسولخدا (ص) کی سیاسی اور دینی قیادت اور ولایت کو کئي سال گذر چکے تھے _ لہذا یہ بیعت آنحضرت (ص) کو سیاسی قیادت سونپے کیلئے نہیں ہوسکتی _ جناب جابر جو کہ اس بیعت مینموجود تھے کہتے ہیں : ہم نے یہ بیعت اس بناپر کی تھی کہ دشمن کے مقابلہ میں فرار نہیں کرینگے_ "بايَعنا رسول الله (يَومَ الحُدَيبية) علی ا ن لانَفرّ"(1)_

بعض اوقات بیعت کا مقصد ایك شخص کی اس کے دشمنوں کے مقابلہ میں حمایت اور دفاع کا اعلان کرنا ہوتاتھا _ جس طرح بعثت کے تیرہویں سال مقام عقبہ میں اہل یثرب کے نمائندوں نے آنحضرت (ص) کی بیعت کی تھی _ (2)

بیعت کی ان تمام اقسام میں یہ بات مشترك ہے کہ "بیعت کرنے والا "بیعت کی تمام طے شدہ شرائط کا پابند ہوتا ہے _ بیعت ایك ایسا عہد و پیمان ہے جس کا پورا کرنا بیعت کرنے والے کیلئے ضروری ہوتا ہے _

بیعت کے مفہوم کی وضاحت کے بعد ان بعض روایات کو ذکر کرتے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسی شخص کی ولایت قابل اعتبار ہے جس کی لوگ بیعت کر لیں _ ظاہری طور پر یہ روایات "نظریہ انتخاب" کی تائید کرتی ہینیعنی سیاسی ولایت کے تعیّن کا حق خود مسلمانوں کو دیاگیا ہے _

نظریہ انتخاب کی مؤید روایات

امیر المومنین حضرت علی فرماتے ہیں :

"إنّہ بايعنی القوم الذين بايعوا أبابكر و عمر و عثمان علی ما

1) جامع البيان ابن جرير طبري، جلد 26، صفحہ 110، 113 مذکورہ آیت کے ذیل میں_
2) السيرة النبويہ، جلد2، صفحہ 84،85_

بايعوہم عليہ ، فلم يكن للشّاہد أن يختار و لا للغائب أن يردّ ، و إنّما الشوری للمہاجرين والانصار ، فإن اجتمعوا علی رجل سمّوہ إماماً كان ذلك لله رضي"(1)

جن لوگوں نے ابوبکر ، عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی انہی لوگوں نے انہی شرائط پر میری بھی بیعت کی ہے لہذا جو بیعت کے وقت حاضرتھا اسے نئے انتخاب کا اختیار نہیں اور جو غائب تھا اسے ردّ کرنے کا حق حاصل نہیں یقینا شوری مہاجرین اور انصار کیلئے ہے پس اگر وہ کسی شخص پر متفق ہو جائیں اور اسے امام منتخب کرلیں تو خدا اس پر راضی ہے _

ایك اور مقام پر فرمایا :

"و لعمری لئن كانت الإمامة لا تنعقد حتّی يحضرہا عامّة الناس فما إلی ذلك سبيل، و لكن أہلہا يحكمون علی من غاب عنہا ثمّ ليس للشّاہد أن يرجع و لا للغائب أن يختار"(2)

مجھے اپنی جان کی قسم اگر امامت کے انتخاب کیلئے تما م لوگوں کا حاضر ہونا شرط ہوتا تو امام کا انتخاب کبھی بھی نہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہوتا لیکن اہل حل و عقد غائب افراد پر حجت ہوتے ہیں پھر حاضر کیلئے پلٹنے کا اختیار نہیں اور غائب کو نئے انتخاب کا حق حاصل نہیں _

1) نہج البلاغہ ، مکتوب 6 _
2) نہج البلاغہ ، خطبہ 173_

شیخ مفید کہتے ہیں :جب عبداللہ ابن عمر، سعد ابن ابی وقاص ، محمد بن مسلمہ ، حسان ابن ثابت اور اسامہ ابن زید نے حضرت علی کی بیعت سے انکار کیا ، تو آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا :

"أيّہا الناس، إنّكم بايعتمونى على ما بويع عليہ من كان قبلي، و إنّما الخيار إلى الناس قبل أنْ يبايعوا ، فإذا بايَعوا فلا خيار لہم، وإنّ على الإمام الاستقامة، و على الرعية التسليم و ہذہ بيعة عامّة و من رغب عنہا رغب عن دين الاسلام ، و اتّبع غير سبيل أہلہ ..."(1)

اے لوگوں تم نے انہی شرائط پر میری بیعت کی ہے کہ جن شرائط پر مجھ سے پہلے والوں کی بیعت کی تھی_ لوگوں کو بیعت کرنے سے پہلے اختیار حاصل ہے لیکن جب وہ بیعت کرلیں تو پھر اختیار نہیں ہے _ امام کیلئے استقامت و پائیداری اور رعیت کیلئے اطاعت اور پیروی ہے _ یہ بیعت عامہ ہے جس نے اس سے روگردانی کی اس نے دین سے منہ پھیرا اور اہل دین کے راستہ سے ہٹ گیا ...

قتل عثمان کے بعد جب لوگوں نے بیعت کرنا چاہی اور خلافت کی درخواست کی توآپ (ع) نے فرمایا :

بیعت تمہارے ساتھ مربوط نہیں ہے بیعت کا تعلق اصحاب بدر سے ہے جسے وہ خلیفہ منتخب کرلیں وہی مسلمانوں کا خلیفہ ہوگا _(2)

1) ارشاد جلد 1، صفحہ 243 _ نہج البلاغہ مکتوب 6 _
2) ا نساب الاشراف، بلاذری جلد4، صفحہ 559_

اس قسم کی روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خليفة المسلمين کے انتخاب کا اختیار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے وہ افراد جو انتخاب کی صلاحیت رکھتے ہیں اور" اہل حل و عقد" شمار ہوتے ہیں، اگر کسی کی بیعت کرلینتو وہی مسلمانوں کا امام اور خلیفہ ہے اور اس کی اطاعت واجب ہے اور دوسروں کو اس کی مخالفت کا حق حاصل نہیں ہے _ آخری روایت صریحاً جبکہ بعض دیگر روایات ظاہری طور پر یہ کہہ رہی ہے کہ حاکم اور خليفة المسلمين کے تعيّن میں تمام افراد کی رائے اور بیعت کی اہمیت ايك جیسی نہیں ہے بلکہ ایمان، جہاد اور شہادت میں سبقت حاصل کرنے والے اس انتخاب کی اہلیت رکھتے ہیں _ بہر حال یہ روایات صراحتاً اس قول کے متضاد ہیں کہ امام " منصوب من اللہ " ہوتا ہے _ کیونکہ ان روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امت کی سیاسی ولایت انتخابی ہے اور اس کے انتخاب کا حق امت کے اہل حل و عقد کو حاصل ہے _(1)

صدور روایات کا زمانہ اور ماحول:

سوائے ان مختصر کلمات کے جو بیعت سقیفہ اور حضرت عمر کی مقرر کردہ چھ نفری شوری کے متعلق ہیں _ بیعت اور شوری کے متعلق حضرت علی سے جو اقوال منقول ہیں آپ کی خلافت کے مختصر عرصہ اور لوگوں کے بیعت کرنے کے بعد صادر ہوئے ہیں _

بیعت اور شوری کے متعلق اپنی خلافت کے دوران آپ نے جو بیانات دیئے ہیں انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے _ ان میں سے بعض اپنی بیعت کی توصیف اور وضاحت کے بارے میں ہیں اور یہ کہ کونسی شرائط پر بیعت ہوئي اور پہلے تین خلفاء کی بیعت کی نسبت یہ بیعت کونسی خصوصیات کی حامل تھی _ نمونہ

1) مذکورہ بحث ان روایات کی سند کی تحقیق سے صرف نظر کرتے ہوئے اور انہیں صحیح فرض کرتے ہوئے کی جارہی ہے_ وگرنہ اگر روایات کے مصادر پر غور کیا جائے تو اکثر روایات سند کے اعتبار سےضعیف ہیں_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کے طور پرہم اس قسم کے بعض بیانات کی طرف اشارہ کرتے ہیں _ حضرت امیرالمؤمنین فرماتے ہیں:
"بايَعَنی الناس غَير مُستكرہين و لا مُجبرين ، بل طائعين مُخيَّرين"(1)
لوگوں نے میری بیعت اکراہ اور مجبوری کے عالم میں نہیں کی بلکہ رضا و رغبت کے ساتھ کی ہے _
مزید فرماتے ہیں:
"لم تكن بيعتكم ايّای فَلتة ، و ليس أمری و أمركم واحد، إنّی أريدكم لله و أنتم تريدوننی لانفسكم"(3)
تمھارا میری بیعت کرنا اچانك پیش آنے والا واقعہ نہیں تھا، اور میرا اور تمھارا معاملہ بھی ایك جیسا نہیں ہے ، میں تمھیں خدا کیلئے چاہتا ہوں اور تم مجھے اپنے لئے چاہتے ہو _
جب بعض افراد نے بیعت پر اصرار کیا تو آپ (ع) نے انہیں فرمایا: میری بیعت مخفی طور پر نہیں ہونی چاہیے_
"ففی المسجد، فإنّ بيعتی لا تكون خفيّاً و لا تكون إلاّ عن رضا المسلمين "(3)
میری بیعت مسجد میں ہوگی مخفی نہیں ہوگی بلکہ تمام مسلمانوں کی رضا مندی سے ہوگی _

1) نہج البلاغہ مکتوب 1_
2) نہج البلاغہ ، خطبہ 136_
3) تاریخ طبری ج 4 ، ص427_

120

اس قسم کی روایات ہماری بحث سے خارج ہیں جو حضرت امیرالمؤمنین کی بیعت کی کیفیت کو بیان کرتی ہیں _
دوسری قسم کے بیانات وہ ہیں جو آپ نے بیعت نہ کرنے والے عبداللہ ابن عمر ، اسامہ ابن زید اور سعد ابن ابی وقاص اور بیعت توڑنے والے طلحہ و زبیر جیسے افراد کو مخاطب کر کے فرمائے ہیں _
حضرت امیرالمؤمنین سے منقول اس قسم کی روایات دونکتوں پر اصرار کرتی ہیں پہلا نکتہ یہ ہے کہ جن افراد نے رضا و رغبت کے ساتھ بیعت کی ہے ان پراطاعت واجب ہے دوسرا یہ کہ لوگوں کا آپ کی بیعت کرنا بیعت عمومی اور اختیاری تھی لہذا بیعت توڑنے اور نہ کرنے والے پیمان شکن اور مسلمانوں کی مخالفت کرنے والے شمار ہوں گے _
تیسری قسم کے کلمات جو کہ سب سے اہم ہیں، وہ ہیں جو معاویہ اور اہل شام کے دعووں کے مقابلے میں بیان کئے گئے ہیں _ انہوں نے حضرت امیرالمؤمنین کی بیعت کے صحیح ہونے پر اعتراض کیا تھا اور ان کا کہنا تھا کہ معاویہ ، عمرو ابن عاص اور دوسرے قریش شام کا خلیفہ کو منتخب کرنے والی شوری میں شامل نہ ہونا آپ کی خلافت کو غیر معتبر قرار دیتا ہیں _آپ (ع) سے صادر ہونے والے بہت سے کلمات کا تعلق اسی تیسری قسم سے ہے _آنے والے سبق میں ہم ان کلمات کا تجزیہ و تحلیل اور یہ بحث کریں گے کہ کیا یہ کلمات سیاسی ولایت کے انتخابی ہونے کی تائید کرتے ہیں یا نہیں _

121

خلاصہ:

1) بعض لوگ اس نظریہ کے حامی ہیں کہ بعض روایات کی رو سے سیاسی ولایت کے سلسلہ میں بیعت اور شوری پر اعتبار کیا جاسکتاہے_بنابریں زمانہ غیبت میں سیاسی ولایت خود لوگوں کے سپرد کی گئي ہے اور انتصابی نہیں ہے_
2) بیعت ایك ایسا عہد و پیمان ہے جو ظہور اسلام سے پہلے موجود تھا اور رسول خدا (ص) نے اس کی تائید فرمائي ہے_
3)بیعت کی مختلف قسمیں ہیںلہذا یہ صرف "سیاسی ولایت" کے انتخاب میں منحصر نہیں ہے_
4) اسلامی معاشرہ کے حاکم کی تعیین کیلئے بیعت اور شوری کے معتبر ہونے کے سلسلہ میں حضرت امیرالمؤمنین سے روایات نقل ہوئي ہیں_
5) یہ روایات کچھ خاص سیاسی حالات کے پیش نظر صادر ہوئي ہیں _ اور یہ روایات ان لوگوں کے مقابلہ میں بیعت اور شوری کی تائید کرتی ہیں جنہوں نے حضرت امیر المؤمنین کی بیعت پر اعتراض کیا تھا یابیعت سے انکار کیا تھا یا طلحہ و زبیر کی طرح بیعت شکنی کی تھي_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

سوالات

1) وہ افراد جو زمانہ غیبت میں سیاسی ولایت کو انتخابی سمجھتے ہیں ان کی دلیل کیا ہے ؟
2) بیعت کیا ہے اور اس کی کتنی قسمیں ہیں ؟
3) کیا "بیعت رضوان" رسول خدا (ص) کو سیاسی ولایت سونپنے کیلئے تھي؟
4) حضرت امیر المؤمنین سے منقول بعض روایات سے بیعت اور شوری کے متعلق کس نکتہ کی طرف اشارہ ملتاہے؟
5) اس قسم کی روایات کے صادر ہونے میں کونسے حالات کار فرما تھے؟

چودہواں سبق:

سیاسی ولایت کی تعیین میں بیعت اور شوری کا کردار (2)

پہلے گذر چکا ہے کہ سیاسی ولایت کے انتخابی ہونے کے قائلین نے اپنے اس نظریہ کے اثبات کیلئے حضرت امیر المؤمنین سے منسوب بعض کلمات و روایات کو بطور دلیل پیش کیا ہے _ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کلمات سے یہی ظاہر ہوتاہے کہ اسلامی معاشرہ کے حاکم اور خلیفہ کے انتخاب کا حق خود امت کو دیا گیا ہے _ بنابریں کم از کم زمانہ غیبت میں اسلامی معاشرہ کی سیاسی ولایت انتخابی امر ہے نہ کہ انتصابی اور یہ اعتقاد صحیح نہیں ہے کہ امت کیلئے فقیہ عادل نصب کوکیا گیا ہے بلکہ یہ امر" شوری مسلمین" اور "بیعت امت" کے سپرد کیا گیا ہے _
ہماری نظر میں ان روایات سے مذکورہ بالا مطلب اخذ کرنا صحیح نہیں ہے _ کیونکہ یہ تمام روایات " جدال احسن" (1)

1) سورہ نحل کی آیت 125 میں ارشاد ہوتاہے: "ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة و جادلہم بالتی ہی احسن " اللہ تعالی نے رسول خدا (ص) سے فرمایا ہے کہ وہ حق اور سعادت کی طرف دعوت دینے کیلئے برہان، خطابہ اور جدل تینوں کو بروئے کار لائیں _ تفسیر المیزان ج 12 ص 371 ، 372 _ جدل استدلال کی وہ قسم ہے جس میں استدلال کرنے والا اپنے مدعا کے اثبات کیلئے مخاطب کے نزدیك مقبول اور مسلمہ قضایا سے کام لیتاہے _ اسے اس دعوی کے قبول کرنے پر مجبور کرتاہے _ ہمیشہ یہ ہوتاہے کہ استدلال کرنے والے کے نزدیك ان مقدمات کی صحت مشکوك ہوتی ہے یا بالکل ناقابل قبول ہوتی ہے اور اپنے مدعا کے اثبات کیلئے اس کے پاس اور ادلہ ہوتی ہیں _ لیکن طرف مقابل کو منوانے اور اپنے مقصد تك پہنچنے کیلئے ان صحیح اور یقینی مقدمات کی بجائے ان مقدمات سے استفادہ کرتاہے جو طرف مقابل کیلئے قابل قبول ہوں دوسرے لفظوں میں برہان کی بجائے جدل سے استفادہ کرتاہے کیونکہ طرف مقابل برہانی مقدمات کو تسلیم نہیں کرتا جبکہ جدلی مقدمات کو مانتاہے_

کے زمرے میں آتی ہیں _ لہذا ان روایات کو جدل سے ہٹ کر کسی اور مورد میں استدلال کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا_
وہ مقدمات جنہیں استدلال جدلی میں بروئے کار لایا جاتاہے انہیں استدلال برہانی کے مقدمات کی طرح صحیح اور حق قرار نہیں دیا جاسکتا_کیونکہ جدلی استدلال کے مقدمات سے صرف اس لیئے استفادہ کیا جاتاہے چونکہ وہ مخاطب کے نزدیك مسلّم اور قابل قبول ہوتے ہیں _ لیکن اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ وہ مقدمات بذات خود بھی قابل قبول اور مسلم ہوں _ ہمارا مدعا یہ ہے کہ حضرت امیر المؤمنین نے یہ استدلال ان لوگوں کے سامنے کیا ہے جو آپ (ع) کی خلافت و امامت کو تسلیم کرنے سے انکار کررہے تھے_ یعنی بجائے ان امورکے جو آپ (ع) کی امامت اور ولایت کی حقیقی ادلہ ہیں کہ آپ "منصوب من اللہ" ہیں ان امور سے استدلال کیا ہے جو مخالفین کے نزدیك قابل قبول ہیں اور جن کی بناپر پہلے تین خلفاء کی خلافت قائم ہوئي ہے_ آپ کے استدلال کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ جس دلیل کی بناپر تم لوگوں نے پہلے تین خلفاء کی خلافت قبول کی ہے اسی دلیل کی بناپر میری خلافت تسلیم کرو کیونکہ میری امامت " بیعت امت "اور "شوری کے اتفاق و اجماع

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"سے بالاتر درجات کی حامل ہے _

ان روایات کے جدلی ہونے کی دلیلیں
حضرت امیر المؤمنین نے اپنی خلافت کے ابتدائي ایام میں معاویہ کو خط لکھا جس میں اسے قتل عثمان اوراپنے ساتھ لوگوں کی بیعت کی اطلاع دی اور اسے کہا کہ وہ بھی شام کے سرکردہ افراد کو لے آئے اور بیعت کرے آپ (ع) نے فرمایا:

"أمّا بعد ، فإنّ الناس قَتَلوا عثمان من غَير مشورة منّي، و بايَعوني عن مشورة منهم و اجتماع، فإذا أتاك كتابي فبايع لي و أوفد إليّ أشراف أہل الشام قبلك"(1)
اما بعد، لوگوں نے میرے مشورے کے بغیر عثمان کو قتل کردیا ہے اور اپنی رائے اور اجماع سے میری بیعت کرلی ہے _ جب میرا خط تجھ تك پہنچے تو تم بھی میری بیعت کرلینا اور شام کے سرکردہ افراد کو میری طرف بھیجنا _
معاویہ نے امام کے خط کا مثبت جواب نہیں دیا اور بیعت کی بجائے آپ (ع) کے خلاف جنگ کی تیاری کرنے لگا _ جنگ کیلئے اسے ایك بہانے کی ضرورت تھی لہذا امام کے مضبوط استدلال کے سامنے یہ بہانہ پیش کیا اولاً: حضرت علی اور سابقہ خلفاء کے درمیان فرق ہے _ اس طرح آپ کی امامت اور خلافت کی مخالفت کي_
ثانیاً: یہ بہانہ کیا کہ حضرت عثمان کے قاتل حضرت علی کے زیر حمایت ہیں لہذا امام سے یہ کہا کہ قاتلین کو شام روانہ کریںتا کہ انہیں سزا دی جاسکے اور ان سے قصاص لینے کے بعد خلیفہ کے انتخاب کیلئے مسلمانوں کی شوری تشکیل دی جائے گی _ در حقیقت معاویہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ بیعت اور شوری حضرت علی کی خلافت کو اہل شام کیلئے لازم قرار نہیں دیتی کیونکہ مدینہ اور بصرہ کے اشراف کے برعکس شام کے سرکردہ افراد شوری میں شامل نہیں تھے_ معاویہ کے گستاخانہ جواب کو مبرد نے یوں نقل کیا ہے _
"أما بعد، فَلَعَمري لو بايعك القوم الّذين بايعوك و أنت بري من دَم عثمان ، كنتَ كأبي بكر و عمر و عثمان، و لكنّك

1) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید جلد 1 ص 230_

أغريت بعثمان المہاجرين و خذّلت عنہ الأنصار ، فأطاعك الجاہل و قوی بك الضعيف، و قد أبی أہل الشام إلا قتالك حتّی تدفع اليہم قتلة عثمان، فإن فعلت كانت شوری بين المسلمين "(1)
اما بعد: مجھے اپنی جان کی قسم اگر لوگوں نے تیری بیعت اس حالت میں کی ہوتی کہ تو خون عثمان سے بری ہوتا تو پھر تو تم ابوبکر، عمر اور عثمان کی طرح ہوتے_ لیکن تم نے مہاجرین کو قتل عثمان اور انصار کو ان کی مدد نہ کرنے پراکسایا ہے _ پس جاہل نے تیری اطاعت کی ہے اورکمزور تیری وجہ سے مضبوط ہوگیا اوراہل شام کو تو تیرے ساتھ صرف جنگ کرنا ہے مگر یہ کہ تو عثمان کے قاتلوں کو ان کی طرف بھیج دے _ اگر تو نے ایسا کیا تو پھر خلیفہ کے انتخاب کیلئے مسلمانوں کی شوری قائم ہوگي_
جنگ صفین کے دوران معاویہ نے ایك اور خط لکھا جس میں اس نے شوری اور حضرت امیر المؤمنین کی بیعت کو غیر معتبر قرار دیا _ اس دلیل کی بناپر کہ اہل شام نہ اس میں حاضر تھے اور نہ اس پر راضی تھے
"فَلَعَمري لو صحَّت خلافتك لكنت قريباً من أن تعذر في حرب المسلمين ، و لكنّہا ما صحت لك، أنّي بصحّتہا و أہل الشام لن يدخلوا فيہا و لم يرتضوا بہا"(2)
مجھے اپنی جان کی قسم اگر تیری خلافت صحیح ہوتی تو تیرا مسلمانوں کی جنگ میں صاحب عذر ہونا قریب تھا لیکن وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اہل شام اس میں داخل نہیںتھے اور اس پر راضی نہیں ہیں_

1) الکامل، مبرد جلد1 صفحہ 423 _ شرح نہج البلاغہ جلد3 صفحہ 88_
2) بحارالانوار جلد33 صفحہ 80 ، شرح نہج البلاغہ جلد14 صفحہ 42_

معاویہ اہل شام کو یہ تأثر دینے میں کامیاب ہوگیا کہ خون عثمان کے قصاص سے بڑھ کر کوئي شئے اہم نہیں ہے اور

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

خلافت علی کیلئے جو بیعت اور شوری منعقدہوئي ہے وہ قابل اعتبار نہیں ہے لہذا ضروری ہے کہ قاتلوں کو سزا دینے کے بعد شوری تشکیل پائے_ جنگ صفین میں معاویہ کی طرف سے بھیجے گئے نمائندہ گروہ میں سے ایك حبیب ابن مسلمہ نے حضرت علی سے مخاطب ہوکر کہا _

"فَادفع إلینا قَتَلة عثمان إن زعمتَ أنّك لم تقتلہ_ نقتلہم بہ ، ثمّ اعتزل أمر الناس، فیکون أمرہم شوری بینہم ، یولّی الناس أمرہم من أجمع علیہ رَأیہم"(1)

اگر تم سمجھتے ہو کہ تم نے عثمان کو قتل نہیں کیا تو پھر ان کے قاتل ہمارے حوالے کردو تا کہ ہم انہیں قتل کردیں_ پھر امر خلافت لوگوں کے سپرد کردو_ ایك شوری تشکیل پائے گی اور لوگ اپنے لئے جسے چاہیں گے اسے اتفاق را ے سے خلیفہ منتخب کرلیں گے _

اس قسم کی سرکشی ، مخالفت اور ادلّہ کے سامنے حضرت امیر المؤمنین نے ان امور سے استدلال کیا جو اُن کیلئے قابل قبول تھے حتی کہ دشمن بھی ان سے انکار نہیں کرسکتا تھا_ تمام مسلمان ، اہل شام اور حضرت امیرالمؤمنین کی بیعت کی مخالفت کرنے والے ، حتی کہ معاویہ بھی پہلے تین خلفاء کے طریقہ انتخاب کو مانتے تھے_ لہذا حضرت امیر المؤمنین نے استدلال کے مقام پر ان افراد کے سامنے مہاجرین اور انصار کی بیعت اور شوری کے صحیح اور قابل اعتبار ہونے کو پیش کیا اور اپنی امامت کیلئے انہی مطالب سے استدلال کیا جو مخالفین کے نزدیك مسلم اور قابل قبول تھے_

امام نے بیعت سے روگردانی کرنے والوں کو مخاطب کرکے فرمایا:

1) تاریخ طبری جلد5 صفحہ 7 ، البدایہ والنہایہ جلد7 صفحہ 259_

127

"أیّہا الناس، إنّکم بایعتمونی علی ما بویعَ علیہ مَن کان قبلي، و انّما الخیارُ إلی الناس قبل أن یُبایعوا"(1)

اے لوگو تم نے میری بیعت انہی شرائط پر کی ہے جن پر تم نے مجھ سے پہلے والوں کی بیعت کی تھی اور لوگوں کو بیعت کرنے سے پہلے اختیار ہوتاہے _

معاویہ اور اہل شام کے مقابلہ میں بھی اسی طرح استدلال کرتے ہوئے فرمایا:

کہ جن لوگوں نے مجھ سے پہلے والے خلفاء کو منتخب کیا تھا انہی لوگوں نے اصرار اور اپنی رضا و رغبت کے ساتھ میری بیعت کی ہے _ پس تم پر میری اطاعت اسی طرح واجب ہے جس طرح مجھ سے پہلے والے خلفاء کی اطاعت کرتے تھے _(2)

حضرت امیر المؤمنین ، معاویہ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اطاعت کیلئے تیرا بیعت کے وقت موجود ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ پہلے تمام خلفا کی بیعت اور شوری میں بھی تو موجود نہیں تھا_ فرمایا:

"لأنّ بیعتی فی المدینة لزمتك و أنت بالشام کما لزمتك بیعة عثمان بالمدینة و أنت أمیر لعمر علی الشام، و کما لزمت یزید أخاك بیعة عمر و ہو أمیر لابی بکر علی الشام"(3)

مدینہ میں میری بیعت کا ہونا تجھ پر اطاعت کو واجب قرار دیتاہے چاہے تو شام میں ہو جس طرح عثمان کی مدینہ میں بیعت تیرے لئے لازم ہوگئي تھی جب کہ تو عمر کی طرف سے شام پر

1) ارشاد شیخ مفید جلد1 صفحہ 243_
2) شرح نہج البلاغہ جلد3 صفحہ75_
3) شرح نہج البلاغہ جلد14 صفحہ 44_

128

حاکم تھا_ اور جس طرح تیرے بھائي یزید کیلئے عمر کی بیعت لازم ہوگئي تھی جبکہ وہ ابوبکر کی طرف سے شام کا والی تھا_

مزید فرمایا کہ معاویہ اور قریش طلقا (آزاد کردہ) میں سے ہیں اور خلیفہ کو مقرر کرنے والی شوری میں شمولیت کی اہلیت نہیں رکھتے فرمایا :

"وَ اعلَم أنّك من الطُلَقاء الّذین لا تَحلُّ لَہُم الخلافة و لا تعرض فیہم الشوري"(1)

اور جان لوکہ تم طلقا میں سے ہو ، جو کہ خلافت کے حقدار نہیں ہیں اور شوری میں بھی شمولیت کی اہلیت نہیں رکھتے_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"أما قولك إنّ أہل الشام ہم الحُکّام علی أہل الحجاز فہات رجلاً من قریش الشام یقبل فی الشوری أو تحلّ لہ الخلافة، فإن زعمتَ ذلك کذبك المہاجرون والانصار"(2)
اور تیرا یہ کہنا کہ اہل شام اہل حجاز پر حاکم ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ شام کے قریش کا ایك فرد شوری میں قابل قبول ہو یا اس کیلئے خلافت جائز ہو _ اگر تو ایسا سمجھتاہے تو مہاجرین اور انصار تجھے جھٹلا دینگے _
اسکے پیش نظر اور ان ادلّہ کو دیکھتے ہوئے جو امام کی امامت کے" منصوب من اللہ "ہونے پر دلالت کرتی ہیں کوئي شك و شبہہ باقی نہیں رہتا کہ امام کا تعیین خلیفہ میں بیعت اور شوری کے معتبر ہونے پر

1) وقعة صفین صفحہ 29_
2) بحارالانوار جلد32 ، صفحہ 379 ، شرح نہج البلاغہ جلد3 صفحہ 89_

129
تاکید کرنا، اور یہ کہنا کہ خلیفہ کا تقرر مہاجرین اور انصار کے ہاتھ میں ہے از "باب جدل" تھا_ جس طرح آپ(ع) نے اسی "جدال احسن" کے ذریعہ اس وقت استدلال کیا تھا جب سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت ہوئي تھي_ انصار کے مقابلہ میں قریش نے ابوبکر اور عمر کی رہبری میں آنحضرت (ص) - سے اپنی قرابت کو دلیل قرار دیا تھا اور انصار نے اسی دلیل کی بناپر خلافت، مہاجرین قریش کے سپرد کردی تھي_
حضرت علی نے بھی اسی استدلال سے استفادہ کرتے ہوئے فرمایا: اگر خلافت کا معیار قرابت رسول (ص) ہے تو میں سب سے زیادہ آنحضرت (ص) کے قریب ہوں _ تعیین امامت کیلئے اس قسم کے تمام استدلال "جدلي" ہیں کیونکہ آپ (ع) کی امامت کی دلیل خدا کا آپ کو امام مقرر کرنا ہے آنحضرت (ص) سے قرابت آپ کی امامت کی دلیل نہیں ہے _ امام نے معاویہ کو جو خط لکھا اس میں اسی استدلال "جدلي" کا سہارا لیا_
"قالَت قریش مّنّا أمیر و قالت الأنصار منّا أمیر; فقالت قریش: منّا محمّد رسول اللہ (ص) فنحن أحقّ بذلك الأمر ، فعرفت ذلك الأنصار فسلمت لہم الولایة و السلطان فاذا استحقوہا بمحمد (ص) دون الانصار فإنّ أولَی الناس بمحمّد أحقّ بہا منہم"(1)
قریش نے کہا کہ امیر ہم میں سے ہوگا اور انصار نے کہا ہم میں سے_ پھر قریش نے کہا کہ رسول خد ا (ص) ہم میں سے تھے لہذا خلافت ہمارا حق ہے _ انصار نے اسے تسلیم کرلیا اور خلافت و ولایت ان کے سپرد کردی _لہذا جب محمد (ص) سے قرابت کی وجہ سے وہ خلافت کے مستحق قرار پائے ہیںنہ کہ انصار تو جو قرابت کے لحاظ سے محمد (ص) کے زیادہ قریب ہے وہ خلافت کا ان سے زیادہ حق رکھتاہے_

1) وقعة صفین صفحہ 91_

130
ممکن ہے کوئي یہ کہے کہ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ ائمہ معصومین کی ولایت کے اثبات کیلئے بیعت اور شوری کو معتبر قرار دینا استدلال جدلی ہے لیکن زمانہ غیبت میں اسلامی معاشرہ کے حاکم کے تعین کیلئے بیعت اور شوری کو معتبر قرار دیا جاسکتاہے _ پس بنیادی لحاظ سے بیعت اور شوری ناقابل اعتبار نہیں ہیں بلکہ امام معصوم کے زمانہ میں ائمہ معصومین کی امامت کی ادلّہ کو دیکھتے ہوئے ناقابل اعتبار ہیں لیکن زمانہ غیبت میں قابل اعتبار ہیں _ دوسرے لفظوں میں امام کا "استدلال جدلي" غلط مقدمات پر مشتمل نہیں تھا بلکہ یہ مقدمہ (بیعت اور شوری کا معتبر ہونا) صرف امام معصوم کے حضور کے زمانہ میں ناقابل اعتبارہے وگرنہ بذات خود یہ معتبر ہے _ جو لوگ اس نظریہ کے حامی ہیں وہ لوگ امامکے استدلال جدلی کو زمانہ غیبت میں اسلامی معاشرہ کے حاکم کے تقرر کیلئے بیعت اور شوری سے تمسك کی راہ میں مانع نہیں سمجھتے _ اگر فقیہ عادل کی ولایت عامہ کی ادلّہ صحیح اور کامل ہیں تو پھر اس بحث کی گنجائشے نہیں رہتی یعنی جس طرح امام معصوم کی امامت کی ادلّہ سیاسی ولایت کے تقرر میں بیعت اور شوری کے کردار کو کالعدم قرار دیتی ہیں اسی طرح ولایت فقیہ کی ادلّہ بھی بیعت اور شوری کو کالعدم قرار دیتی ہیں _
بحثکے آخر میں اس نکتہ کی وضاحت ضروری ہے کہ ہماری بحث اس میں ہے کہ یہ تحقیق کی جائے کہ سیاسی تسلط کے جواز میں بیعت اور شوری کا کیا کردار ہے _وگرنہ اس سے کسی کو انکار نہیں ہے کہ سیاسی ولایت کا عینی اور خارجی وجود لوگوں کی رائے اور بیعت کے تابع ہے _ اکثر ائمہ معصومین اسی وجہ سے اپنی شرعی اور الہی ولایت کو لوگوں میں عملی نہیں کروا سکے ، چونکہ لوگوں نے آپ کی اعلانیہ بیعت نہیں کی تھي_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

خلاصہ :

1) خلیفہ کے تقرر کے سلسلہ میں بیعت اور شوری کے معت1بر ہونے کے متعلق حضرت علی سے منقول روایات "جدل" کے باب سے ہیں _اور ولایت کو انتخابی قرار دینے میں ان ادلہ سے استدلال نہیں کیا جاسکتا_
2) حضرت علی کی امامت کی مخالفت کیلئے معاویہ کا ہدف بیعت اور شوری کو غیر معتبر قرار دینا تھا تا کہ اس طرح آپ (ع) کی خلافت پر سوا لیہ نشان لگایا جاسکے_
3) معاویہ یہ چاہتا تھا کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کو سزا دینے کے بعد حاکم اور امام کے انتخاب کیلئے شوری تشکیل دی جائے جس میں خود اس جیسے افراد بھی موجود ہوں _
4)اپنی خلافت کیلئے ہونے والی بیعت کی حقانیت ثابت کرنے کیلئے، حضرت امیر المؤمنین نے ان امور کا سہارا لیا جو مسلمانوں کے نزديك مسلم اور قابل قبول تھے اور جن کامعاویہ اور اہل شام بھی انکار نہیں کرسکتے تھے_ پس آپ کا استدلال "جدال احسن "کے زمرے میں آتاہے _
5) حضرت امیرالمومنین کی امامت پر ادلّہ کا موجود ہونا ، اورآپ (ع) کا ان نصوص سے تمسك نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے یہ کلمات جدل کے باب سے تھے_
6) اگر ولایت فقیہ کی ادلّہ صحیح اور مکمل ہوں تو زمانہ غیبت میں سیاسی ولایت کے متعلق" نظریہ انتخابي"کیلئے ان روایات سے تائید لانے کی نوبت نہیں آتی _

سوالات:
1)بیعت اور شوری کے متعلق حضرت امیر المؤمنین سے منقول روایات سے سیاسی ولایت کے انتخابی ہونے پر کیوں استدلال نہیں کیا جاسکتا؟
2)حضرت علی کے ساتھ سیاسی تنازعہ میں معاویہ کا استدلال کیا تھا؟
3) حضرت امیر المومنین نے معاویہ اور اہل شام کے استدلال کا کیا جواب دیا؟
4) حضرت امیرالمومنین کے استدلال کے جدلی ہونے کے شواہد بیان کیجئے ؟
5) کیا زمانہ غیبت میں سیاسی ولایت کے انتخابی ہونے کیلئے اس قسم کی روایات سے تمسك کیا جاسکتاہے؟

تیسرا باب:

ولایت فقیہ کا معنی ، مختصر تاریخ اور ادلّہ

سبق 15 : ولایت فقیہ کا معني
سبق16: وکالت و نظارت فقیہ کے مقابلہ میں انتصابی ولایت
سبق 17 _18: ولایت فقیہ کی مختصر تاریخ
سبق 19 : ولایت فقیہ ايك کلامی مسئلہ ہے یا فقہي؟
سبق 20،21،22 : ولایت فقیہ کے اثبات کی ادلّہ
سبق 23 : ولایت فقیہ پر عقلی دلیل

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

133

تمہید :

پہلے گذرچکاہے کہ شیعوں کا سیاسی تفکر" نظریہ انتصاب "پر استوار ہے اور شیعہ معتقدہیں کہ ائمہ معصومین کی امامت اور ولایت خدا کی طرف سے ہے اور اس کا اعلان خود رسول خدا (ص) نے فرمایا ہے _ اہم سوال جو زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ کیا زمانہ غیبت میں فقہاء عادل کو ولایت عامہ اور ائمہ معصومین کی نیابت حاصل ہے ؟ مذکورہ باب اسی اساسی سوال کی تحقیق کے متعلق ہے _
اس باب میں ابتداً ولایت فقیہ کا معنی واضح کیا جائے گا اور محل نزاع پر عمیق نظر ڈالی جائے گی _ تا کہ اس کے متعلق جو غلط فہمیاں ہیں انہیں دور کیا جاسکے_
اس کے بعد علمائ شیعہ کے اقوال اور ولایت فقیہ کی تاریخ پر ایك نگاہ ڈالیں گے _ ولایت فقیہ کے اثبات کی ادلّہ کی تحقیق اس باب کی اہم ترین بحث ہے اور اس سے پہلے یہ واضح کریں گے کہ مسئلہ ولایت فقیہ ایك کلامی بحث ہے یا فقهي؟ اس مسئلہ کا جواب براہ راست ان ادلّہ پر اثر انداز ہوتاہے جو ولایت فقیہ کے اثبات کیلئے قائم کی گئي ہیں _ مسئلہ ولایت فقیہ کو کلامی سمجھنا یا کم از کم یہ اعتقاد رکھنا کہ مسئلہ فقہی ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں کلامی پہلو بھی ہے اس سے ولایت فقیہ پر عقلی ادلہ پیش کرنے کی راہ ہموار ہوجائے گي_

134

پندرہواں سبق:

ولایت فقیہ کا معني

لغوی لحاظ سے ولایت " و _ ل _ ي" سے ماخوذ ہے _ واو پر زبر اور زیر دونوں پڑھے جاتے ہیں _ اس کے ہم مادہ دیگر کلمات یہ ہیں _ تولیت ، موالات ، تولّی ، وليّ، متولّي، استیلائ، ولائ، مولا، والی _
لغوی لحاظ سے ولایت کے متعدد معانی ہیں مثلاً نصرت ، مدد، امور غیرکا متصدی ہونا اور سرپرستی وغیرہ_البتہ ان معانی میں سے سرپرستی او رغیر کے امور میں تصرف ولایت فقیہ سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں_جو شخص کسی منصب یا امر کا حامل ہو اسے اس امر کا سرپرست، مولی اورولی کہا جاتاہے، بنابریں لفظ ولایت اور اس کے ہم مادہ الفاظ یعنی ولي، تولیت ، متولی اور والی سرپرستی اور تصرف کے معنی پر دلالت کرتے ہیں اس قسم کے کلمات کسی دوسرے کی سرپرستی اور اس کے امور کی دیکھ بھال کیلئے استعمال ہوتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ ولی اور مولا دوسروں کی نسبت اس تصرف اور سرپرستی کے زیادہ سزاوار ہیناور ولی و مولا کی ولایت کے ہوتے ہوئے دوسرے افراد اس شخص کی سرپرستی اور اس کے امور میں تصرف کا حق نہیں رکھتے (1)

1) مولی اور ولی کے معانی کی مزید تفصیل کیلئے کتاب الغدیر ، جلد1، صفحہ 609 ، 649 اور فیض القدیر ،صفحہ 375_ 448 کی طرف رجوع کیجئے _

135
قرآن کریم میں جو الفاظ ان معانی میں استعمال ہوئے ہیں _ وہ اللہ تعالی ، رسول -(ص) اور امام کیلئے استعمال ہوئے ہیں _
" إنّمَا وَليُّكُمُ اللہُ وَرَسُولُہُ وَالَّذينَ آمَنُوا الَّذينَ يُقيمُونَ الصَّلاةَ وَيُؤتُونَ الزَّكَاةَ وَہُم رَاكعُونَ" (1)
سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا ولی خدا ، اس کا رسول اور وہ مومن ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں _
و ، ل ، ی کے مشتقات کے معانی اور قرآن و روایات میں ان کے استعمال کی تفصیلی بحث ہمیں ہماری اصلی بحث سے دور کردے گی ، کیونکہ ولایت اور اس سے ملتے جلتے الفاظ یعنی والی اور ولی و غیرہ کا اصطلاحی معنی واضح اور روشن ہے_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جب ہم کہتے ہیں : کیا رسول خدا (ص) نے کسی کو مسلمانوں کی ولایت کیلئے منصوب کیا ہے ؟ یا پوچھتے ہیں : کیا زمانہ غیبت میں فقیہ عادل و لایت رکھتا ہے ؟ واضح ہے کہ اس سے ہماری مراد دوستي، محبت اور نصرت وغیرہ نہیں ہوتي_ بلکہ اس سے مراد اسلامی معاشرہ کے امور کی سرپرستی ہوتی ہے _ ولایت فقیہ کا معنی یہ ہے کہ فقیہ عادل اسلامی معاشرہ کی سرپرستی اور حاکمیت کا حقدار ہے اور اس شرعی اور اجتماعی منصب کیلئے منتخبکیا گیا ہے _

ولایت کی حقیقت اور ماہیت

ولایت فقیہ کی ادلہ کے ذریعہ فقیہ عادل کیلئے جو ولایت ثابت کی جاتی ہے وہ شرعی اعتبارات اور مجعولات میں سے ہے _ فقاہت ، عدالت اور شجاعت جیسی صفات تکوینی ہیں جبکہ ریاست اور ملکیت جیسے امور اعتباري

1) سورہ مائدہ آیت 55_

136

اور وضعی ہیں _ اعتباری اور وضعی امور ان امور کو کہتے ہیں جو جعل اور قرار دینے سے وجود میں آتے ہیں یعنی بذات خود خارج میں ان کااپنا وجود نہیں ہوتا_ بلکہ بنانے والے کے بنانے اور قرار دینے والے کے قرار دینے سے وجود میں آتے ہیں _ لہذا اگر قرار دینے والا شارع مقدس ہو تو انہیں "اعتبارات شرعي"کہتے ہیں اورا گر عقلاء اور عرف عام ہوں تو پھر انہیں "اعتبارات عقلائي "کہا جاتاہے_(1)

جو شخص فقیہ بنتاہے یا وہ شخص جو ملکہ عدالت اور تقوی کو حاصل کرلیتاہے وہ ایک حقیقت اور "تکوینی صفت" کا حامل ہوجاتاہے _لیکن اگر کسی شخص کو کسی منصب پر فائز کیا گیا ہے اوراس کے لئے ایک حاکمیت قرار دی گئي ہے تو یہ ایک حقیقی اور تکوینی صفت نہیں ہے بلکہ ایک قرار داد اور "عقلائي اعتبار" ہے "امر اعتباری "اور" امر تکوینی "میں یہ فرق ہے کہ " امر اعتباری " کا وجود واضع اور قرار دادکرنے والوں کے ہاتھ میں ہوتاہے_ لیکن "تکوینی حقائق " کسی بنانے والے یا قرار دینے والے کے ہاتھ میں نہیں ہوتے کہ قرار کے بدلنے سے ان کا وجود ختم ہوجائے_

ولایت دو طرح کی ہوتی ہے _ تکوینی اور اعتباری _ وہ ولایت جو فقیہ کو حاصل ہے اور ولایت فقیہ کی ادلہ سے جس کا اثبات ہوتاہے _" ولایت اعتباری "ہے_ولایت تکوینی ایک فضیلت اور معنوی و روحانی کمال ہے _رسول خدا (ص) اور ائمہ معصومین کو دونوں قسم کی ولایت حاصل ہے آپ عصمت، عبودیت اور علم الہی کے اعلی مراتب پر فائز ہونے اور خلیفہ خدا ہونے کی وجہ سے ولایت تکوینیہ اور الہیہ کے حامل محسوب ہوتے ہیں جبکہ مسلمانوں کی رہبری اور قیادت کی وجہ سے سیاسی ولایت رکھتے ہیں جو کہ "ولایت اعتباري"ہے _ امام خمینی اس بارے میں فرماتے ہیں :

1) وہ حاکمیت جس کا ایک قوم وقبیلہ اپنے سردار کیلئے اور ایک معاشرہ اپنے حاکم کیلئے قائل ہوتاہے "اعتبارات عقلائي" کے نمونے ہیں _ اسی طرح ٹریفک کے قوانین کہ سرخ لائٹ پر رکنا ہے یا یہ سڑک یک طرفہ ہے یہ تمام اعتبارات و مجعولات عقلائي کی مثالیں ہیں_

137

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ ولایت جس کے رسول خدا (ص) اور ائمہ معصومین حامل تھے وہی ولایت زمانہ غیبت میں فقیہ عادل کو حاصل ہے تو کوئي ہرگز یہ نہ سمجھے کہ فقہاء کو وہی مقام حاصل ہے جو رسولخدا (ص) اور ائمہ معصومین کو حاصل تھا، کیونکہ یہاں بات مقام کی نہیں ہے بلکہ فریضے اور ذمہ داری کی ہے_ ولایت یعنی "حکومت اورملک میں شرعی قوانین کا اجرا" ایک سنگین اور اہم ذمہ داری ہے _ نہ یہ کہ کسی شخص کو ایک عام انسان سے ہٹ کر کوئي اعلی و ارفع مقام دیا جارہا ہے_ دوسرے لفظوں میں مورد بحث ولایت یعنی حکومت اور اس کا انتظام بہت سے افراد کے تصور کے برعکس کوئي مقام نہیں ہے بلکہ ایک بھاری اور عظیم ذمہ داری ہے "ولایت فقیہ " ایک "امر اعتباری عقلائي" ہے _ لہذا جعل کے سوا کچھ بھی نہیں ہے (1)_

یاد رہے کہ اس اعتبار سے کہ ولایت فقیہہ ، منصب حکومت اور معاشرتی نظام کے چلانے کو فقیہ کی طرف منسوب کرتی ہے_ ولایت فقیہ ایک" اعتبار عقلائي "ہے کیونکہ تمام معاشروں میں ایسی قرارداد ہوتی ہے اور کچھ افراد کیلئے یہ منصب وضع کیا جاتاہے_ دوسری طرف چونکہ یہ منصب اور اعتبار روایات معصومین اور شرعی ادلّہ سے فقیہ کو حاصل ہے اس لئے یہ ایک شرعی اعتبار اور منصب بھی ہے _ پس اصل ولایت ایک "اعتبار عقلائي"ہے اور فقیہ کیلئے شارع مقدس کی

طرف اس كی تائید ایك "اعتبار شرعی "ہے _

اسلامی فقہ میں دوطرح كی ولایت
ولایت كے متعلق آیات اور روایات كو كلی طور پر دو قسموں میں تقسیم كیا جاسكتاہے یا دقیق تعبیر كے مطابق فقہ میں دو قسم كی ولایت پائي جاتی ہے_ ایك ولایت كا تعلق مومنین كے امور كی سرپرستی سے ہے یہ وہی ولایت ہے جو رسول خدا (ص) اور ائمہ معصومینكی طرف سے "زمانہ غیبت" میں" فقیہ عادل " كو حاصل

1) ولایت فقیہ صفحہ 40 ، 41_

ہے _ اس سبق كی ابتدا ء میں جو آیت ذكر كی گئي ہے _ وہ اسی ولایت كی طرف اشارہ كرتی ہے _ دوسری ولایت وہ ہے جس میں ان افراد كی سرپرستی كی جاتی ہے جو فہم و شعور نہیں ركھتے یا اپنے امور انجام دینے سے قاصر ہیں یا موجود نہ ہونے كی وجہ سے اپنے حق سے فائدہ نہیں اٹھاسكتے _ لہذا ضروری ہے كہ ان كی طرف سے ایك ولی اپنی صواب دید كے تحت انمحجور، غائب اور بے بس افراد كے امور كی سرپرستی كرے _
باپ اور دادا كی اپنے كم سن، كم عقل اور دیوانے بچوں پر ولایت، مقتول كے اولیاء كی ولایت اورمیت كے ورثا كی ولایت تمام ا سی ولایت كی قسمیں ہیں _ درج ذیل آیات اسی ولایت كی اقسام كی طرف اشارہ كررہی ہیں_
"و من قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیّہ سلطانا فلا یُسرف فی القتل"(سورہ اسراء آیت33)
جو شخص ناحق مارا جائے تو ہم نے اس كے وارث كو (قصاص كا) حق دیا ہے پس اسے چاہیے كہ قتل میں زیادتی نہ كرے_
"فان كان الذی علیہ الحق سفیہاً او ضعیفا او لا یستطیع ان یملّ ہو فلیملل ولیہ بالعدل" (سورہ بقرہ آیت 282)
اور اگر قرض لینے والا كم عقل یا معذور یا خود لكھوا نہ سكتا ہو تو اس كا سرپرست انصاف سے لكھوادے_
ان دو قسم كی ولایت كے درمیان بنیادی فرق سے غفلت اور ان دونوں كو ایك ہی سمجھنے كی وجہ سے ولایت فقیہ كے بعض مخالفین ایك بڑی اور واضح غلطی كے مرتكب ہوئے ہیں _ وہ یہ سمجھنے لگے ہیں كہ ولایت فقیہ وہی محجور و قاصر افراد پر ولایت ہے اور ولایت فقیہ كا معنی یہ ہے كہ لوگ مجنون، بچے ، كم عقل اور محجور افراد كی طرح ایك سرپرست كے محتاج ہیں اور ان كیلئے ایك سرپرست كی ضرورت ہے_ لہذا ولایت فقیہ كا لازمہ لوگوں اور ان كے رشد و ارتكاء كی اہانت ہے _ آنے والے سبق میں ہم اس غلط فہمی كا جواب دیں گے_

خلاصہ

1)ولایت كے متعدد معانی ہیں _ ولایت فقیہ سے جو معنی مراد لیا جاتاہے وہ ایك لغوی معنی یعنی سرپرستی اور تصرف كے ساتھ مطابقت ركھتاہے _
2)ولایت فقیہ "اعتبارات شرعی "میں سے ہے _
3) معصومین " ولایت اعتباری "كے علاوہ " ولایت تكوینی "كے بھی حامل ہیں جو كہ ایك كمال اور معنوی فضیلت ہے _
4) فقہ میں دو قسم كی ولایت پائي جاتی ہے_
الف:محجور و عاجز افراد پر ولایتب : مومنین كے اجتماعی امور كی سرپرستي
5) وہ ولایت جو قرآن كریم میں رسول خدا (ص) اور اولی الامر كیلئے ثابت ہے اور ان كی پیروی میں فقیہ عادل كیلئے بھی ثابت ہے ولایت كی یہی دوسری قسم ہے_
6) ان دو قسم كی ولایت كے درمیان اشتباہ اور دوسری قسم كی ولایت كے وجود سے غفلت سبب بنی ہے كہ بعض افراد نے ولایت فقیہ كو اس ولایت كی قسم سمجھا ہے جو محجور اوربے بس افراد پر ہوتی ہے_

سوالات:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

1) ولايت فقيه كا اصطلاحى معنى ولايت كے كونسے لغوى معنى كے ساتھ مناسبت ركھتاہے ؟
2)اس سے كيا مراد ہے كہ فقيہ عادل كى ولايت ايك" امر اعتبارى "ہے ؟
3) ولايت تكوينى سے كيا مراد ہے ؟
4) ولايت فقيہ اور ائمہ معصومين كى ولايت ميں كيا فرق ہے ؟
5) محجور افراد پر ولايت سے كيا مراد ہے؟

سولہواں سبق :

فقيہ كى وكالت اور نظارت كے مقابلہ ميں ولايت انتصابي

اس سبق كا مقصد اس امر كى مزيد وضاحت كرنا ہے كہ" فقيہ كى ولايت انتصابى سے كيا مراد ہے"؟ اوران لوگوں كے اس نظريہ كے ساتھ اس كا كيا فرق ہے جو "ولايت فقيہ" كى بجائے "وكالت فقيہ "كے قا ئل ہيں يعنى فقيہ لوگوں كا وكيل ياوہ حكومتى امور پرنظارت كہنے والا ہے _ اس سے ولايت فقيہ كى بحث ميں محل نزاع كے واضح ہونے ميں مدد ملے گى ليكن اس بحث ميں داخل ہونے سے پہلےان غلط فہميوںكى طرف اشارہ كرديا جائے جو ولايت فقيہ كے معنى كے متعلق پائي جاتى ہيں _وہى غلط فہمى جس كى طرف گذشتہ سبق كے آخر ميں ہم اشارہ كرچكے ہيں _ فقيہ كى سياسى ولايت كے بعض مخالفين اس بات پر مصرہيں كہ ولايت فقيہ ميں "ولايت" كاوہ معنى كيا جائے جو دوسرے سياسى نظاموں ميں موجود سياسى اقتدار اور قانونى حاكميت سے بالكل مختلف ہے_ گويا اس نظام ميں سياسى اقتدار كى حقيقت مكمل طور پر دوسرے نظاموں كے سياسى اقتدار كى حقيقت سے مختلف ہے _اس فكر اور نظريہ كا منشاو سرچشمہ فقيہ كى ولايت سياسى اور اُس ولايت كو ايك ہى طرح كا قرار دينا ہے جو محجور اور بے بس افراد پرہوتى ہے _وہ يہ سمجھتے ہيں كہ مختلف فقہى ابواب ميں جس ولايت كا ذكر كيا جاتا

ہے وہ ان موارد ميں ہوتى ہے جن ميں " مولّى عليہ" (جس پر ولايت ہو)محجور ،بے بس اور عاجز ہو پس ان لوگوں نے سياسى ولايت كو بھى اسى قسم كى ولايت خيال كيا ہے اور اس بات كے قائل ہوئے ہيں كہ فقيہ كى ولايت عامہ كا معنى يہ ہوا كہ معاشرہ كے افراد محجور وبے بس ہيں اور انھيں ايك ولى اور سرپرست كى ضرورت ہے_ لوگ رشد وتشخيص دينے سے قاصر ہيں اور اپنے امور ميں ايك سرپرست كے محتاج ہيں اس نظريہ كے حاميوں ميں سے ايك كہتے ہيں :-
ولايت بمعنى "سرپرستي" مفہوم اور ماہيت كے لحاظ سے حكومت اور سياسى حاكميت سے مختلف ہے كيونكہ "ولايت" وہ حق تصرف ہے جو ولى امر "مولّى عليہ " كے مخصوص مال اور حقوق ميں ركھتا ہے _وہ تصرفات جو "مولّى عليہ " عدم بلوغ و رشد اورشعور و عقل كى كمى يا ديوانگى كى وجہ سے اپنے حقوق اور اموال ميں نہيں كرسكتا _جبكہ حكومت يا سياسى حاكميت كا معنى ايك مملكت كوچلانا ہے _
اس قسم كے مطالب دوبنيادى نكات سے غفلت كى وجہ سے بيان كئے جاتے ہيں _
پہلا نكتہ يہ كہ فقہ ميں دو طرح كى ولايت پائي جاتى ہے _ايك وہ ولايت جو معاشرتى امور كى سرپرستى ہے كہ جس كا تعلق حكومت اور انتظامى امور سے ہے اور يہ ولايت اُس ولايت سے بالكل مختلف ہے جو محجور وقاصر افراد پر ہوتى ہے _ولايت كى يہ قسم قرآن كى رو سے رسولخدا (ص) اور اولى الامركيلئے ثابت ہے _كيا رسولخدا (ص) كا مسلمانوں كے ولى امر ہونے كا مطلب يہ ہے كہ صدر اسلام كے مسلمان محجوروعاجز تھے؟ اور اس دور كى ممتازاور سركردہ شخصيات ناقص تھيں ؟جيسا كہ كئي بار وضاحت كى گئي ہے كہ ولايت فقيہ وہى ائمہ معصومين كى ولايت كى ايك قسم ہے البتہ اس فرق كے ساتھ كہ ائمہ معصومين كى ولايت اس اعتبارى ولايت ميں منحصر نہيں ہے- بلكہ ائمہ معصومين مقامات

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

معنوی اور تمام ترولایت و خلافت الٰہیہ کے بھی حامل

ہیں _
دوسرانکتہ یہ کہ روایات کی روسے امام قیّم و سرپرست ہو تا ہے _ولایت اور امامت کے عظیم عہدہ کے فلسفہ کے متعلق فضل ابن شاذان امام رضا سے روایت نقل کرتے ہیں جس میں امام کو دین خدا کے نگران اور قیّم،احکام الٰہی کے محافظ اور بدعتی و مفسد افراد کا مقابلہ کرنے والے کے طور پر متعارف کروایاگیا ہے _روایت کے الفاظ یہ ہیں :
"انہ لولم یجعل لهم اماماً قیّماً اميناً حافظاً مستودعاً ،لدرست الملّة وذهبت الدين وغيّرت السّنن ...فلولم يجعل لهم قيّماحافظاً لما جاء بہ الرسول (ص) لفسدوا" (1)
اگر خداوند متعال لوگوں کیلئے سرپرست، دین کا امین ، حفاظت کرنے والااور امانتوں کا نگران امام قرار نہ دیتا تو ملت کا نشان تك باقی نہ رہتا، دین ختم ہوجاتا اور سنتیں تبدیل ہوجاتیں ... پس اگر خدا ،رسول اکرم (ص) کے لائے ہوئے دین کیلئے کسی کو سرپرست اور محافظ نہ بناتا تو لوگ اس دین کو تباہ کردیتے_
اس قسم کی روایات میں موجود لفظ "قیّم "سے مراد وہ سرپرستی نہیں لی جا سکتی جو باپ اور ولی کو چھوٹے بچے یا کم شعور پر حاصل ہوتی ہے _کیونکہ قرآن اور روایات کی اصطلاح میں" قیّم "اس چیز یا اس شخص کو کہتے ہیں جو خود بھی قائم ہو اور دوسروں کے قوام کا ذریعہ ہو_اسی لئے قرآن کریم میں دین اور کتاب خدا کو اس صفت کے ساتھ متصف کیا گیا ہے _سورہ توبہ کی آیت 36 میں ارشاد ہو تاہے:
"ذلك الدين القيم "یہی دین قیم ہے_

1) بحارالانوار ج6 ، صفحہ 60 ، حدیث 1_

سورہ روم کی آیت 43 میں ہے:
"فاقم وجهك للدّين القيّم "
آپ اپنے رخ کو دین قیم کی طرف رکھیں_
سورہ بینہ کی آیت 2 اور 3 میں ہے:
"رسولٌ من الله يتلوا صحفاً مطهّرة *فيها كتب قيّمة"
اللہ کی طرف سے رسول ہے جو پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرتا ہے _ جن میں کتب قیمة ہیں_
امام اور اسلامی معاشرہ کا سرپرست اس معنی میں لوگوں کا قیّم ہے کہ وہ ان کیلئے مایہ انسجام اور زندگی کا سہارا ہو تا ہے _قرآن اور روایت میں استعمال ہونے والے لفظ "قیّم "کو اس معنی میں نہیں لیاجاسکتا جو فقہی کتب میں محجور وبے کس افراد کی سرپرستی کیلئے استعمال ہو تا ہے _بنابریں ولایت فقیہ کے منکرین کے اس گروہ کویہی غلط فہمی ہوئي ہے کہ انہوں نے فقیہ کی ولایت کو اسی قسم کی سرپرستی سمجھاہے جو محجور و قاصر افراد پرہو تی ہے (1)_

ولایت انتصابی اور وکالت ونظارت میں فرق
ولایت فقیہ کی بحث کا بنیادی اور اصلی محور یہ ہے کہ کیا ائمہ معصومین کی طرف سے فقیہہ عادل کو امت پر ولی نصب کیا گیا ہے ؟مسلم معاشرے کے سیاسی اور اجتماعی امور کی دیکھ بھال، احکام کے اجرا اور امام معصوم کی نیابت کا اہم ترین فریضہ ادا کرنے کیلئے فقیہ کا امام کی طرف سے مقام ولایت پر منصوب ہونا درحقیقت ولایت فقیہ کی اصلی و بنیادی مباحث میں سے ہے _"ولایت انتصابي" کے معنی کی مزید وضاحت کیلئے ضروری ہے کہ "ولایت انتخابي" یا "وکالت فقیہ" سے اس کے فرق کی تحقیق کی جائے _جس طرح اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ" ولایت فقیہ" اور"نظارت فقیہ" میں کیا فرق ہے _

1) مزیدتفصیل کیلئے کتاب'' حکومت دیني'' صفحہ177تا185کی طرف رجوع کیجئے_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

زمانہ غیبت میں عادل اور جامع الشرائط فقیہ امام زمانہ(عجل اللہ فرجہ الشریف) کا نائب اور آپ کی طرف سے اسلامی معاشرہ کا منتظم و نگران ہو تا ہے _فقیہ عادل آپ کی طرف سے لوگوں پر ولایت رکھتا ہے یہ "ولایت"، "وکالت" سے جدا ايك عہدہ ہے _فقیہ کی "ولایت انتصابي" اور "ولایت انتخابی "میں بنیادی فرق اسی نکتہ میں پوشیدہ ہے _"ولایت انتخابي" کے نظریہ کی بنیاد پر لوگ انتخاب اور بیعت کے ذریعہ فقیہ کو "ولایت" عطا کرتے ہیںگویا کہ لوگوں کا منتخب شدہ شخص ان کا وکیل اور مملکت کے انتظامی امور کا سرپرست ہو تا ہے_ لیکن فقیہ کی "ولایت انتصابی "کے نظریہ کی بنیاد پر فقیہ عادل لوگوں کا وکیل نہیں ہوتابلکہ اسے یہ منصب شرعی دلیلوں اور امام کے منصوب کرنے سے حاصل ہو تا ہے _اور لوگوں کا اسے تسلیم کرنا اور اسکی مدد کرنا،اسکے "منصب اور ولایت" میں کوئي بنیادی کردار ادا نہیں کرتا_بلکہ ولایت کو بروئے کار لانے اور اس کے اختیارات کے عملی ہونے میں مددگار ثابت ہو تا ہے دوسرے لفظوں میں لوگوں کا فقیہ کی ولایت کو قبول کرلینا اسکی ولایت کے شرعی ہونے کا باعث نہیں بنتا_بلکہ لوگوں کی طرف سے حمایت اور ساتھ دینے سے اس کی مقبولیت اور خارجی وجود کا اظہار ہوتاہے _

"ولایت انتصابی "کی حقیقت مکمل طورپر"حقیقت وکالت "سے بھی مختلف ہے _وکالت میں ايك مخصوص شخص یعنی وکیل ايك خاص مورد میں ايك دوسرے شخص یعنی "موکل" کی جگہ پر قرار پاتا ہے اور اس کی طرف سے عمل انجام دیتا ہے _اصل اختیار موکل کے ہاتھ میں ہوتا ہے وکیل انہی اختیارات کی بنیاد پر کام کرتا ہے جو ايك یا چند موکل اسے دیتے ہیں _جبکہ ولایت میں ایسا نہیں ہوتا _حتی کہ اگر امام معصوم بھی ايك شخص کو وکیل اور دوسرے کو ولایت کے مقام پر منصوب فرمائیںتو ان دونوں کی حقیقت وحیثیت بھی ايك جیسی نہیں ہوتي_آیت اللہ جوادی آملی اس بار ے میں کہتے ہیں :

145

"ولایت" اور" وکالت" میں فرق ہے_ کیونکہ وکالت "موکل" کے مرنے سے ختم ہوجاتی ہے لیکن ولایت میں ایسا نہیں ہوتا یعنی اگر امام معصوم کسی کو کسی امر میں اپنا وکیل قرار دیتے ہیں تو امام کی شہادت یا رحلت کے بعد اس شخص کی وکالت ختم ہوجاتی ہے_ مگر یہ کہ بعد والے امام اس کی وکالت کی تائید کر دیں_ لیکن ولایت میں ایسا نہیں ہوتا مثلا اگر امام کسی کو منصوب کرتے ہیں اور وہ آپ (ع) کی طرف سے کسی موقوفہ پر ولایت رکھتا ہو تو امام کی شہادت یا رحلت کے بعد اس شخص کی ولایت ختم نہیں ہوگی _ مگر یہ کہ بعد والے امام اس کو ولایت سے معزول کردیں_(1)

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ" ولایت فقیہ "،"نظارت فقیہ "سے مختلف ہے _ ولایت کا تعلق نظام کے چلانے اور اجراسے ہے_ ولایت اسلامی معاشرہ کے اہم ترین اور مختلف مسائل اور انتظامی امور کو اسلامی موازین اور قواعد کے مطابق حل کرنے کو کہتے ہیں_ جبکہ نظارت ايك قسم کی نگرانی ہے اور اجرائي عنصرکی حامل نہیں ہوتی _ زمانہ غیبت میں سیاسی تفکر میں محل نزاع "فقیہ عادل کیلئے ولایت کا اثبات" ہے جبکہ" نظارت فقیہ" موافقین اور مخالفین کے درمیان محل نزاع و بحث نہیں ہے اصلی نزاع اور جھگڑا اس میں ہے کہ کیا فقیہ عادل کو شریعت کی طرف سے ولایت پر منصوب کیا گیا ہے یا نہیں؟ لہذا اس باب میں فقہی بحث کا محور ہمیشہ "ولایت فقیہ" رہا ہے نہ کہ "نظارت فقیہ"_

فقیہ کی "ولایت انتصابی "کے نظریہ کی بنیاد پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ جامع الشرائط فقیہ کیلئے یہ ولایت کس طرح محقق ہوتی ہے؟

1) ولایت فقیہ صفحہ 395_

146

کیا ہر عادل اور جامع الشرائط فقیہ "شان ولایت" رکھتا ہے یا "بالفعل" اس منصب پر فائزہے ؟

حق یہ ہے کہ اگر" ولایت فقیہ "پر روایات کی دلالت صحیح ہو تو پھر ہر "جامع الشرائط فقیہ " کیلئے منصب "ولایت" ثابت ہے_ اور یہ عہدہ " اہل حل و عقد "کے انتخاب یا رائے عامہ جیسے کسی اور امر پر موقوف نہیں ہے_ پس ولایت فقیہ کی ادلّہ کی روسے فقیہ عادل بالفعل ولایت کا حامل ہے _ جس طرح ہر فقیہ عادل بالفعل منصب قضا کا حامل ہوتا ہے اور جھگڑوں کا فیصلہ کر سکتا ہے_

یاد رہے کہ تمام "و اجدالشرائط فقہاء "جو کہ" منصب ولایت "کے حامل ہیں براہ راست معاشرے کے امور کی نگرانی کے عہدہ پر فائز نہیں ہوسکتے _ جس طرح ايك کیس کے سلسلہ میں تمام قاضی فیصلہ نہیں دے سکتے _ واضح سی بات ہے کہ جب ايك "جامع الشرائط فقیہ" امور کی سرپرستی اپنے ذمہ لے لیتا ہے تو باقی فقہا سے یہ ذمہ داری ساقط ہوجاتی ہے _ بنابریں ايك فقیہ عادل کو اہل حل و عقد کا منتخب کرنا یا عوام کا اسے تسلیم کر لینا دوسرے فقہاء سے منصب ولایت کو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

سلب نہيں كرتا بلكہ جب تك ايك فقيہ عادل امور كى سرپرستى كر رہا ہے تو دوسروں سے يہ ذمہ دارى ساقط ہے_

147

خلاصہ :

1) جوافراد ولايت فقيہ كو اس ولايت كى قسم سمجھتے ہيں جو محجور و بے كس افراد پر ہوتى ہے وہ ولايت كى قانونى حقيقت و ماہيت كو دوسرے سياسى اقتدار كى قانونى حقيقت سے مختلف قرار ديتے ہيں_
2) اس نظريہ كے قائلين "فقيہ كى ولايت عامہ "كو لوگوں كے كم شعور اور بے بس ہونے كا لازمہ سمجھتے ہيں_
3) اس نظريہ كے قائلين اس سے غافل رہے ہيں كہ اسلامى معارف ميں لفظ ولايت كے مختلف استعمال ہيں_
4) روايات ميں امام كومعاشرہ كا قيّم كہا گيا ہے_ اور ان روايات ميں "قيم"،" ذريعہ حيات و قوام " كے معنى ميں استعمال ہوا ہے_ جس معنى ميں قرآن نے دين اور آسمانى صحيفوں كو" قيّم "كہا ہے_
5) "ولايت انتصابى "مكمل طور پرلوگوں كى طرف سے "ولايت انتخابي" اور "وكالت فقيہ " كے نظريہ سے مختلف ہے_
6) ولايت انتصابى ايك قانونى حقيقت ہونے كے لحاظ سے وكالت كى ماہيت سے مختلف ہے_
7)" ولايت فقيہ "حاكميت اور امور كى سرپرستى كے معنى ميںہے لہذا" نظارت فقيہ " سے واضح فرق ركھتى ہے_
8) ولايت فقيہ كى ادلّہ كى رو سے يہ ولايت بالفعل ہر جامع الشرائط فقيہ كو حاصل ہے _ يعنى ہر فقيہ عادل امام كى طرف سے منصوب ہوتا ہے اور اس كى ولايت شرعى ہوتى ہے_

148

سوالات :

1) كيا ولايت فقيہ كى قانونى حقيقت دوسرى حكومتوں كے سياسى اقتدار سے مختلف ہوتى ہے؟
2) وہ افراد جو ولايت فقيہ كو وہ ولايت سمجھتے ہيں جو محجور افراد پر ہوتى ہيں_ انہوں نے كن نكات سے غفلت كى ہے؟
3) فقيہ كى "ولايت انتصابى "،"وكالت فقيہ "سے كيا فرق ركھتى ہے؟
4) كيا ولايت فقيہ اور نظارت فقيہ ايك ہى چيز ہے؟
5) ولايت فقيہ كى ادلّہ كى روسے جامع الشرائط فقيہ كيلئے كس قسم كى ولايت ثابت كى جاسكتى ہے؟

اسلامى نظريہ حكومت

149

ستر ہواں سبق :

ولايت فقيہ كى مختصر تاريخ (1)

ولايت فقيہ كى ابتداء آغاز فقہ سے ہى ہوتى ہے_ فقہ اور اجتہاد كى ابتدائ تاريخ سے ہى فقيہ كى بعض امور ميں ولايت كا اعتقاد پايا جاتا ہے _ اس وجہ سے اسے" فقہ شيعہ" كے مسلّمات ميں سے سمجھا جاسكتا ہے_ ولايت فقيہ كے متعلق جو شيعہ علماء ميں اختلاف پاياجاتا ہے_ وہ اس كى حدود وقيود اور اختيارات ميں ہے نہ كہ اصل ولايت فقيہ ميں_
قضاوت اور امور حسبيّہ(1) جيسے امور ميں فقيہ عادل كى ولايت پر سب متفق ہيں_جبكہ اس سے وسيع تر امورميں اختلاف ہے_ يعنى معاشرہ كے سياسى اور انتظامى امور ميں فقيہ ولايت ركھتا ہے يا نہيں ؟ اسے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

1) امور حسبیّہ سے مراد وہ امور ہیں جن کے چھوڑ دینے پر شارع مقدس کسی صورت میں بھی راضی نہیں ہے مثلاً بچوں ، دیوانوں اور بے شعور افراد کی سرپرستی _لفظ ''حسبہ' کے معنی اجر اور ثواب کے ہیں _ عام طور پر اس کا اطلاق ان امور پر ہوتا ہے جو اخروی اجر و ثواب کیلئے انجام دیئے جاتے ہیناور کبھی قربت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے _وہ کام امور حسبیّہ میں شمار ہوتے ہیں جنہیں قربت خدا کیلئے انجام دیا جاتا ہے یا در ہے کہ امور حسبیّہ واجبات کفائي نہیں ہیں _ کیونکہ واجبات کفائي ان امور کو کہتے ہیں جنہیں ہر شخص انجام دے سکتا ہے اور بعض کے انجام دینے سے دوسروں سے ساقط ہوجاتے ہیں جبکہ امور حسبیّہ میں تصرف کا حق یا تو صرف فقیہ عادل کے ساتھ مخصوص ہے یا پھر کم از کم فقیہ عادل کے ہوتے ہوئے دوسرے حق تصرف نہیں رکھتے _

150

"ولایت عامہ فقیہ" یا "معصومین کی نیابت عامہ" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے_ فقیہ کی ولایت عامہ سے مراد یہ ہے کہ فقیہ عادل نہ صرف اجرائے احکام ، قضاوت اور امور حسبیّہ میں امام معصوم کا نائب ہے بلکہ امام کی تمام قابل نیابت خصوصیات کا بھی حامل ہو تا ہے_

ولایت فقیہ کے بعض مخالفین یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ شیعہ فقہ کی تاریخ میں ولایت عامہ فقیہ کی بحث ایك نئي بحث ہے جو آخری دو صدیوں میں منظر عام پر آئي ہے جبکہ شیعہ فقہ کی طویل تاریخ میں اس سے پہلے اس کا کوئي وجود نہیں ملتا حالانکہ فقاہت تشیع کے تمام ادوار میں اس نظریہ کے قابل اعتبار قائلین موجود رہے ہیں بلکہ بعض بڑے بڑے شیعہ علماء و فقہاء نے اس کے متعلق فتوے بھی دیئے ہیں اور بعض علماء نے اس کے متعلق اجماع کادعوی بھی کیا ہے_ یہاں ہم صرف تین بزرگ فقہاء کے کلام کی طرف اشارہ کرتے ہیں_

دسویں صدی کے عظیم شیعہ فقیہ جناب محقق کر کی جامع الشرائط فقیہ کیلئے امام کی نیابت عامہ کو اجماعی اور متفق علیہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں : اس ولایت کا نہ ہونا شیعوں کے امور کے معطل ہونے کا باعث بنتا ہے_(1)

عظیم کتاب "جواہر الکلام" کے مصنف اور نامور شیعہ فقیہ شیخ محمد حسن نجفی امر بالمعروف کی بحث کے دوران امام معصوم کے تمام مناصب میں فقیہ عادل کی نیابت کو شیعہ علماء کے نزدیك ایك مسلّم حقیقت سمجھتے ہیں _ ان کا کہنا ہے کہ فقیہ کی ولایت عامہ سے انکار شیعوں کے بہت سے امور کے معطل ہونے کا باعث بنتا ہے_ اور جنہوں نے فقیہ کی ولایت عامہ کا انکار یا اس میں شك کیا ہے انہوں نے نہ تو فقہ کے مزہ کو چکھا ہے اور نہ ہی معصومین کے کلام کے رموز کو سمجھا ہے(2)_آپ فرماتے ہیں:

1) رسائل محقق کرکی جلد 1 ، صفحہ 142، 143_ رسالة فی صلاة الجمعة_
2) آپ کی آنے والی عبارت کا ترجمہ بھی تقریبا یہی ہے (مترجم)

151

ثبوت النیابة لہم فی کثیر من المواضع علی وجہ یظہر منہ عدم الفرق بین مناصب الامام اجمع ، بل یمکن دعوی المفروغیة منہ بین الاصحاب، فانّ کتبہم مملوء ة بالرجوع الی الحاکم ، المراد منہ نائب الغیبة فی سائر المواضع ... لو لا عموم الولایة لبقی کثیر من الامور المتعلّقة بشیعتہم معطّلة _ فمن الغریب وسوسة بعض الناس فی ذلک بل کانّہ ما ذاق من طعم الفقہ شیئاً، و لا فہم من لَحن قولہم و رموزہم امراً(1)

فقیہ متبحر آقا رضا ہمدانی فقیہ عادل کیلئے امام کی نیابت اور جانشینی کے مسلّمہ ہونے کے متعلق یوں فرماتے ہیں:

زمانہ غیبت میں اس قسم کے امور (وہ امور عامہ جن میں ہر قوم اپنے رئیس کی طرف رجوع کرتی ہے) میں جامع الشرائط فقیہ کے امام کے جانشین ہونے میں شك و تردید معقول نہیں ہے جبکہ علماء کے اقوال بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کیونکہ ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات امور مسلّمہ میں سے ہے اور یہ بات اس قدر واضح تھی کہ بعض علماء نے تو امام کی طرف سے فقیہ کی نیابت عامہ کی دلیل "اجماع" کو قرار دیا ہے_(2)

ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ فقہ شیعہ کے طول تاریخ میں زمانہ قدماء سے لیکر آج تك علمائ" فقیہ کی ولایت

1) جواہر الکلام فی شرح شرائع الاسلام جلد 21، صفحہ 396، 397_
2) مصباح الفقیہ جلد 14، صفحہ 291 کتاب الخمس _

152

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

عامہ" کے معتقد رہے ہیں اور عظیم فقہاء نے اسی کے مطابق فتوے دیئے ہیں_ بہتر ہے کہ ہم یہاں مختلف ادوار کے علماء کے اقوال ذکر کر دیں_
محمد ابن نعمان بغدادی متوفی 413ھ جو کہ شیخ مفیدرحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں اور شیعوں کے بہت بڑے فقیہ شمار ہوتے ہیں_ مخالفین کے اس ادعا کو نقل کرنے کے بعد کہ اگر امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی غیبت اسی طرح جا ری رہی تو حدود الہی کا اجرا کسی پر واجب نہیں ہے_ کہتے ہیں:
فأما إقامة الحدود فهو إلى سلطان الاسلام المنصوب من قبَل الله تعالى و ہم ائمة الہُدی من آل محمد(ص) و من نصبوہ لذلك من الأمراء والحكام ، و قد فَوَّضوا النظرَ فيہ إلى فقہاء شیعتہم مع الامکان ...(1)
حدود الہی کا اجرا حاکم شرعی کا کام ہے _ وہ حاکم شرعی جسے خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو اور وہ ائمہ اہلبیت ہینیا وہ افراد جنہیں ائمہ معصومین حاکم مقرر کردیں اور ممکنہ صورت میں انہوں نے یہ کام اپنے شیعہ فقہا کے سپرد کر رکھا ہے_
اس عبارت میں شیخ مفید حدود الہی کا اجرا اسلام کے حاکم کی ذمہ داری قرار دیتے ہیں نہ کہ قاضی کی لہذا ان کا اس بات کی تاکید کر نا کہ یہ کام جامع الشرائط فقیہ کی خصوصیات میں سے ہے فقیہ کی ولایت عامہ کی دلیل ہے _ کیونکہ صرف حاکم شرع ہی حدود الہی کو جاری کرسکتا ہے_ یہ بات درج ذیل دو روایات کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے_
"عن حفص بن غیاث قال : سألت اباعبداللہ (علیہ السلام)

1) المقنعہ صفحہ 810، کتاب الامر بالمعروف و النہی عن المنکر _

قلت: من یقیم الحدود؟ السلطان او القاضي؟ فقال:" اقامۃ الحدود الی من الیہ الحکم_" (1)
حفص ابن غیاث کہتے ہیں : میں نے امام صادق سے پوچھا : حدود الہی کون جاری کرے گا؟ سلطان یا قاضي؟ فرمایا حدود کا اجرا حاکم کا کام ہے_
انّ علیّاً (ع) قال :" لا یصلح الحکم و لا الحدود و لا الجمعۃ الاّ بامام" (2)
امیرالمؤمنین نے فرمایا حکومت ، حدود اور جمعہ کی ادائیگی امام کے بغیر صحیح نہیں ہیں_
حمزہ ابن عبدالعزیز دیلمی (متوفی 448_463)جو کہ سلار کے لقب سے مشہور ہیں کہتے ہیں:
قد فوّضوا إلى الفقہاء إقامة الحدود والاحکام بین الناس بعد أن لا یتعدّوا واجباً و لا یتجاوزوا حداً و امروا عامة الشیعة بمعاونة الفقہاء على ذلك(3)
یہ کام فقہاء کو سونپا گیا ہے کہ وہ حدود الہی کو قائم کریں اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں_ وہ نہ واجب سے آگے بڑھیں اور نہ حد سے تجاوز کریں اور عام شیعوں کو اس سلسلہ میں فقہاء کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا ہے_
اس فتوی کے مطابق حدود اور احکام الہی کا اجرا جو کہ" سیاسی ولایت" کی خصوصیات میں سے ہے اور "ولایت قضائي" سے وسیع تر ایک امر ہے_ شیعہ فقہا کے سپرد کیا گیا ہے اور ائمہ معصومین لوگوں سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اس سلسلہ میں فقہاء کی مدد کریں_

1) وسائل الشیعہ جلد 18ص220_
2) المستدرک جلد 3 صفحہ 220_
3) المراسم النبویۃص 261_

عظیم فقیہ ابن ادریس حلّی (متوفی 598ھ ق) معتقد ہیں کہ جامع الشرائط فقیہ کو احکام الہی اور شرعی حدود کے اجرا کی ذمہ داری لینی چاہیے یہ ولایت "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کی ایک قسم ہے اور یہ ہر "جامع الشرائط" کی ذمہ داریہے_ حتی کہ اگر اسے فاسق و فاجر حاکم کی طرف سے بھی مقرر کیا جائےتب بھی وہ در حقیقت" امام معصوم اور ولی امر "کی طرف سے مقرر کردہ ہے_ حدود الہی کا اجرا صرف امام معصوم کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ ہر حاکم کا وظیفہ ہے _پس مختلف شہروں میں امام کے نائبین بھی اس حکم میں شامل ہیں(1)_
ابن ادریس حلّي، سید مرتضی ، شیخ طوسی اور دوسرے بہت سے علماء کو اپنا ہم خیال قرار دیتے ہیں_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"و علیہ (العالم الجامع للشرائط)متی عرض لذلك ا ن یتولّاہ (الحدود)لکون ہذہ الولایة امراً بمعروف و نہیاً عن منکر، تعیّن غرضہما بالتعریض للولایة علیہ و ہو ان کان فی الظاہر من قبل المتغلّب ،فہو فی الحقیقة نائب عن ولی الامر (عج) فی الحکم ... فلا یحلّ لہ القعود عنہ ... و اخوانہ فی الدین ماmorون بالتحاکم و حمل حقوق الاموال الیہ و التمکن من انفسہم لحدّ او تادیب تعیّن علیہم ..."
"و ما اخترناہ اوّلا ہو الذی تقتضیہ الادلّة ،و ہو اختیار السید المرتضی فی انتصارہ و اختیار شیخنا ابوجعفر فی مسائل خلافہ

1) آپکی آنے والی عبارت کا ترجمہ تقریبا یہی ہے (مترجم)

و غیرہما من الجلّة المشیخة ... الشائع المتواتر ان للحکام اقامة الحدود فی البلد الذی کل واحد منہم نائب فیہ من غیر توقف فی ذلك"(1)
دسویں صدی کے عظیم فقیہ محقق کرکی (متوفی 940ق)فقیہ عادل کے امام معصوم کے تمام قابل نیابت امور میں امام کے نائب ہونے پر اصرار کرتے ہیں اور اسے تمام علماء کا متفق الرا ے حکم قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:
اتَّفَقَ أصحابنا (رضوان الله علیہم) علی أنّ الفقیہ العدل الإمامی الجامع لشرائط الفتوی المعبّر عنہ بالمجتہد فی الأحکام الشرعیة نائب من قبَل ائمة الہُدی (صلوات الله علیہم) فی حال الغَیْبة فی جمیع ما للنّیابة فیہ مدخل ... والمقصود من ہذا الحدیث ہنا أنّ الفقیہ الموصوف بالأوصاف المعیّنة منصوب من قبَل أئمّتنا نائب عنہم فی جمیع ما للنّیابة فیہ مدخل بمقتضی قولہ (ع) : " فإنّی قد جعلتہ علیکم حاکماً" و ہذہ استنابة علی وجہ کلّي"
ہمارے تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ وہ شیعہ عادل فقیہ جو فتوی دینے کی صلاحیت رکھتا ہو کہ جسے احکام شرعیہ میں مجتہد سے تعبیر کیا جاتا ہے، زمانہ غیبت میں ان تمام امور میں ائمہ ہدی کا نائب ہوتا ہے جو نیابت کے قابل ہیں ... حدیث معصوم (کہ میں نے اسے تم پر حاکم قرار دیا ہے) سے مراد یہ ہے کہ وہ فقیہ جو

1) السرائر، جلد 3 ، صفحہ 538، 539و546_

مذکورہ صفات کا حامل ہو _ ائمہ کا مقرر کردہ نائب ہے ان تمام امور میں جو قابل نیابت ہیں اور یہ نیابت کلی اور عام ہے_(1)
شیخ جعفر کاشف الغطاء کے فرزند شیخ حسن کاشف الغطا (متوفی 1262ھ ق)اپنی کتاب "انوار الفقاہہ" (جو کہ خطی نسخہ ہے)میں فقیہ کی " ولایت عامہ" کو صراحتاً ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں : فقیہ کی ولایت صرف قضاوت تك محدود نہیں ہے اور اس بات کی نسبت فقہا کیطرف دیتے ہوئے فرماتے ہیں:
"ولایة الحاکم عامّة لکلّ ما للإمام ولایة فیہ لقولہ (ع) : " حجّتی علیکم" و قولہ (ع) : " فاجعلوہ حاکماً" حیث فہم الفقہاء منہ انّہ بمعنی الوليّ المتصرّف لا مجرّد أنّہ یحکم فی القضایٴ"
حاکم (فقیہ جامع الشرائط) کو ان تمام امور میں ولایت حاصل ہے جن میں امام (ع) کو ولایت حاصل ہوتی ہے کیونکہ امام (ع) فرماتے ہیں: "یہ تم پر میری طرف سے حجت ہیں"_ نیز فرمایا: "اسے (فقیہ کو)حاکم قرار دو" _ اس سے فقہا نے یہی سمجھا ہے کہ یہاں مراد" ولی متصرف "ہے نہ کہ صرف قضاوت کرنے والا_
انوار الفقاہہ کے مصنف کی ولایت عامہ پر ایك دلیل یہ ہے کہ ولایت کے سلسلہ میں نائب خاص اور نائب عام میں کوئی فرق نہیں ہے _ یعنی اگر امام معصوم کسی شہر میں ایك نائب خاص مقرر کرتے ہیں مثلا مالك اشتر کو مصر کیلئے ،یا غیبت صغری میں نوّاب اربعہ کو، تو ان کی ولایت صرف قضاوت میں منحصر نہیں ہوتی بلکہ حدود الہی کا اجراء ،شرعی مالیات کی وصولی ، جھگڑوں کا فیصلہ ، امورحسبیّہ کی سرپرستی ، اور مجرموں کو سزا دینا، سب اس میں شامل ہیں_ پس غیبت کبری کے زمانہ میں بھی امام معصوم کی نیابت عمومی ہوگی اور ان تمام امور کی ذمہ داری فقیہ عادل پر ہوگی _

1) ر سائل محقق کرکي، جلد 1 ،ص 142، 143 (رسالة صلوة الجمعہ)_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

خلاصہ:

1) اصل " ولایت فقیہ" شیعہ فقہ کے مسلّمات میں سے ہے اگر چہ اس ولایت کے دائرہ اختیار میں اختلاف ہے _
2)بڑے بڑے شیعہ فقہا نے فقیہ کی ولایت عامہ پر اجماع کا دعوی کیا ہے_ جبکہ بعض مخالفین اسے ایك نیا اور جدید مطلب سمجھتے ہیں_
3) بعض فقہا کا اس پر اصرار کہ حدود الہی کا اجرا فقیہ عادل کا کام ہے_ "فقیہ کی ولایت عامہ "کی دلیل ہے_
4)بعض روایات حدود الہی کے اجرا کو سلطان اور حاکم کی خصوصیات قرار دیتی ہیں نہ قاضی کی _
5)بعض فقہا صریحاً کہتے ہیں : نائب عام (زمانہ غیبت میں فقیہ عادل)اور نائب خاص (مثلا مالك اشتر اور محمد ابن ابی بکر) کی ولایت کے دائرہ اختیار میں کوئي فرق نہیں ہے_

سوالات :
1)ولایت فقیہ میں محور اختلاف کیا ہے؟
2)ان تین فقہاء کے نام بتایئےنہوں نے فقیہ کی ولایت عامہ پر اجماع کا دعوی کیا ہے؟
3)فقیہ کی ولایت عامہ پر محقق کرکی نے کس طرح استدلال کیا ہے؟
4)حدود الہی کا اجرا فقیہ عادل کے ہاتھ میں ہے_ یہ نظریہ کس طرح "فقیہ کی ولایت عامہ "کی دلیل ہے؟
5)ولایت فقیہ کے متعلق ابن ادریس حلّی کی کیا را ے ہے؟
6)انوار الفقاہہ کے مصنف ولایت فقیہ کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں؟

اٹھارہواں سبق :

ولایت فقیہ کی مختصر تاریخ(2)

ہمارے فقہا کے کلمات میں حاکم کے جو فرائض اور مختلف اختیارات بیان کئے گئے ہیں وہ قضاوت سے وسیع تر ہیں _ پہلے ہم نمونہ کے طور پر وہ کلمات یہاں ذکر کرتے ہیں_ پھر اس کی وضاحت کریں گے کہ یہاں حاکم سے مراد کیا ہے_
جو شخص اپنے واجب نفقہ کو ادا نہیں کرتا اس کے متعلق محقق حلّی کہتے ہیں:
"إذا دافع بالنفقة الواجبة أجبره الحاكم، فإن امتنع حبسه ..."(1)
جب کوئي شخص نفقہ واجبہ کو ادا نہ کرے تو حاکم اسے مجبور کرے_ اگر پھر بھی وہ انکار کرے تو اسے قید کردے ...
محقق حلی "خیانت کرنے والے وصی کو معزول کرنا"حاکم کی ذمہ داری قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :
"و لو ظهر من الوصيّ عجز ضُمَّ اليه مساعد، وإن ظهر منه خيانة وجب على الحاكم عزله و يقيم مقامه أميناً"(2)

1) شرائع الاسلام جلد 2 ،ص 297_ 298،کتاب النكاح _
2) شرائع الاسلام جلد 2، صفحہ 203، کتاب الوصية_

اگر معلوم ہوجائے کہ وصی عاجز ہے تو اس کیلئے مددگار معین کیا جائیگا اور اگر معلوم ہوجائے کہ وصی نے خیانت کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہے تو حاکم کیلئے ضروری ہے کہ اسے معزول کرکے اس کی جگہ کسی امانتدار آدمی کو وصی مقرر کرے_
شیخ مفید "دیوانوں اور کم عقل افراد کیلئے وکیل معیّن کرنا "حاکم کی ذمہ داری قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:
لحاکم المسلمین ا ن یوکّل لسُفہائہم مَن یطالب بحقوقہم و یحتج عنہم و لہم(1)
مسلمان حاکم کیلئے ضروری ہے کہ وہ سفیہ افرادپر اس شخص کو وکیل مقرر کرے جو ان کے حقوق کا مطالبہ کرتا ہو اور ان کی طرف سے اور ان کے حق میں استدلال کرے_
شیخ مفید حاکم کو" سلطان" اور" ناظر" جیسے الفاظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں_ مثلاًکتاب وصیت میں فرماتے ہیں:
"فإن ظہر من الوصی خیانة کان للناظر فی أُمور المسلمین أن یعزلہ"(2)
پس اگر وصی خیانت کرے تو امور مسلمین کے ناظر کیلئے ضروری ہے کہ اسے معزول کردے_
ذخیرہ اندوز کے متعلق حاکم کی ذمہ داری کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
"وللسلطان أن یکرہ المحتکر علی إخراج غلّتہ و بیعہا فی أسواق المسلمین"(3)

1) المقنعہ، صفحہ 816،کتاب الوکالة_
2) المقنعہ، صفحہ 669_
3) المقنعہ ،صفحہ 616_

سلطان کیلئے ضروری ہے کہ وہ ذخیرہ اندوز کو غلّہ باہر لانے اور اسے مسلمانوں کے بازار میں فروخت کرنے پر مجبور کرے_
قطب الدین راوندی مرحوم متاجرکی بحث میں فرماتے ہیں کہ حاکم کو حق حاصل ہے کہ وہ ذخیرہ اندوز کو غلّہ جات فروخت کرنے پر مجبور کرے_
فإذا ضاق الطعام و لا یوجد إلّا عند مَن احتکرہ ، کان للسلطان أن یُجبرہ علی بیعہ (1)
پس جب غلّہ کی کمی ہو جائے اور ذخیرہ اندوز کے سوا کہیں نہ پایاجاتا ہو تو سلطان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اسے بیچنے پر مجبور کرے_
شیخ حسن کاشف الغطاء کتاب انوار الفقاہہ باب قضا میں لکھتے ہیں : حاکم شرع امام زمانہ -عجل اللہ فرجہ الشریف کی طرف سے تمام انفال اور اموال میں وکیل او ر نائب ہے _ اور اس فتوی پر اجماع کا دعوی کرتے ہیں_ ان کی عبارت یہ ہے_
"و کذا الحاکم الشرعی وکیل عن الصاحب عجل اللہ فرجہ الشریف فیما یعود الیہ من انفالہ و اموالہ و قبضہ قبضہ لمکان الضرورة و الاجماع و ظواہر اخبار النیابة و الولایة"
یہ کلمات اگر چہ حاکم کے فرائض کے متعلق بعض فقہاء شیعہ کی آرا اور فتاوی ہیں_ لیکن اس بات کی بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ سلطان اور حاکم کے اختیارات قاضی کی قضاوت سے وسیع تر ہیں_حاکم قید کرسکتا ہے

1) فقہ القرآن جلد 2، صفحہ 52_

حدود الہی کو جاری کرتا ہے ، کم شعور اور عاجز افراد کے امور کی ذمہ داری لیتا ہے، اور حاکم ہر اس شخص کا ولی ہوتا ہے جس کا کوئي ولی نہ ہو _ اسی لئے ان موقوفات عامہ پر بھی اسے ولایت حاصل ہوتی ہے جن کا کوئي ولّی نہ ہو _ اس کا مال قبض کرناگویا امام معصوم (ع) کا مال قبض کرنا ہے_اس لئے امام معصوم (ع) کے زمانہ میں جن اموال میں تصرف کرنا امامت کی خصوصیات میں سے ہے وہ تصرف زمانہ غیبت میں حاکم کے ہاتھ میں ہوتا ہے_
اب دیکھنا یہ ہے کہ حاکم ، سلطان یا امور مسلمین کے ناظر سے کیا مراد ہے؟ ہمارا دعوی یہ ہے کہ ان اوصاف کے مالک پہلے مرحلہ میں خلفاء الہی یعنی محمد وآل محمد ہیں _ ان کے بعد ان کے خاص نائبین اور ان کے بعد یعنی زمانہ غیبت میں ان کے نائبین عام یعنی جامع الشرائط عادل فقہاء ان اوصاف کے مالك ہیناور یہ بات بڑے بڑے علماء کے اقوال میں وضاحت کے ساتھ بیان کی گئي ہے_
شیخ مفید اسلام کے حاکم اور سلطان کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
"فأمّا اقامة الحدود فہو إلی سلطان الإسلام المنصوب من قبَل اللہ تعالی و ہُم ائمّة الہُدی من آل محمّد(ع) أو مَن نَصَبُوہُ لذلك من

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

الأمراء والحُكّام وقد فوّضوا النظر فيه إلى فقهاء شيعتهم مع الإمكان"(1)
حدود الہی کا اجرا اس اسلامی حاکم کا کام ہے جو خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو _ اور وہ ائمہ اہلبیتہیں_ یا وہ افراد جنہیں یہ حاکم اور والی مقرر کریں اور ممکنہ صورت میں یہ کام انہوں نے اپنے شیعہ فقہاء کے سپرد کیا ہے_
فخر المحققین محمد بن حسن حلی بھی حاکم کی اسی طرح تعریف کرتے ہیں اور اس کی نسبت اپنے والد حسن بن

1) المقنعہ، صفحہ 810_

یوسف المعروف علامہ حلّیَ اور ابن ادریس کی طرف دیتے ہوئے فرماتے ہیں:
المراد بالحاكم ہنا السلطان العادل الا صلى أو نائبہ فإن تعذّر فالفقيہ الجامع لشرائط الفتوي، فقولہ:" فإن لم يكن حاكم" المراد بہ فقد ہؤلاء الثلاثۃ، و ہو اختيار والدى المصنّف و ابن ادريس ...(1)
یہاں پر حاکم سے مراد "خود سلطان عادل "یا اس کا نائب ہے اور اگر یہ نہ ہوں تو پھر فتوی کی شرائط کا حامل فقیہ _ پس مصنف کا یہ قول کہ اگر حاکم نہ ہو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ تینوں نہ ہوں اور اس قول کو میرے والد (یعنی مصنف)اور ابن ادریس نے اختیار کیا ہے_
محقق کرکی بھی لفظ "حاکم "کی یہی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
"والمراد بہ (الحاكم) الإمام المعصوم أو نائبہ الخاصّ، و فى زمان الغيبة النائب العامّ_ و ہو المستجمع لشرائط الفتوى و الحكم ... و لا يخفى أنّ الحاكم حيث أُطلق لا يراد بہ إلاّ الفقيہ الجامع للشرائط"(2)
حاکم سے مراد امام معصوم یا ان کا" نائب خاص "ہے_ اور زمانہ غیبت میں "نائب عام"اورنائب عام سے مراد وہ شخص ہے جو فتوی اورفیصلہ کرنے کی تمام شرائط کا حامل ہو ... مخفی نہیں رہنا چاہیے کہ جب کسی قید وشرط کے بغیر "حاکم" کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد "جامع الشرائط فقیہ" ہی ہوتا ہے_
آخر بحث میں ہم چند مفید نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

1) ایضاح الفوائد جلد 2 ، صفحہ 624 کتاب الوصایا_
2) جا مع المقاصد جلد 11، صفحہ 266، 267کتاب الوصایا_

1_ آخری دو اسباق میں ہماری یہی کوشش رہی ہے کہ" ولایت فقیہ" کی تائید کیلئے زیادہ تر فقہا ء کے اقوال پیش کئے جائیں _ کیونکہ اصلی ہدف اس نکتہ کی وضاحت کرنا ہے کہ" ولایت فقیہ "کا اعتقاد ایك قدیمی بحث ہے نہ کہ ایك نیا مطلب _اس میں کوئي شك نہیں ہے کہ بعد والے فقہاء کے اقوال میں مسئلہ" ولایت فقیہ" کو بالکل شفاف اور واضح صورت میں بیان کیا گیا ہے_ دور حاضر کے عظیم فقہاء جو "فقیہ کی ولایت عامہ" کے قائل ہیں ان میں سے آیت اللہ بروجردی ، آیت اللہ گلپایگانی اور اسلامی جمہوریہ ایران کے بانی امام خمینی قابل ذکر ہیں_(1)
2_اہلسنت نے "الاحکام السلطانیة "کے عنوان سے فقہ سیاسی کے متعلق مستقل بحث کی ہے_ اور فقہ الحکومت اور اس کی جزئیات پر تفصیلی نظر ڈالی ہے_ جبکہ شیعوں نے سیاسی فقہ کے بارے میں اس قدر تفصیلی بحث نہیں کی ہے _ اور اس کی وجہ شیعوں کے خاص سیاسی اور اجتماعی حالات ہیں_فاسق و فاجر حکومتوں کی مخالفت کی وجہ سے شیعوں پر جو سیاسی دباؤ تھا_ اس کی وجہ سے وہ سیاسی فقہ کے متعلق مستقل اور تفصیلی بحث نہیں کر پائے اور نہ ہی گذشتہ فقہا حاکم ، والی امر کا دائرہ اختیارات اور سیاسی فقہ سے مربوط اس قسم کی دوسری مباحث مستقل اور براہ راست کرپائے_ جیسا کہ اس مختصر سی تاریخ میں گذر چکا ہے کہ اس قسم کی مباحث پراگندہ طور پر حدود و دیات ، قضا ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ، نکاح ، وصیت اور مزارعہ کے ابواب میں کی گئي ہیں _ حتی کہ محقق کرکی اور صاحب الجواہر جیسے فقہاء جنہوں نے کھل کر فقیہ کی ولایت عامہ کی حمایت کی ہے_

1) ان تین فقہاء کی آراء درج ذیل کتب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں _
الف: البدر الزاہر فی صلاة الجمعة و المسافر ، تقریرات دروس آیت اللہ حاج آقا حسین بروجردي
ب : الہدایة الی من لہ الولایة ، تقریرات دروس آیت اللہ سید محمد رضاگلپایگاني

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ج : كتاب البيع جلد 2 اور ولايت فقيہ ، امام خميني

164
انہوں نے بھی اس ولایت عامہ اور اس کی جزئیات کے متعلق تفصیلی اور مستقل بحث نہیں کی "ولایت فقیہ "کے متعلق مستقل بحث آخری دو صدیوں میں کی گئي ہے_پہلی دفعہ ملا احمد نراقی (متوفی 1245) نے اپنی کتاب "عوائد الایام "میں "ولایت فقیہ "کے متعلق اچھے خاصے صفحات مختص کئے ہیں_

یہ نکتہ اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ فقیہ عادل کے محدود اختیارات کا ذکر اور حدود کا اجرا، امور حسبیّہ پر ولایت اور معصومین کے ساتھ مخصوص مالی امور مثلا انفال ، خمس اور سہم امام و غیرہ جیسے خاص مواردمیں فقیہ کے نائب امام ہونے پر اصرار کا یہ معنی نہیں ہے کہ فقیہ کی ولایت عامہ پر اعتقاد نہیں ہے_ کیونکہ فقیہ کی ولایت عامہ کے سخت ترین حامیوں نے بھی چند مخصوص موارد کو اپنے مختلف فتاوی کے ذیل میں حاکم کی ذمہ داریوں کے عنوان سے ذکر کیا ہے_پس محدود موارد کا ذکر کرنا فقیہ کی ولایت عامہ کی مخالفت یا عدم موافقت کی دلیل نہیں ہے_ہاں اگر خود فقیہ نے مورد نظر بحث میں ولایت فقیہ کی محدودیت یا عدم ولایت عامہ کی تصریح کی ہو تو پھر اس فقیہ کو اس نظریہ کا مخالف شمار کیا جاسکتا ہے _

3_دوسرے علوم و معارف کی طرح فقہ نے بھی امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ ترقی کی ہے_ سیاسی فقہ نے بھی دوسرے فقہی ابواب کی طرح ارتکائي مراحل طے کئے ہیں_

قدیم علماء کی کتب میں جو معاملات کی فقہی بحث ہے_ وہ بعد والے علماء کی تصانیف سے قابل موازنہ نہیں ہے_ مثلا دقت بحث کے لحاظ سے شیخ انصاری کی کتاب "مکاسب" سے علامہ ، محقق حلی اور شہیدین کی بحث تجارت قابل مقائیسہ نہیں ہیں-_ اسی طرح بعد والے علمائ اصول نے اصول عملیہ اور دلیل عقلی کے متعلق جس طرح دقیق اور علمی بحثیں کی ہیںپہلے والے علماء نے نہیں کی _لہذا بالکل واضح سی بات ہے متاخرین علماء شیعہ کے دور میں سیاسی فقہ پر جو بحث کی گئي ہے وہ سابقہ علماء کی بحث کی نسبت تفصیلی اور زیادہ مفید ہے_

165
لہذا اس تفصیل کو اس بحث کے جدید ہونے کی دلیل قرارنہیں دیا جاسکتا_

4_فقیہ کي" ولایت عامہ" کا انکار اجتماعی امور میں فقیہ کی سرپرستی کے انکار کے مترادف نہیں ہے_ اس مطلب کی وضاحت کیلئے درج ذیل نکات پر توجہ دینا ضروری ہے_

الف _اصل ولایت فقیہ کا کوئي فقیہ بھی منکر نہیں ہے_ ولایت فقیہ شیعہ فقہ کے مسلّمات میں سے ہے_ اختلاف ولایت کے قلمرو اور دائرہ اختیار میں ہے_

ب _ بعض موارد میں" ولایت فقیہ "سے انکار کا معنی یہ ہے کہ ان موارد میں شرعی ادلّہ کی روسے "فقیہ کی ولایت "ثابت نہیں ہوئي _ مثلا فقیہ کی سیاسی ولایت کے منکرین معتقد ہیں کہ ادلّہ روائي کے لحاظ سے امر بالمعروف ، نہی عن المنکر یا حکومت میں فقیہ کی ولایت ثابت نہیں ہے_

ج_ ممکن ہے کسی کام پر از "باب ولایت "فقیہ کو منصوب نہ کیا گیا ہو لیکن اس کام کی سرپرستی فقیہ کی شان ہو نمونہ کے طور پر بعض شیعہ فقہاء کے فتاوی سے استناد کیا جاسکتا ہے کہ وہ امور جو محجور و بے بس افراد کے ساتھ مربوط ہیں_ ان میں فقیہ عادل کی سرپرستی اور تصرف "نصب ولایت" کے باب سے نہیں ہے_ بلکہ" قدرمتقین" کے باب سے ہے_ یعنی دوسروں کی نسبت جواز تصرف کا "فقیہ" زیادہ حق رکھتا ہے_(1)

فقیہ کی سیاسی ولایت (حکومت اور امر و نہی میں ولایت)کے متعلق ممکن ہے کوئي فقیہ، فقیہ کی "انتصابی ولایت" کا معتقد نہ ہو لیکن امور حسبیّہ کے عنوان سے حکومت اور اسلامی معاشرہ کے انتظامی امور میں فقیہ عادل کی سرپرستی کو جائز بلکہ واجب سمجھتا ہو_ آیت اللہ میرزا جواد تبریزی دامت برکاتہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

1) ان فقہا میں سے ايك آيت اللہ خوئي بھی ہیں: التنقیح فی شرح العروۃ الوثقی ، تقریرات آیت اللہ خوئي ، بقلم مرزا علی غروی تبریزی _ باب الاجتہاد و التقلید ص 49 _ 50

166
ولایت فقیہ کے متعلق دو بنیادی نظریے ہیں_ ايك وہ جسے امام خمینی نے اختیا کیا ہے_کہ آپ قرآن و حدیث کے ذریعہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ولايت امر و نہي_ کہ جس سے مراد وہی حکومت و مملکت قائم کرنا ہے_ کو فقيہ کيلئے ثابت کرتے ہيں_
دوسرانظر يہ حسبيّہ ہے جسے آيت الله خوئي تسليم کرتے ہيں_ اس کی بنا پر" فقيہ کی ولايت عامہ" پر ادلّہ عقلی و نقلی کامل نہيں ہيں ليکن معاشرہ ميں کچھ امور ايسے ہوتے ہيں_ جنہيں بے لگام و معطل چھوڑ دينے پر شارع مقدس راضی نہيں ہے_ اور اس ميں کوئي شك نہيں ہے کہ صرف فقيہ ہی ان امور کی سرپرستی کرسکتا ہے يتيموں کی سرپرستی ، بچوں کی سرپرستی و کفالت اور مسلم سرحدوں کی حفاظت امور حسبيّہ ميں سے ہيں_ يہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی نظام کی حفاظت ان سب ميں سے اہم ترين امر ہے_ اسی لئے مومنوں کی جان و مال کی حفاظت کيلئے فوج تيار کرنا اور ان کے امور کی انجام دہی کيلئے ادارے قائم کرنا بہت ضروری ہے_(1)

1) انديشہ حکومت ، شمارہ 2، مرداد 1378 ، صفحہ 4_

خلاصہ :

1)شيعہ فقہا نے فقہی کتب ميں حاکم کے بہت سے فرائض گنوائے ہيں_ اور کبھی اسے "ناظر" اور "سلطان" کے عنوان سے بھی ياد کيا ہے_
2)علماء کے کلمات ميں حاکم کے اختيارات قاضی کے اختيارات اور فرائض سے وسيع تر ہيں_
3)شيخ مفيد پہلے مرحلہ ميں سلطان اور حاکم سے مراد امام معصوم ليتے ہيناور زمانہ غيبت ميں فقيہ عادل_ فخر المحققين نے بھی يہی تعريف کی ہے اور اس تعريف کو علامہ حلّی اور ابن ادريس سے منسوب کيا ہے_
4)ولايت فقيہ کی بحث ہماری فقہ کی تاريخ کے ساتھ ہی شروع ہوتی ہے_ اگر چہ متاخرين کے ادوار ميں اس پر تفصيلی بحث ہوئي ہے_
5)ولايت فقيہ کی مستقل اور جداگانہ بحث محقق نراقی کی کتاب عوائد الايام سے شروع ہوئي ہے اور اس سے پہلے حتی کہ ولايت فقيہ کے سخت حاميوں نے بھی مستقل بحث نہيں کی تھي_
6)ولايت فقيہ کی بحث کا ارتکاء کوئي نئي بات نہيں ہے_ کيونکہ بہت سی اصولی اور فقہی ابحاث نے زمانہ کے ساتھ ساتھ ترقی کی ہے_
7)فقيہ کی "ولايت انتصابي" کا انکار مسلمانوں کے اجتماعی امور مينفقيہ کی سرپرستی کے انکار کے مترادف نہيں ہے_

سوالات :
1) علماء کے اقوال ميں حاکم اور قاضی کے در ميان کيا فرق ہے؟
2) شيخ مفيد نے حاکم يا سلطان کی کيا تعريف کی ہے؟
3) کس دور ميں فقہی کتب ميں ولايت فقيہ کی مستقل بحث شردع ہوئي ؟
4) متقدمين علماء کے اقوال ميں ولايت فقيہ پر مستقل بحث کا نہ ہونا اور اس کی تمام جزئيات کی وضاحت نہ کرنا کيوں اسے غير معتبر قرار نہيں ديتا؟
5) فقيہ کي" ولايت انتصابی "کا انکار، اجتماعی امور ميں فقيہ کی سرپرستی کے منافی نہيں ہے_ کيوں؟

انيسواں سبق :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ولایت فقیہ، کلامی مسئلہ ہے یا فقہی ؟

دوسرے باب میں گزر چکاہے کہ" امامت "اہلسنت کے نزديك ايك فقہی مسئلہ ہےجبکہ اہل تشيع کے نزديك کلامی مسئلہہے _ اگر اہلسنت کی کلامی کتب مینبہ مسئلہ مورد بحث قرار پايا ہے تو اس کا سبب يہ ہے کہ شيعوں نے اس مسئلہ کو بہت زيادہ اہميت دی ہے اور اسے کلامی مباحث ميں ذکر کيا ہے_ اس سبق کا اصلی محور اس بات کی تحقيق کرنا ہے کہ کيا ائمہ معصومين کی ولايت اور امامت کی طرح "ولايت فقيہ "بھی ايك کلامی مسئلہ ہے يا فقہی بحث ہے اور اعتقادی و کلامی مباحث سے اس کا کوئي تعلق نہيں ہے؟

ہر قسم کا فيصلہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ کلامی مسئلہکی واضح تعريف اورفقہی مسئلہ سے اس کے فرق کی وضاحت کی جائے_ کلامی اور فقہی ہونے کا معيار کيا ہے؟ اسے پہچانا جائے تا کہ ولايت فقيہ کے کلامی يا فقہی مسئلہ ہونے کا نتيجہ اور ثمرہ ظاہر ہوسکے_

کسی مسئلہ کے کلامی يا فقہی ہونے کا معيار :

ابتدائے امر ميں ممکن ہے يہ بات ذہن ميں آئے کہ ايك مسئلہ کے کلامی ہونے کا معيار يہ ہے کہ اس کا

169

اثبات عقلی دليل سے ہو_ اور مسئلہ فقہی وہ ہے جس کا اثبات شرعی اور نقلی ادلّہ سے ہو _ اس لئے علم کلام کو علوم عقليہ اور علم فقہ کو علوم نقليہ ميں سے شمار کيا جاتا ہے_

ليکن يہ معيار مکمل طور پر غلط ہے_ کيونکہ علم فقہ ميں بھی ادلّہ عقليہ کو بروئے کار لايا جاتا ہے جس طرح کہ بعض کلامی مباحث ادلّہ نقليہ کی مدد سے آشکار ہوتی ہيں_ دليل عقلي، علم فقہ ميں دو طرح سے فقہی استنباط ميں مدد ديتی ہے_

الف _ مستقلات عقليہ : مثلا اطاعت خدا کا وجوب ايك فقہی مسئلہ ہے_ اور اس کی دليل عقل کا حکم ہے_ اور عقل اس حکم ميں مستقل ہے _ اور کسی نقلی (شرعي)دليل کی دخالت کے بغير يہ حکم لگاتی ہے_

ب _ غير مستقلات عقليہ يا ملازمات عقليہ، غير مستقلات عقليہ سے مراد وہ قضايا عقليہ ہيں جو دو شرعی حکموں کے درميان ملازمہ کے ادراك کی بنياد پر صادر ہوتے ہيں_ عقل ايك شرعی حکم کے معلوم ہونے کے بعد اس حکم اور دوسرے حکم کے درميان ملازمہ کو ديکھتی ہے_ اس طرح ايك شرعی حکم سے دوسرے شرعی حکم کی طرف جاتی ہے_ اوريوں عقل اس شرعی حکمکے استنباط ميں فقيہ کی مدد کرتی ہے_

لہذا يہ دعوی نہيں کيا جاسکتا کہ علم فقہ ايسا علم ہے جس کے مسائل ادلّہ نقليہ سے حل ہوتے ہيں اور اس ميں دليل عقلی کی کوئي مدد شامل نہيں ہوتی _ اسی طرح يہ دعوی بھی نہيں کيا جاسکتا کہ علم کلام ادلّہ نقليہ سے مدد نہيں ليتااور اس کے تمام مسائل ادلّہ عقليہ کی بنياد پر حل ہوتے ہينکيونکہ بعض کلامی مباحث جو کہ مبدا ومعاد سے مربوط ہيں ميں ادلّہ نقليہ يعنی قرآن اور روايات سے مدد لی جاتی ہے معاد (قيامت) ايك کلامی بحث ہے _ ليکن اس کی بعض تفصيلات صرف عقلی ادلّہ سے قابل شناخت نہيں ہيں بلکہ ان کيلئے ادلّہ نقليہ سے استفادہ کرنا بھی ناگزير ہوتا ہے_

170

حقيقت يہ ہے کہ علم فقہ ،مکلفين کے افعال کے متعلق بحث کرتا ہے_ ان کے اعمال کے احکام کی تحقيق و بررسی کرتا ہے_ علم فقہ بحث کرتا ہے کہ کونسے افعال واجب ہيں اور کونسے حرام ،کونسے اعمال جائز ہيں اور کونسے ناجائز _ ليکن علم کلام، مبدا و معاد کے احوال کے متعلق بحث کرتا ہے_ علم کلام کا مکلفين کے افعال سے کوئي تعلق نہيں ہوتا_ جائز و ناجائز پر بحث نہيں کرتا_ علم کلام ميں افعال خدا کے متعلق بحث کی جاتی ہے مثلا علم کلام ميں يہ بحث کی جاتی ہے کہ کيا خدا پر رسولوں کا بھيجنا واجب ہے؟ کيا خدا سے قبيح افعال سرزد ہو سکتے ہيں؟ کيا نيکی کرنے والوں کو اجر دينا خدا پر واجب ہے؟(1)

بعثت انبياء اور ارسال رُسُل کا وجوب ايك کلامی بحث ہے_ کيونکہ يہ ايك اعتقادی بحث ہے جو خدا کے مبدا اور فعل کے ساتھ مربوط ہے _ ليکن انبياء کی اطاعت کا واجب ہونا اور ان کی دعوت پر لبيك کہنا ايك فقہی بحث ہے _کيونکہ اس حکم کا تعلق مکلف کے عمل سے ہے_ اس کا موضوع فعل انسان ہے _ اور کرنا يا نہ کرنا انسان کے ساتھ مربوط ہے_

اسی معيار کو ديکھتے ہوئے ولايت فقيہ کی بحث کو شروع کرتے ہيں_ بے شك يہ بحث فقہی پہلوؤں کی بھی حامل ہے_ مسئلہ ولايت فقيہ ميں کچھ ايسی جہات بھی ہيں جن کا تعلق مکلفين کے عمل سے ہے_ اور ان کا شرعی حکم فقہی تحقيق کے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قابل ہے_ مثلا درج ذیل مسائل فقہی مسائل ہیں جو کہ ولایت فقیہ کے ساتھ مربوط ہیں_
مسلمانوں کے اجتماعی اور عمومی امور میں فقیہ کی سرپرستی اور حاکمیت جائز ہے یا نہیں؟ کیا اجتماعی اور سیاسي

1) یاد رہے کہ افعال خدا میں جس'' وجوب'' کاذکر کیا جاتا ہے_ وہ وجوب تکلیفی کی قسم سے نہیں ہے_ بلکہ اس کا معنی ''ضرورت ''کے ہیں_ یعنی خدا یہ کام ضرور انجام دے گا_ کوئي فعل اس پر واجب نہیں ہو تا _ وہ تمام ضرورتوں کا سرچشمہ ہے_ دوسرے لفظوں میں جس وجوب کا ذکر علم کلام میں ہوتا ہے وہ وجوب عن اللہ ہوتا ہے نہ کہ وجوب علی اللہ _

171

امور میں فقیہ کے اوامر و نواہی کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے یا نہیں؟ کیا مسلمانوں کے عمومی مسائل میں ولایت کو عملی کرنے میں فقیہ کی مدد کرنا واجب ہے یا نہیں؟ کیا مسلمانوں کیلئے جائز ہے کہ فقیہ عادل کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو اپنے امور میں حاکم بنا لیں؟ کیا ولی فقیہ کے احکام کی اطاعت دوسرے فقہا پر بھی واجب ہے؟
لہٰذا قطعی طور پر مسئلہ ولایت فقیہ فقہی پہلوؤں کا حامل ہے_ اسی لئے علم فقہ میں اس کی تحقیق ضروری ہے_ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس میں کلامی پہلو بھی ہیں یا نہیں؟

ولایت فقیہ کا کلامی پہلو:

ولایت فقیہ کا کلامی پہلو مسئلہ امامت کے ساتھ منسلك ہے_ کیونکہ مسئلہ ولایت فقیہ کو اگر اسی نظر سے دیکھا جائے جس نظر سے مسئلہ امامت کو دیکھا جاتا ہے تو اس کا کلامی پہلو واضح ہوجائے گا اور مسئلہ امامت کی طرح یہ بھی ایك کلامی بحث شمار ہوگا_ شیعہ بحث امامت کو کیوں کلامی مسئلہ سمجھتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شیعہ اس پر فقہی نظر نہیں رکھتے_ اور فعل مکلفین کے حکم کے پس منظر میں اسے نہیں دیکھتے -_شیعہ امامت کے متعلق اس طرح سوال نہیں کرتے کہ " کیا مسلمانوں پر امام اور حاکم کا مقرر کرنا واجب ہے؟ "کیا امام کی اطاعت واجب ہے؟ کیا مسلمانوں پر حکومت تشکیل دینا واجب ہے اور یہ کہ رحلت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے بعد کسی کو اپنے حاکم کے طور پر مقرر کریں_
امامت پر اس طرح کی نظر (اہلسنت کی نظر یہی ہے) اسے فقہی مسئلہ قرار دیتی ہے _ کیونکہ اس وقت بات مسلمانوں کے عمل اور ان کے حاکم مقرر کرنے پر ہوگی _ لیکن اگر اسے فعل خدا کے پس منظر میں دیکھیں اور مسئلہ امامت کو مسئلہ نبوت اور ارسال رسل کی طرح خدا کا فعل قرار دیں _ اور یہ سوال کریں کہ کیا رحلت

172

رسول (ص) کے بعد خدا نے کسی کو امت کی ہدایت کیلئے مقرر کیا ہے؟ کیا امام مقرر کرنا خدا پر واجب ہے؟ تو اس وقت کلامی مسئلہ شمار ہوگا_ کیونکہ گذشتہ معیار کے مطابق یہ سوال مبدا و معاد کی بحث کے زمرہ میں آتا ہے_ اور اس لحاظ سے یہ افعال الہی کی بحث ہے_ جو کہ ایك کلامی بحث ہے_
اور اگر مسئلہ ولایت فقیہ کو ولایت معصومین کا استمرار سمجھتے ہوئے امام معصوم کی انتصابی ولایت و امامت کی طرح فقیہ عادل کي" ولایت انتصابی "پر فعل خدا کے زاویہ سے بحث کریں_تو یہ ایك کلامی بحث کہلائے گی _ آیت اللہ جوادی آملی اس مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
ولایت فقیہ کے متعلق کلامی بحث یہ ہے کہ خداوند قدوس جو کہ تمام ذرات کائنات کا عالم ہے_ "لا یعزب عنہ مثقال ذرة"(1) وہ تو جانتا ہے کہ ائمہ معصومین ایك محدود زمانہ تك موجود رہیں گے_ اور آخری امام عجل اللہ فرجہ الشریف ایك لمبی مدت تك پردہ غیب میں رہیں گے_ تو کیا اس زمانہ غیبت کیلئے بھی کچھ دستور مقرر کئے ہیں؟ یا امت کو اس کے حال پر چھوڑ دیا ہے؟ اور اگر دستور بنایا ہے تو کیا وہ دستور جامع الشرائط فقیہ کو رہبری کیلئے منصوب کرنا ہے_ اور لوگوں کیلئے اس مقرر کردہ رہبر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے؟ ایسے مسئلہ کا موضوع "فعل خدا "ہے _ لہٰذا ولایت فقیہ کا اثبات اور اس پر جودلیل قائم ہوگی اس کا تعلق علم کلام سے ہوگا_(2)
امام خمینی بھی ان فقہاء میں شامل ہیں جو مسئلہ ولایت فقیہ کو کلامی پس منظر میں دیکھتے ہیں_ اور اس نکتہ پر مصرّ ہیں کہ جو ادلّہ امام معصوم کے تقرر کا تقاضا کرتی ہیں اور امامت کے سلسلہ میں ان سے استدلال کیا جاتا ہے_ وہی ادلّہ زمانہ غیبت میں حاکم کے تقرر اور حکومت کی تشکیل کا تقاضا کرتی ہیں_

1) اس سے کوئي معمولی سا ذرہ پوشیدہ نہیں ہے _ سورہ سبأ آیت نمبر3_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

2) ولايت فقيہ صفحہ 143_

173

" حفظ النظام من الواجبات الا كيدة، و اختلال أُمور المسلمين من الاُمور المبغوضة، و لا يقوم ذا و لا يسدّ عن ہذا الاّ بوال: و حكومة مضافاً الى ا نّ حفظ ثغور المسلمين عن التّہاجم و بلادہم عن غلبة المعتدين واجب عقلاً و شرعاً; و لا يمكن ذلك الاّ بتشكيل الحكومة و كلّ ذلك من ا وضح ما يحتاج اليہ المسلمون، و لا يعقل ترك ذلك من الحكيم الصانع ، فما ہو دليل الامامة بعينہ دليل على لزوم الحكومة بعد غيبة ولى الا مر (عج) ... فہل يعقل من حكمة الباري الحكيم اہمال الملّة الاسلاميّة و عدم تعيين تكليف لہم؟ ا و رضى الحكيم بالہرج والمرج واختلال النظام"؟(1)

نظام كى حفاظت واجبات مؤكدة ميں سے ہے اور مسلمانوں كے امور كا مختل ہونا ناپسنديدہ امور ميں سے ہے_ ان كى سرپرستى اور حفاظت سوائے حاكم اور حكومت كے كوئي نہيں كرسكتا_ علاوہ بريں مسلمانوں كى سرحدوں كى حفاظت اور دشمن سے ان كے شہروں كو محفوظ ركھنا عقلاً اور شرعاً واجب ہے اور يہ حكومت تشكيل ديئے بغير ممكن نہيں ہے_ ان تمام امور كى مسلمانوں كو احتياج ہے_ اور حكيم صانع (اللہ تعالى) كا انہيں ايسے ہى چھوڑ دينا معقول نہيں ہے _ جو امامت كى دليل ہے بعينہ وہى دليل امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشريف كى غيبت كے زمانہ ميں لزوم حكومت كى دليل ہے_ كيا خداوند حكيم كى حكمت سے معقول ہے كہ وہ ملت اسلاميہ كو

1) كتاب البيع ، امام خمينى ، جلد 2 ، صفحہ 461، 62 4_

174

بے مہار چھوڑ دے _ اور ان كيلئے كوئي شرعى فريضہ متعين نہ كرے _ يا حكيم مطلق اختلال نظام پر راضى ہوگا _
گذشتہ مطالب سے يہ بات واضح ہوجاتى ہے كہ زمانہ غيبت ميں حكومت اور ولايت فقيہ كى بحث فقہى بھى ہوسكتى ہے اور كلامى بھى _ اور اس مسئلہ كا كلامى ہونا اس كے فقہى ابعاد سے مانع نہيں ہے_ زمانہ غيبت ميں حكومت كے متعلق شرعى نقطہ نظر كے اظہار كے ضرورى ہونے كے لحاظ سے ايك كلامى مسئلہ ہے_ اور جب مسلمانوں كے حاكم كى شرائط اور فرائض اور دوسرى طرف اس سلسلہ ميں عوام كى ذمہ داريوں پر بحث كريں گے تو يہ ايك فقہى مسئلہ كہلائے گا_ جس طرح امامت كى عقلى ادلّہ سے نصب امام كا وجوب ثابت ہے_ اسى طرح نقلى ادلّہ مثلا واقعہ غدير خم سے اس كے مصاديق معين ہوتے ہيں_ ولايت فقيہ كى عقلى ادلّہ سے يہ بات ثابت ہوتى ہے كہ شرعى اعتبار سے والى اور حاكم كا مقرر كرنا ضرورى ہے اور روائي ادلّہ سے يہ ثابت ہوتا ہے كہ زمانہ غيبت ميں وہ حاكم "فقيہ عادل" ہے_
آخرى نكتہ يہ ہے كہ تمام كلامى بحثيں اہميت كے لحاظ سے برابر نہيں ہيں_ بعض كلامى بحثيں اصول دين كى ابحاث كا جز ہيںمثلا نبوت اور معاد كى بحث _ جبكہ امامت كى بحث اصول مذہب كى ابحاث كا حصہ ہے_
اصل معاد اصول دين ميں سے ہے ليكن اس كے مسائل كى تفصيلات اور جزئيات كلامى ہونے كے باوجود اہميت كے لحاظ سے اصل معاد كى طرح نہيں ہيں_ بنابريں زمانہ غيبت ميں ولايت فقيہ اور حكومت كا مسئلہ كلامى ہونے كے باوجود رتبہ كے لحاظ سے مسئلہ امامت سے كمتر ہے_ اسى لئے اصول مذہب ميں سے نہيں ہے_

175

خلاصہ:

1) يہ بات واضح ہونى چاہيے كہ كيا ولايت فقيہ ايك فقہى مسئلہ ہے يا كلامي؟
2)بعض كو يہ غلط فہمى ہوئي ہے كہ كسى مسئلہ كے كلامى ہونے كا معيار يہ ہے كہ اس پر عقلى دليل كا قائم كرنا ممكن ہو_
3) كسى مسئلہ كے فقہى ہونے كا معيار يہ ہے كہ اس كا تعلق مكلفين كے عمل سے ہو _
4)مسئلہ كلامى مبدا و معاد كے احوال سے بحث كرتا ہے_ لہذا اگر فعل خدا كے بارے ميں بحث ہو ، تو وہ مسئلہ كلامى ہوگا_ اور اگر فعل مكلف كے متعلق ہو تو فقہى مسئلہ كہلائے گا_
5)مسئلہ ولايت فقيہ فقہى اور كلامى دنوں پہلوؤں كا حامل ہے_ اور دونوں جہات سے قابل بحث و تحقيق ہے_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

6) اگر كوئي ولايت فقيہ كو اس لحاظ سے ديكھے كہ كيا زمانہ غيبت ميں فقيہ كا مقرر كرنا اسى طرح خداوند عالم پر واجب ہے جس طرح رحلت رسول صلى الله عليہ و آلہ و سلم كے بعد امام معصوم كا مقرر كرنا واجب ہے_تو يہ ولايت فقيہ كا كلامى پہلو ہے_
7) امام خمينى نے ولايت فقيہ كے كلامى پہلو سے بھى بحث كى ہے _ اور معتقد ہيں كہ وہ عقلى ادلّہ جو ائمہ كى امامت پر قائم كى گئي ہيں ، زمانہ غيبت ميں ولايت اور حكومت كے ضرورى ہونے پر دلالت كرتى ہيں_
8) اہميت كے لحاظ سے تمام كلامى بحثيں مساوى نہيں ہيں _ لہذا ولايت فقيہ كى اہميت بحث امامت و نبوت كى اہميت سے كمتر ہے_

176

سوالات:

1) كسى بحث كے فقہى ہونے كا معيار كيا ہے؟
2)كسى بحث كے كلامى ہونے كا معيار كيا ہے؟
3) وہ افراد جو كسى مسئلہ كے كلامى ہونے كا معيار يہ قرار ديتے ہيں كہ اس پر عقلى دليل قائم كرنا ممكن ہو _ انہوں نے كہاں غلطى كى ہے؟
4)مسئلہ "ولايت فقيہ "كلامى اور فقہى دونوں پہلوؤں كا حامل كيوں ہے؟
5)مسئلہ ولايت فقيہ كے بارے ميں كلامى نظر سے كيا مراد ہے ؟
6)ولايت فقيہ كے متعلق امام خمينى كا نظريہ كيا ہے؟

177

بيسواں سبق :

ولايت فقيہ كے اثبات كى ادلّہ(1)

پہلے گذر چكا ہے كہ ولايت فقيہ كى بحث ميں محل نزاع "امور عامہ ميں فقيہ عادل كيلئے ولايت كا اثبات ہے"_ كيونكہ قضاوت اور محجور و بے بس افراد كے امور ميں فقيہ كى ولايت پر سب فقہاء متفق ہيناور اس ميں كوئي نزاع اور اختلاف نہيں ہے_ لہذا وہ شئے جس كے اثبات يا انكار ميں اختلاف ہے وہ" فقيہ كى ولايت عامہ "ہے_
ولايت ايك منصب ہے_ اور بعض افراد كيلئے اس كا ہونا شرعى اثبات كا محتاج ہے_ كيونكہ اصل اوّلى كے تحت كوئي كسى پر ولايت نہيں ركھتا _ اور اسے "اصل عدم ولايت" سے تعبير كرتے ہيں_ اصل اوّلى يہ ہے كہ كوئي كسى پر ولايت نہيں ركھتا _ مگر يہ كہ كسى معتبر شرعى دليل سے اس كى ولايت ثابت ہو جائے_ معتبر شرعى دليل كى دو قسميں ہيں_ نقلى اورعقلى _ دليل نقلى قرآنى آيات اور معصومين سے صادرہ معتبر روايات پر مشتمل ہوتى ہے جبكہ دليل عقلى وہ ہوتى ہے جو معتبر اور صحيح مقدمات سے حاصل ہو _ اس طرح وہ شرعى حكم كو كشف كرسكتى ہے_ اسى وجہ سے عقلى دليل كو" دليل معتبر شرعي" بھى كہتے ہيں_ كيونكہ وہ نظر شرع سے كاشف ہوتى ہے_

178
قضاوت اور محجور و بے بس افراد كى سرپرستى يعنى امور حسبيہ ميں فقيہ عادل كى ولايت "دليل معتبر شرعي"سے ثابت ہے_ قابل بحث نكتہ يہ ہے كہ كيا فقيہ كى سياسى ولايت يعنى مسلمانوں كے اجتماعى امور اور امر و نہى ميں فقيہ عادل كى

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ولایت ثابت ہے یا نہیں؟
ایسی ولایت کے اثبات کیلئے ہمارے پاس تین راستے ہیں_ مشہور اور متداول راستہ معصومین کی روایات سے تمسك کرنا ہے_
دوسرا راستہ دلیل عقلی ہے جیسا کہشیعہ علماء نے بحث امامت میں دلیل عقلی سے تمسک کیا ہے_
تیسرا راستہ امور حسبیہ کے ذریعہ سے ولایت کا ثابت کرنا ہے_ امور حسبیہ میں فقیہ کی ولایت کو تمام فقہا قبول کرتے ہیں_ کیا امر و نہی اور حکومت میں ولایت کو باب حسبہ کے ذریعہ فقیہ عادل کیلئے ثابت کیا جاسکتاہے_ ادلّہ روائي اور عقلی کو بیان کرنے سے پہلے اس تیسری راہ کی تحقیق و بررسی کرتے ہیں_

فقیہ کی ولایت عامہ کا اثبات از باب حسبہ
پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ امور حسبیہ سے مراد وہ امور ہیں جن کے ترک کرنے پر شارع مقدس کسی صورت میں راضی نہیں ہے_ وہ ہر صورت میں ان کے وجود اور ادائیگی کا خواہاں ہے_ امور حسبیہ کی سرپرستی کس کے ذمہ ہے؟ اس میں دو بنیادی نظریئے ہیں_ تمام شیعہ فقہاء قائل ہیں کہ جامع الشرائط فقیہ ان امور میں ولایت رکھتا ہے اور قضاوت پر ولایت کی مثل امور حسبیہ کی سرپرستی بھی فقیہ عادل کے مناصب میں سے ہے_ بہت کم شیعہ فقہاء ایسے ہیں جو فقیہ عادل کو اس منصب کیلئے منصوب قرارنہیںدیتے اور امور حسبیہ میں فقیہ کی ولایت شرعیہ کے منکر ہیں_ منصب ولایت کے انکار کا معنی یہ نہیں ہے کہ وہ ان امور میں فقیہ کی سرپرستی اور تصرف کی اولویت کے بھی منکر ہیں _ کیونکہ ان کی نظر میں ان امور میں تصرف قدر متیقن کے

باب سے فقیہ عادل کیلئے ثابت ہے_ فقیہ عادل کی موجودگی اور اس منصب کیلئے اس کی آمادگی کی صورت میں دوسرے لوگ ان امور میں حق تصرف نہیں رکھتے _ کیونکہ "عادل مومنین" کے جواز تصرف اور سرپرستی میں شك ہے_ جبکہ فقیہ عادل کی سرپرستی قطعی طور پر بلا اشکال و شك ہے_(1) پس عادل مومنین اسی صورت میں امور حسبیہ کی سرپرستی کرسکتے ہیں جب فقیہ عادل موجود نہ ہو یا اس پر قدرت نہ رکھتا ہو_
عام طور پر بچے، پاگل اور کم عقل قسم کے افراد کہ جن کے باپ دادا نہ ہوں کے امور کی سرپرستی امور حسبیہ کی مثالیں ہیں_ البتہ بعض فقہا امور حسبیہ کے دامن کو بہت وسیع سمجھتے ہیں_ ان کی نظر میں اگر امور حسبیہ کی تعریف پر غور کریں تو مسلمانوں کے دفاع اور ان کے نظام اور سرحدوں کی حفاظت سے مربوط تمام امور اس میں شامل ہیں لہذا اس صورت میں مسلمانوں کے اجتماعی اور سیاسی امور میں فقیہ عادل کی سرپرستی اور حاکمیت کو امور حسبیہ میں سے قرار دیا جاسکتا ہے_ بنابریں مشہور فقہا کے نظریہ کے مطابق فقیہ عادل امور حسبیہ میں منصب ولایت کا حامل ہے لہذا وہ مسلمانوں کے امور عامہ پر ولایت رکھتا ہے یا دوسرے نظریہ کی بنا پر ان امور میں فقیہ کی ولایت" قدر متقین "کے باب سے ہے یعنی جن افراد کیلئے تصرف جائز ہے ان میں سے فقیہ کے تصرف کا جواز یقینی ہے_حاکمیت کی شرائط کے حامل فقیہ عادل کے ہوتے ہوئے دوسرے ان امور کی سرپرستی نہیں کرسکتے_
آیت اللہ سید کاظم حائری اس استدلال کو یوں بیان کرتے ہیں :
یقینی سی بات ہے کہ شارع مقدس ان مصالح اور احکام کے ضائع ہونے پر راضی نہیں ہے جو اسلامي

1) موجودہ دور کے فقیہ آیت اللہ خوئي اسی نظریہ کی طرف مائل ہیں_ التنقیح فی شرح العروة الوثقی ، باب الاجتہاد و التقلید صفحہ 49، 50_

حکومت کے نہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہوجاتے ہیں_ دوسرے لفظوں میں خدا راضی نہیں ہے کہ مسلمانوں کے انتظامی امور، فاسق ، کفار اور ظالموں کے ہاتھ میں ہوں_ جبکہ یہ امکان بھی موجود ہو کہ وہ مومنین جو کلمة اللہ کی سربلندی اور حکم الہی کے مطابق حکومت کرنے کے متعلق سوچتے ہیں، مسلمانوں کے امور کو اپنے ہاتھ میں لے لیں_ یہ ایك واضح سی بات ہے جس میں فقہی لحاظ سے کوئي بھی تردید نہیں کرسکتا_
دوسری بات یہ ہے کہ فقیہ کے ہاتھوں ان امور کا انجام پانا متعین ہے_ (دوسرا کوئي شخص مسلمانوں پر حکومت نہیں کرسکتا) اور اس کی دو دلیلیں ہیں:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ادلہ شرعیہ سے یہ بات ثابت کی جائے کہ امت مسلمہ کے رہبر میں فقاہت کی شرط کا ہونا ضروری ہے_
یا امور حسبیہ میں یقینی امر یہی ہے کہ فقیہ ان کی سرپرستی کرسکتا ہے اور اصل عدم ولایت کی روسے غیر فقیہ اس منصب کا حامل نہیں ہوسکتا _(1)
جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا یہ دلیل اولویت ،اجتماعی امور میں فقیہ عادل کی سرپرستی کا اثبات کرتی ہے_ اس سے مزید یعنی "ولايت انتصابي" کے اثبات کیلئے ہم ولایت فقیہ کی دوسری ادلّہ خصوصاً ادلّہ روائي کے محتاج ہیں_

ولایت فقیہ کی ادلّہ روائي:
روایات، فقیہ کی ولایت عامہ کی اہم ترین ادلّہ میں سے شمار ہوتی ہیں_ جو ابتدا سے لیکر آج تك ولایت فقیہ کے معتقد فقہاء کے یہاں مورد تمسك قرار پائي ہیں_
یہانہم ان میں سے بعض اہم روایات کی تحقیق و بررسی کرتے ہیں_

1) ولاية الامر فی عصر الغيبةصفحہ 96_

الف _ توقیع امام زمانہ (عجل الله تعالی فرجہ الشريف)(1)

فقیہ کی ولایت عامہ کے اثبات کی معتبرترین دلیل وہ روایت ہے جسے شیخ صدوق نے اپنی کتاب "کمال الدین" میں نقل کیا ہے_ اس نقل کے مطابق اسحاق ابن یعقوب نے حضرت امام زمانہ (عجل الله فرجہ الشريف) کی خدمت اقدس میں ایك خط لکھاجس میں چند مسائل پوچھے_ اس توقیع کے بعض حصوں سے بہت سے فقہاء نے فقیہ کی ولایت عامہ پر استدلال کیا ہے_
"عن محمدبن محمد بن عصام ، عن محمد بن یعقوب ، عن اسحاق بن یعقوب قال : سألت محمدبن عثمان العمری ان یوصل لی کتابا قد سألت فیہ عن مسائل اشکلت علی ، فورد التوقیع بخط مولانا صاحب الزمان(عجل الله فرجہ الشريف) "امّا ما سألت عنہ ارشدك الله و ثبتك ... امّا الحوادث الواقعة فارجعوا فیہا الی رواة حدیثنا _ فانہم حجتی علیکم و انا حجة الله علیہم" (2)

1) "توقیع "لغت میں خط پر نشان لگانے کو کہتے ہیں _ نیز خط پر بڑے لوگوں کے نشان و دستخط اور شاہی فرمان پر شاہی مہر کو بھی توقیع کہتے ہیں_ اسی طرح ائمہ معصومین (علیہم السلام)خصوصاً امام زمانہ (عجل الله تعالی فرجہ الشريف) کے وہ خطوط جو آپ کے نواب اربعہ کے ذریعہ ابلاغ کئے گئے ہیں_ وہ تاریخ اور حدیث کی کتب میں" توقیعات" کے نام سے مشہور ہیں_ ولایت فقیہ، امام خمینی صفحہ 67_
2) کمال الدین ،جلد 2 ،باب 45، حدیث 4 صفحہ 483_ الغيبة ،شيخ طوسي، صفحہ 290، 293 دیگر سب کتابوں میں انہیں دو کتابوں سے نقل کی گئي ہے_ 182
محمد ابن محمد ابن عصام نے محمد ابن یعقوب سے اور وہ اسحاق ابن یعقوب سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں : میں نے محمد ابن عثمان عمری سے کہا میرا یہ خط امام زمانہ (عج) تك پہنچادیں اس میں میں نے اپنی مشکلات کے بارے میں سوالات پوچھے ہیں تو امام (ع) کی طرف سے توقیع صادر ہوئي جس میں آپ نے فرمایا :خدا آپ کا بھلا کر ے اور آپ کو ثابت قدم رکھے ... پیش آنے والے واقعات میں ہماری احادیث نقل کرنے والوں کی طرف رجوع کرو_ وہ میری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں خدا کی طرف سے ان پر حجت ہوں _
ولایت عامہ کے اثبات کیلئے یہ واضح ترین روایت ہے اس روایت سے استدلال کرنے والوں نے عام طور پر اس کے دوسرے جملے " فانہم حجتی علیکم و انا حجة الله علیہم " سے تمسك کیا ہے_ اگر چہ بعض فقہاء مثلا امام خمینی نے پہلے جملہ " اما الحوادث الواقعة فارجعوا فیہا الی رواة حدیثنا" سے بھی استدلال کیا ہے_ بنابریں روایت کے دونوں جملے فقیہ کی ولایت عامہ کی دلیل ہیں_
پہلے جملہ سے استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ امام علیہ السلام نے پیش آنے والے مسائل و واقعات میں اپنا فریضہ معلوم کرنے کیلئے احادیث نقل کرنے والوں کی طرف رجوع کرنے کو کہا ہے_ واضح ہے کہ بغیر "تفقہ" کے حدیث نقل کرنے والے مراد نہیں ہیں_ظاہر روایت یہ ہے کہ یہ رجوع کرنا نئے مسائل کے شرعی حکم کے پوچھنے کے باب سے نہیں ہے_ کیونکہ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ زمانہ غیبت میں شرعی حکم پوچھنے کیلئے فقہا کے پاس جانا پڑتا ہے _ پس اس رجوع

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کرنے سے مراد "پیش آنے والے واقعات میں ایك شخص یا امت کے شرعی فریضہ کی تعیینہے"_ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیعہ فقہا فتوی دینے کے ساتھ ساتھ اجتماعی مسائل میں لوگوں کے شرعی فریضہ کی تعیین کرنے والے بھی ہیں_ امام خمینی اس بارے میں فرماتے ہیں:

183

"حوادث واقعہ" سے مراد وہ اجتماعی مشکلات اور مسائل ہیں جو مسلمانوں کو پیش آتے تھے_ اور انہوں نے بطور کلی سوال کیا کہ اب ہمارا آپ سے رابطہ نہیں ہوسکتا لہذا ان اجتماعی مسائل کا کیا کریں؟ ہمارا فریضہ کیا ہے؟ یا چند مسائل کا ذکر کیا اور کہا : ان مسائل میں ہم کس کی طرف رجوع کریں؟ ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بطور کلی سوال کیا ہے اور حضرت امام زمانہ (عجل اللہ فرجہ الشریف) نے اسی سوال کے مطابق جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ حوادث و مشکلات کے وقت ہمارے رواة یعنی فقہاء کی طرف رجوع کرو_(1)
امام کا دوسرا جملہ " فانہم حجتی علیکم وانا حجة اللہ علیہم " بھی فقیہ کی "ولایت عامہ "پر دلالت کرتا ہے_ کیونکہ آپ نے خود کو فقہا پر خدا کی حجت اور فقہا کو لوگوں پر اپنی حجت قرار دیا ہے_ ائمہ معصومین کے حجت ہونے کا معنی یہ نہیں ہے کہ شرعی احکام کے سلسلہ میں ان کی طرف رجوع کیا جائے بلکہ ان کے اقوال و اعمال اور سیرت و کردار تمام امور میں نمونہ عمل ، اسوہ اور سرمایہ نجات ہیں_ ان کی اطاعت پسندیدہ اور نافرمانی گمراہی ہے _ ان کی پیروی کرنے والے بارگاہ الہی میں حجت اور دلیل رکھتے ہیں اور ان سے منہ پھیرنے والوں اور نافرمانی کرنے والوں کا کوئي عذر بارگاہ الہی میں قابل قبول نہیں ہے_اس بنیاد پر جس طرح "معارف الہی اور احکام شرعی کے فہم سے لیکر امور مسلمین کی تدبیر تك" تمام لوگ اپنے امور میں بعنوان حجت، ائمہ معصومین کی طرف رجوع کرنے کے پابند ہیں اسی طرح زمانہ غیبت میں چونکہ وہ حجج الہیہ تك دسترسی نہیں رکھتے اور ائمہ معصومین کی طرف سے فقہاء بعنوان حجت لوگوں پر مقرر ہیں لہذا مومنین پابند ہیں کہ وہ اپنے تمام امور میں ان کی طرف رجوع کریں_(2)

1) ولایت فقیہ صفحہ 69_
2) کتاب البیع ،امام خمینی جلد 2 صفحہ 474، 475_

184

جیسا کہ گذرچکا ہے کہ فقیہ کی ولایت عامہ کے اثبات کیلئے یہ روایت بہت واضح ہے_اسی بنا پر بعض افراد نے فقیہ کے تقرر کی عمدہ اور قوی ترین دلیل اسی روایت کو قرار دیا ہے_
" و لکنّ الذی یظہر بالتدبّر فی التوقیع المروی عن امام العصر (عج) الذی ہو عمدة دلیل النصب انّما ہو اقامة الفقیہ المتمسك بروایاتہم مقامہ بارجاع عوام الشیعة الیہ فی کل ما یکون الامام مرجعاً فیہ کی لا تبقی شیعتہ متحیرین فی ا زمنة الغیبة" (1)
وہ توقیع جو امام عصر(عجل اللہ فرجہ الشریف) سے مروی ہے وہ فقیہ کے تقررکی عمدہ ترین دلیل ہے _ جو چیز اس سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ائمہ معصومین کی روایات سے متمسك ہونے والا فقیہ ہر اس شئے میں شیعوں کیلئے مرجع ہے جس میں امام مرجع ہوتے ہیں تا کہ زمانہ غیبت میں شیعہ سرگردان نہ رہیں_(1)
" لعلّ ا قواہا نصّاً فی الدلالة ، التوقیع الرفیع الذی ا خرجہ شیخنا الصدوق فی کمال الدین" (2)
شاید دلالت کے لحاظ سے قوی ترین نص وہی توقیع ہے جسے ہمارے شیخ جناب صدوق نے کمال الدین میں نقل کیا ہے_ سند کے لحاظ سے اس حدیث میں صرف ایك مشکل ہے اور وہ سلسلہ سند میں "اسحاق ابن یعقوب "کا

1) مصبا ح الفقیہ _ رضاہمدانی ، کتاب الخمس جلد 14 صفحہ 289_
2) ولایة الفقہاء فی عصر الغیبة صفحہ 10_

185

ہونا ہے_ اس شخص کیلئے کتب رجالی میں کوئي خاص توثیق موجود نہیں ہے_ لیکن درج ذیل شواہد کی بنا پر اس توثیق کا نہ ہونا حدیث کے معتبر ہونے کیلئے ضرر رساں نہیں ہے_
1_توقیع کے صدور کا ادعا اور امام معصوم سے ایك حدیث کے سننے کے ادعا میں واضح فرق ہے _امام کی طرف سے کسی شخص کے پاس توقیع کاآنا اس کے امام (ع) کے نزدیك مقام و مرتبہ ، قرب اور قابل اعتبار ہونے کی دلیل ہے_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

شیخ طوسی ، شیخ صدوق اور شیخ کلینی جیسے ممتاز علماء نے تسلیم کیا ہے کہ اسحاق ابن یعقوب صدور توقیع کے اپنے دعوی میں سچے ہیں_ اگر ان علماء کو اسحاق ابن یعقوب کی وثاقت پر اعتراض ہوتا تو کبھی بھی اس کے دعوے کی تصدیق نہ کرتے اور اسے نقل بھی نہ کرتے _
2_کلینی مرحوم زمانہ غیبت میں موجود اور اسحاق ابن یعقوب کے ہم عصر تھے_ اور ان کے نزديك اس توقیع کی صحت محرز تھی _ بنابریں کلینی مرحوم کا اسے نقل کرنا اس توقیع کے صدور کے سلسلہ میں اسحاق ابن یعقوب کے دعوی کے صحیح ہونے کی دلیل ہے_ لہذا سند کے لحاظ سے اس روایت میں کوئي مشکل نہیں ہے_(1)

1) ولاية الامر فی عصر الغيبة، صفحہ 123، 124_

خلاصہ :

1)ولایت ایك منصب ہے_ اور افراد کیلئے اس کا اثبات "شرعی دلیل "کا محتاج ہے _ کیونکہ اصل یہ ہے کہ کوئي کسی پر ولایت نہیں رکھتا_
2)فقط شرعی دلیل کی وجہ سے "اصل عدم ولایت"سے صرف نظر کیا جاسکتا ہے _ اور شرعی دلیل کی دوقسمیں ہیں_ نقلي و عقلي_
3) شرعی دلیل کے ذریعہ قضاوت اور امور حسبیہ جیسے امور میں فقیہ عادل کی ولایت کے اثبات پر تقریبا تمام فقہاء متفق ہیں _ "ولایت تدبیري" یا "سیاسی امور میں ولایت" کے متعلق علماء میں اختلاف ہے_
4) فقیہ کی "ولایت عامہ" کو "امور حسبیہ کے باب "سے بھی ثابت کیا جاسکتا ہے _
5) دلیل حسبہ مسلمانوں کے اجتماعی امور میں فقیہ عادل کی حاکمیت کی اولویت اور ضرورت کو ثابت کرتی ہے لیکن فقیہ عادل کي" ولایت انتصابي" پر دلالت نہیں کرتی _
6) ولایت فقیہ کی اہم ترین دلیل روائي ،"توقیع امام زمانہ"(عجل الله فرجہ الشریف) ہے _
7) اس روایت کے دو جملوں سے "ولایت فقیہ "پر استدلال کیا جاسکتا ہے _
8) اس روایت میں کوئي سندی مشکل نہیں ہے اورجو اشکال کیا گیا ہے وہ قابل حل ہے _

سوالات:
1)" اصل عدم ولایت "سے کیا مراد ہے ؟
2) کس ذریعہ سے اصل عدم ولایت سے قطع نظر کیا جاسکتا ہے ؟
3) باب حسبہ سے فقیہ کی ولایت عامہ کو ثابت کیجئے ؟
4) کیا دلیل حسبہ فقیہ کی "ولایت انتصابی "کو ثابت کرتی ہے ؟
5)جملہ " اما الحوادث الواقعة" سے ولایت فقیہ پر کس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے ؟
6) توقیع کی سندی مشکل کا جواب دیجئے ؟

اکیسواں سبق:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ب: مقبولہ عمر ابن حنظلہ (1)

محقق کر کی نے کتاب "صلوۃ الجمعة "میں اور محقق نراقی ، صاحب جواہر اور شیخ انصاری نے "کتاب القضائ" میں اور دوسرے بہت سے فقہاء نے "فقیہ کی ولایت عامہ" پر عمر ابن حنظلہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے_
محمد بن يعقوب، عن محمّد بن يحيي، عن محمّد بن الحسين، عن محمّد بن عيسي، عن صفوان بن يحيي، عن داود بن الحصين، عن عمر بن حنظلة، قال: سألت أبا عبدالله (ع) عن رجلين من أصحابنا بينهما مُنازعة فی دين أو ميراث، فتحاكما الی السلطان والی القضاة، أيحلّ ذلك؟ قال(ع) : "من تحاكم اليهم فی حق أو باطل فانّما تحاكم إلی الطاغوت،وما يحكم لہ فانّما يأخذ سحتاًوان كان حقّاً ثابتاً لہ ; لانہ أخذه بحكم الطاغوت و ما أمر الله أن يكفر بہ ، قال الله تعالی : (يريدون أن يتَحاكَموا الی الطاغوت و قد أمروا أن يَكفروا بہ)

1) شیخ طوسی اور برقی نے عمر ابن حنظلہ کو امام صادق اور امام باقر کے اصحاب میں سے قرار دیا ہے عمر ابن حنظلہ ایک مشہور راوی ہیں _ زرارہ، ہشام ابن سالم ، عبداللہ ابن بکیر ، عبداللہ ابن مسکان اور صفوان ابن یحیی جیسے ممتاز راویوں نے ان سے روایات نقل کی ہیں_

187

قلت: فكيف يصنعان؟ قال: " ينظران من كان منكم ممَّن قد رَوی حديثنا و نظر فی حلالنا و حرامنا و عرف أحكامنا فليَرضَوا بہ حَكَماً ; فانی قد جعلتہ عليكم حاكماً، فإذا حكم بحكمنا فلم يقبل منہ فانّما استخفَّ بحكم الله و علينا ردّ والرادُّ علينا الرّادُّ علی الله و ہو علی حدّ الشرك بالله "
محمد ابن یعقوب، محمد ابن یحیی سے ،وہ محمد ابن الحسین سے ، وہ محمد ابن عیسی سے ، وہ صفوان ابن یحیی سے، وہ داود ابن الحسین سے اور وہ عمر ابن حنظلہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے امام صادق سے ان دو شیعہ افراد کے متعلق پوچھا جو قرض یا میراث کے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کیلئے سلطان یا قاضی کے پاس جاتے ہیں _ کیا ایسا کرنان کے لئے جائز ہے ؟ آپ نے فرمایا :جو ان کے پاس حق یا با طل فیصلہ کرانے جاتا ہے وہ گویا طاغوت کے پاس فیصلہ کروانے کیلئے جاتا ہے _ اور جو وہ اس کے حق میں فیصلہ دیتا ہے اگر چہ صحیح ہی کیوں نہ ہو تب بھی اس نے حرام کھا یا ہے کیونکہ اس نے اسے طاغوت کے حکم سے لیا ہے _ جبکہ خدا نے طاغوت کے انکارکا حکم دیا ہے _ خدا فرماتا ہے : وہ چاہتے ہیں اپنے فیصلے طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں اس کے انکار کا حکم دیا گیا ہے (1)راوی کہتا ہے میں نے پوچھا: پھر وہ کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: اس کی طرف رجوع کریں جو تم میں سے ہماری احادیث کو نقل کرتا ہے ، ہمارے حلال و حرام میں غور و فکر کرتا ہے اور ہمارے احکام کو پہچانتا ہے پس اسے حَکَم (فیصلہ کرنے والا) بنائیں میں نے اسے تم پر حاکم قرار دیا ہے _ پس جب وہ ہمارے حکم کے مطابق فیصلہ کرے_

1) سورہ نساء آیت 60_

189

اور پھر اس فیصلے کو قبول نہ کیا جائے تو گویا قبول نہ کرنے والے نے خدا کے حکم کو خفیف شمار کیا ہے اور ہمیں جھٹلایا ہے _ اور جو ہمیں جھٹلائے اس نے خدا کو جھٹلایاہے اور خدا کو جھٹلانااس سے شرک کرنے کے مترادف ہے _(1)
فقیہ کی ولایت عامہ پر اس روایت کی دلالت درج ذیل مقدمات پر توجہ کرنے سے واضح ہوجاتی ہے _
1_ عمر ابن حنظلہ کا سوال فیصلہ کیلئے قضات کیطرف رجوع کرنے کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اپنے تنازعات میں سلطان اور قاضی کے پاس جانے کے جواز کے متعلق ہے _ عام طور پر ایسے تنازعات ہوتے ہیں جن کے حل اور فیصلہ کیلئے والی اور سلطان کی دخالت ضروری ہوتی ہے اور قاضی کے پاس رجوع کرنے کی قسم سے نہیں ہوتے مثلاً علاقائي اور قومی و قبائلی جھگڑے ایسے ہوتے ہیں کہ اگروالی اور سیاسی اقتدار کے حامل افراد بر موقع ان میں دخالت نہ کریں تو

قتل و غارت اور سیاسی و اجتماعی حالات كے خراب ہونے كا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے _ البتہ چھوٹے موٹے انفرادی جھگڑوں كا فیصلہ كرنا قاضی كا كام ہے اور والی یا سلطان كے ساتھ ان كا كوئي تعلق نہیں ہوتا_
2_ امام نے دونوں قسم كے فیصلوں كیلئے ،چاہے وہ والی كے ساتھ مربوط ہوں یا سلطان كے ساتھ، ان كی طرف رجوع كرنے كو طاغوت كی طرف رجوع كرنے كے مترادف قرار دیا ہے اور اسے ممنوع قرار دیتے ہوئے سورہ نساء كی آیت 60 سے استدلال كیا ہے كہ جس میں صاحبان ایمان كو طاغوت كے انكار كرنے كا حكم دیا گیا ہے اور فیصلوں كیلئے طاغوت كے پاس جانے سے منع كیا ہے _ اس آیت میں طاغوت سے مراد خاص طور پر نامشروع سلطان نہ بھی ہو مگریقینی طور پر یہ والی اور سلطان اس میں شامل ہے _
كیونكہ اولا قاضی كا صفت طاغوت كے ساتھ متصف ہونے كا سبب اس كا فاسق و فاجر حكومت كے

1) وسائل الشیعہ، جلد 27صفحہ 136، 137، باب 11، از ابواب صفات قاضی ،حدیث 1_

ساتھ منسلك ہونا ہے وہ قاضی جو نامشروع اور فاسق و فاجر حكومت سے منسلك ہو وہ طاغوت اور ناحق ہے_
ثانیاً اس آیت سے پہلے والی دو آیات میں صرف قاضی كی طرف رجوع كرنے كا ذكر نہیں ہے بلكہ ان میں قاضی اور سلطان كے فیصلے اور قضائي و حكومتی امور دونوں كے متعلق تنازعات كا ذكر ہے _ اللہ تعالی سورہ نساء كی آیت 58میں فرماتا ہے :
"ان اللہ یأمركم ا ن تُؤدُّوا الا مانات الی ا ہلہا و اذا حكمتم بین النّاس ا ن تحكُمُوا بالعَدل"
بے شك خدا تمھیں حكم دیتا ہے كہ امانتوں كو ان كے اہل تك پہنچا دو اور جب لوگوں كے در میان كوئي فیصلہ كرو تو انصاف كے ساتھ كرو _
اس فیصلہ كرنے میں سلطان ، والی اور قاضی كا فیصلہ بھی شامل ہے _ اور اس كے" قاضی كے فیصلہ" میں منحصر ہونے كی كوئي دلیل نہیں ہے _ اس آیت كی رو سے ہر حاكم انصاف كے ساتھ فیصلہ كرنے كا پابند ہے چاہے وہ قاضی ہو یا حاكم و والی _
اسی سورہ كی آیت 59 میں خدا فرماتا ہے :
"اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و ا ولی الا مر منكم فان تَنازَعتم فی شیئ: فردّوہ الی اللہ والرسول"
اللہ كی اطاعت كرو اور رسول (ص) كی اطاعت كرو اور اپنے میں سے صاحبان امر كی پھر اگر تمھارا آپس میں كسی بات پر اختلاف ہوجائے تو اسے خدا اور رسول (ص) كی طرف پلٹا دو _
رسول اور اولی الامر كی اطاعت صرف شرعی احكام اور قضاوت میں منحصر نہیں ہے _بلكہ ان كے حكومتی اوامر و نواہی بھی اس میں شامل ہیں یعنی وہ احكام اور اوامر جو "والي" حاكم ہونے كے عنوان سے صادر كرتا ہے

_ بنابریں اس روایت میں طاغوت كی طرف رجوع كرنے كی ممانعت میں_ كہ جس پر اس روایت میں سورہ نساء كی آیت(60) سے استدلال كیا گیا ہے _ ان دو آیات كے قرینہ كی بناپر "طاغوتی حاكم "اور" طاغوتی قاضي" دونوں شامل ہیں نہ كہ صرف طاغوتی قاضی _
3_ امام اس كے راہ حل كیلئے شیعہ فقیہ كو بعنوان حاكم مقرر فرما رہے ہیں _" انّی قد جعلتہ علیكم حاكماً " (میں نے اسے تم پر حاكم مقرر كیا ہے) یہ تقرر، قضاوت اور ولایت و حكومت دونوں میں ہے_ كیونكہ مذكورہ بالا دو مقدمونكی رو سے سلطان اور قاضی دونوں كی طرف رجوع كرنے كے متعلق پوچھا گیا ہے_(1)
شیخ انصاری نے كتاب "قضاء و شہادات" میں امام كے قول "انی قد جعلتہ علیكم حاكما" سے یہ استنباط كیا ہے كہ فقیہ كی ولایت قضاوت اور تنازعات میں منحصر نہیں ہے بلكہ اس سے عام ہے _ بالخصوص اس چیز كے پیش نظر كہ سیاق عبارت كا تقاضا یہ تھا كہ امام یہ فرماتے: " انّی قد جعلتہ علیكم حَكَماً "حضرت امام صادق نے "حَكَما" (2) كی بجائے "حاكم" كا لفظ استعمال كر كے اس نكتہ كی وضاحت كی ہے كہ فقیہ عادل كے احكام كا دائرہ نفوذ، قضاوت اور تنازعات تك محدود نہیں ہے بلكہ تمام امور میں اس كے احكام نافذ ہیں _ یعنی ہر وہ كلی یا جزئي حكم جس میں امام اور سلطان مداخلت كا حق ركھتے ہیں _ ان كی طرف سے مقرر كردہ حاكم بھی ان میں ولایت اور تسلط ركھتا ہے شیخ انصاری فرماتے ہیں:_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"ثم ان الظاہر من الروایات المتقدمة ، نفوذ حکم الفقیہ فی جمیع خصوصیات الاحکام الشرعیة و فی موضوعاتہا الخاصة ، بالنسبة الی ترتب الاحکام علیہا _

1) ''کتاب البیع ''امام خمینی ،جلد 2، صفحہ 476، 479_
2) حَکَم یعنی فیصلہ کرنے والا _

لان المتبادر عرفاً من لفظ "الحاکم" ہو المتسلّط علی الاطلاق، فہو نظیر قول السلطان لاہل بلدة: "جعلت فلاناً حاکماً علیکم" حیث یفہم منہ تسلّطہ علی الرعیّة فی جمیع ما لہ دخل فی اوامر السلطان جزئیاً او کلیاً "و یؤیدہ العدول عن لفظ "الحکم" الی "الحاکم" مع ان الانسب بالسیاق حیث قال : "فارضوا بہ حکما "ان یقول:" فانی قد جعلتہ علیکم حکما"(1)

سند کے حوالے سے اس روایت میں کوئي خاص مشکل نہیں ہے کیونکہ عمر ابن حنظلہ کے علاوہ اس روایت کے تمام راوی توثیق شدہ ہیں _ مشکل صرف عمر ابن حنظلہ کے سلسلہ میں ہے کہ علماء کی طرف سے اس کی توثیق نہیں ہوئي _ لیکن یہ مشکل بھی درج ذیل وجوہات کی بناپر باقی نہیں رہتی _

الف : عمر ابن حنظلہ بہت مشہور آدمی تھے _ اور انہوں نے کثرت سے روایات نقل کی ہیں اور زرارہ ، ہشام ابن سالم ، صفوان ، عبداللہ ابن بکیر اور عبداللہ ابن مسکان جیسے امام کے جلیل القدر صحابہ نے ان سے روایات نقل کی ہیں اور ان بزرگوں کانقل کرنا اور کثیر الروایة ہونا ان کے قابل و ثوق ہونے کی دلیل ہے _

ب: کافی میں ایک روایت موجود ہے جس میں امام صادق علیہ السلام نے عمر ابن حنظلہ کی تعریف کی ہے(2)

1) القضاء و الشہادات صفحہ 48، 49 _عبارت کا مفہوم پہلے بیان ہوچکاہے (مترجم)_
2) علی ابن ابراہیم، محمد ابن عیسی سے ،وہ یونس سے، اور وہ یزید ابن خلیفہ سے نقل کرتے ہیں : وہ کہتے ہیں ،میں نے امام صادق سے عرض کیا : عمر ابن حنظلہ نے'' وقت'' کے متعلق آپ سے روایت کی ہے امام صادق فرمایا: وہ ہم پر جھوٹ نہیں بولتا ...کافی جلد 3 صفحہ 275 باب وقت الظہر و العصر حدیث 1_

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس روایت پر علماء نے عمل کیا ہے اور اسے قابل قبول سمجھا ہے اسی وجہ سے اس کا نام "مقبولہ عمر ابن حنظلہ "پڑ گیا ہے _ شہید ثانی نے عمر ابن حنظلہ کی وثاقت پر تاکید کرتے ہوئے اس روایت کو علماء کیلئے قابل قبول قرار دیا ہے _فرماتے ہیں :

و عمر بن حنظلة لم ینصّ الأصحاب فیہ بجرح و لا تعدیل ، و لکن أمرہ عند سہل ; لأنّی حقّقت توثیقہ من محلّ آخر و إن کانوا قد أہملوہ ، و مع ما تری ف ہذا الإسناد قد قبل الأصحاب متنہ و عملوا بمضمونہ ، بل جعلوہ عمدة التفقّہ ، واستنبطوا منہ شرائطہ کلّہا ، و سمّوہ مقبولاً (1)

علماء کی طرف سے عمر ابن حنظلہ کے بارے میں کوئي واضح جرح و تعدیل واقع نہیں ہوئي لیکن یہ امر میرے لئے بہت سہل و آسان ہے _ چونکہ میں نے ایک دوسرے ذریعہ سے ان کی توثیق ثابت کردی ہے _ اگرچہ علماء نے اس کے بارے کچھ نہیں کہا _ اور اس سند کے باوجود علماء نے اس روایت کے متن کو قبول کیا ہے، اس کے مضمون پر عمل کیا ہے بلکہ اسے تفقہ کا ایک اہم ذریعہ قرار دیا ہے اور اس کی تمام شرائط کا اس سے استنباط کیا ہے _ اور اس کا نام مقبولہ رکھا ہے _

1) الرعایة لحال البدایة فی علم الدرایة صفحہ 131، اس بارے میں مزید تحقیق کیلئے شہید ثانی کے فرزند صاحب معالم کی کتاب منتقی الجمان'' جلد 1، صفحہ19 کی طرف رجوع کیجئے_ شہید ثانی کے علاوہ سید جعفر مرتضی عاملی بھی ابن حنظلہ کی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں اور آیت اللہ سید محمد علی موحد ابطحی کہتے ہیں: ہم نے اپنی کتب رجالیہ میں ابن حنظلہ کی وثاقت کی ادلّہ ذکر کی ہیں اور ہم نے ان میں ذکر کیا ہے کہ امام باقر ، امام صادق اور امام کاظم علیہم السلام کے موثق اصحاب نے ان سے روایات نقل کی ہیں ان میں سے ایسے اصحاب بھی ہیں جو قابل وثوق افراد کے سوا کسی سے روایت نقل نہیںکرتے _ مثلاً صفوان ابن یحیی اور یہی دلیل یزید ابن خلیفہ کے متعلق بھی جاری کی جاسکتی ہے (رسالہ فی ثبوت الہلال صفحہ 77)_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ج: مشہورہ ابی خدیجہ :

شیخ طوسی امام صادق کے ایك قابل اعتماد صحابی جناب ابی خدیجہ سے درج ذیل روایت کو نقل کرتے ہیں اور اس روایت سے بھی امور عامہ میں فقیہ کی ولایت کو ثابت کیا گیا ہے_

"محمد بن حسن إےسناده عن محمّد بن على بن محبوب، عن أحمد بن محمّد، عن حسين بن سعيد، عن أبى الجَهْم، عن أبى خديجة، قال: بعثنى أبو عبد الله (ع) إلى أصحابنا فقال: "قل لہم : إيّاكم إذا وقعتْ بينكم الخصومة أو تَدَارَى فى شى ء من الا خذ والعطاء أن تحاكموا إلى أحد من ہولاء الفُسّاق_ اجعلوا بينكُم رجلاً قد عرف حلالنا و حرامَنا; فانّى قد جعلتُہ عليكم قاضياً و ايّاكم أن يُخاصم بعضكم بعضاً إلى السّلطان الجائر" (1)

محمد ابن حسن اپنے اسناد کےساتھ محمد ابن علی ابن محبوب سے ، وہ احمد ابن محمد سے ، وہ حسین ابن سعید سے، وہ ابی جہم سے، اور وہ ابی خدیجہ سے نقل کرتے ہیں :

وہ کہتے ہیں : مجھے امام صادق نے اپنے ماننے والوں کے پاس بھیجا اور فرمایا:

ان سے کہہ دو کہ جب تمھارے در میان کوئي جھگڑا ہوجائے _ یالین دین کے معاملہ میں کوئي تنازع ہوجائے تو اسے حل کرنے کیلئے خبردار کسی فاسق حاکم کے پاس مت جانا اپنے در میان ایك ایسے شخص کو مقرر کرو جو ہمارے حلال اور حرام سے واقف ہو، میں اسے تم پر قاضی مقرر کرتاہوں _ خبردار اپنے جھگڑے لیکر فاسق وفاجر حاکم کے پاس مت جانا _

اس روایت سے فقیہ کی ولایت عامہ پر استدلال بہت حد تك مقبولہ عمر ابن حنظلہ کے استدلال سے

1) وسائل الشیعہ جلد 27 ، صفحہ 139، باب 11 _ از ابواب صفات قاضی حدیث 6_

قریب ہے _ کیونکہ اس روایت میں بھی اپنے تنازعات کے سلسلہ میں نہ صرف فاسق و فاجر قاضیوں کے پاس جانے سے منع کیا گیا ہے بلکہ حاکم اور سلطان کے پاس جانے سے بھی منع کیا گیاہے _ اور اس کی بجائے فقیہ عادل کے پاس جانے کی تاکید کی گئي ہے _

امام خمینی اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

روایت میں مذکور جملہ " تداری فی شئي " سے مراد "معاملاتی اختلافات" ہیں یعنی اپنے معاملاتی اختلافات اور ایك دوسرے کے خلاف دعاوی میں فساق کی طرف رجوع نہ کرو اور بعد والے جملہ " کہ میں نے تمھارے لئے قاضی مقرر کیا ہے " سے معلوم ہوتا ہے کہ فسّاق سے مراد وہ قاضی ہیں جو اس وقت کے ناجائز حکمرانوں کی طرف سے منصب قضاوت پر فائز تھے _ اور حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں: و ایاکم ان یخاصم بعضکم بعضاً الی السلطان الجائر _ یعنی وہ امور جن کا تعلق "اجرائي طاقت " سے ہے ان میں ان حکّام کی طرف رجوع نہ کرو ، اگر چہ فاسق سلطان کلی طور پر ایك ناجائز طاقت ہے اور تمام غیر اسلامی حکمران ، اسی طرح قاضی ،قانون بنانے والے، اوراس قانون کا اجرا کرنے والے تینوں اس میں شامل ہیں، لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ ابتدا میں ہی فاسق قاضیوں کے پاس جانے سے منع کردیا گیا ہے لہذا یہ ممانعت دوسرے گروہ یعنی قانون کا اجرا کرنے والوں کے سلسلہ میں ہے _ آخری جملہ اسی پہلے جملہ کی تکرار " یعنی فساق کی طرف رجوع کرنے کی ممانعت" نہیں ہے _ کیونکہ ابتدا میں ان امور میں فاسق قاضی کی طرف رجوع کرنے سے منع کیا گیا ہے جو اس کے ساتھ مربوط ہیں _ مثلاً بازپرسی اور گواہی و غیرہ پھر امام نے خود قاضی کو مقرر کیا ہے اور اپنے ماننے والوں کا فریضہ بیان کیا ہے اور آخر میں امام نے سلاطین کی طرف رجوع کرنے سے روکا ہے_(1)

1) ولایت فقیہ ، صفحہ 82_

عظیم فقیہ شیخ مرتضی انصاری معتقد ہیں کہ قاضی کو منصب قضاوت پر قرار دینا قاضی کے دائرہ اختیارات کو صرف جھگڑوں کا فیصلہ کرنے تك محدود نہیں کرتااور ائمہ معصومین کے زمانہ میں منصب قضاوت وسیع تر اختیارات کاحامل ہوتا تھا،یعنی قاضی بہت سے امور عامہ کے انتظام کا ذمہ دار ہوتا تھا لہذا یہ روایت امور عامہ میں فقیہ کی ولایت کو ثابت کرتی ہے_ اور ہمارے زمانے کی اصطلاحی قضاوت تك محدود نہیں ہے_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"المتبادر من لفظ "القاضي" عرفاً: من يُرجَع اليہ و ينفذ حکمہ و الزامہ فی جمیع الحوادث الشرعیّة کما ہو المعلوم من حال القضاة ، سیّما الموجودین فی ا عصار الا ئمّة علیہم السلام من قضاة الجور _ و منہ یظہر کون الفقیہ مرجعاً فی الامور العامّة ، مثل الموقوفات وا موال الیتامی والمجانین والغیّب ; لا نّ ہذا کلّہ من وظیفة القاضی عرفاً" (1)
لفظ قاضی سے عرفاً ذہن میں اس شخص کا تصور آتا ہے جس کا حکم تمام شرعی مسائل میں نافذ العمل ہے_ جیسا کہ قضاوت کے حالات سے معلوم ہے_ خصوصاً سلاطین ظلم وجور کے مقرر کردہ وہ قاضی جو ائمہ معصومین کے دور میں موجود تھے_ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقیہ امور عامہ کا بھی ذمہ دار ہے_ مثلا موقوفات ، یتیموں ، دیوانوں اور غائب افراد کے اموال وغیرہ_ کیونکہ عرفاً یہ تمام قاضی کے فرائض میں شامل ہیں_

1) القضاء و الشہادات صفحہ 49_

یاد رہے : امام علیہ السلام کے صرف اس جملہ "انی قد جعلتہ علیکم قاضیاً "سے سیاسی ولایت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا _ اور وہ جو شیخ انصاری نے کہا ہے وہ قضاوت کے علاوہ امور حسبیہ میں ولایت ہے_ اس بنا پر ولایت عامہ پر مقبولہ عمر ابن حنظلہ کی دلالت مشہورہ ابی خدیجہ کی دلالت سے واضح اور روشن تر ہے_ کیونکہ اس میں فقیہ کو " منصب حکومت" پر بھی مقرر کیا گیا ہے جبکہ مشہورہ ابی خدیجہ میں صرف منصب قضاوت پر مقرر کیا گیا ہے_ البتہ روایت ابی خدیجہ میں سلطان کی طرف رجوع کرنے کی ممانعت اس بات کی دلیل ہے کہ شیعوں کو اس قسم کے امور میں بھی سلطان کی بجائے فقیہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے_ اگر چہ مقبولہ عمر ابن حنظلہ کی طرح اس کی دلالت اس قدر واضح نہیں ہے_

خلاصہ :

1) ولایت فقیہ پر دلالت کرنے والی روایات میں سے اصلی روایت " مقبولہ عمر ابن حنظلہ"ہے_
2) اس حدیث میں شیعوں کو نہ صرف فاسق حکومت کے قاضیوں، بلکہ فاسق حکمرانوں کی طرف رجوع کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے_
3) اس حدیث میں امام نے شیعوں کو پابند قرار دیا ہے کہ وہ فاسق حکمران اور قاضی کی بجائے فقیہ کی طرف رجوع کریں اور اسی کو "حاکم "قرار دیا ہے_
4)اس روایت میں کوئي سندی مشکل نہیں ہے کیونکہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور عمر ابن حنظلہ کی اگر چہ براہ راست توثیق نہیں کی گئي لیکن ان کی روایت علماء کے نزدیك قابل قبول ہے_
5)ولایت فقیہ کی روائي ادلّہ میں سے ایك روایت " مشہورہ ابی خدیجہ "بھی ہے اور اس کا طرز استدلال مقبولہ عمر ابن حنظلہ کے طرز استدلال سے بڑی حدتك ملتا جلتا ہے_
6) ولایت فقیہ پر " مقبولہ عمر ابن حنظلہ " کی دلالت " مشہورہ ابی خدیجہ "کی دلالت سے واضح تر ہے_کیونکہ "مقبولہ " میں فقیہ کو براہ راست "حاکم " قرار دیا گیا ہے _

سوالات :

1) شیعوں کے کس ممتاز فقیہ نے "فقیہ کی ولایت عامہ" پر" مقبولہ عمر ابن حنظلہ" سے استدلال کیا ہے؟
2)ولایت فقیہ پر بطور مختصر" مقبولہ عمر ابن حنظلہ" سے استدلال کیجئیے؟
3) عمر ابن حنظلہ کی براہ راست توثیق نہیں کی گئي _ اس سندی مشکل کو کس طرح حل کیا جائے گا؟
4) مشہور ہ ابی خدیجہ سے فقیہ کی ولایت عامہ پر استدلال کیجئیے؟
5) منصب قضاوت پر فائز فقیہ کے دائرہ اختیارات کے متعلق شیخ انصاری کا کیا نظریہ ہے؟
6)فقیہ کی ولایت عامہ پر" مشہورہ ابی خدیجہ" کی دلالت "مقبولہ عمر ابن حنظلہ" کی دلالت کی نسبت وضاحت کے لحاظ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

سے كيوں كمتر ہے؟

بائيسواں سبق:

ولايت فقيہ كے اثبات كى ادلّہ (3)

عمر ابن حنظلہ اور ابى خديجہ كى روايات ميں امام نے فقيہ كيلئے "منصب "قرار ديا ہے اور جيسا كہ گذشتہ سبق كے آخر ميں اشارہ كرچكے ہيں : عمر ابن حنظلہ كى روايت ميں بيان كئے گئے منصب كا دائرہ اختيار بہت وسيع ہے كيونكہ اس ميں فقيہ كو منصب "حاكميت "پر مقرر كيا گيا ہے اورابى خديجہ كى روايت ميں منصب قضاوت پر_ اگر چہ مشہورہ ابى خديجہ ميں بھى قضائي اور حكومتى دونوں قسم كے امور ميں شيعوں كو فاسقوں كى طرف رجوع كرنے سے منع كيا گيا ہے _ اس سے يہ اشارہ ملتا ہے كہ حكومتى امور ميں بھى شيعوں كو" فقيہ عادل" كى طرف رجوع كرنا چاہيے_ جيسا كہ پہلے گزر چكا ہے كہ" منصوب كرنے" اور "وكالت "ميں بنيادى فرق ہے لہذا فقيہ عادل كا ولايت كى مختلف اقسام پر فائز ہونا ، جن كا ان دو روايات سے استفادہ ہوتا ہے_ امام عليہ السلام كى زندگى كے ساتھ مشروط نہيں ہے_ جبكہ اس كے بر عكس وكالت موكل كى وفات كے ساتھ ختم ہوجاتى ہے_چونكہ بعد والے امام اور معصوم نے اس منصب كو ختم نہيں كيا ہے لہذا فقيہ عادل اس منصب ولايت پر باقى ہے_

ولايت انتصابى كے متعلق كچھ ابہامات كا جواب :

ان دو روايات ميں موجود" انتصاب" كے متعلق كچھ ابہامات اور سوالات اٹھائے گئے ہيں_ يہاں ہم انہيں اختصار كے ساتھ بيان كرتے ہيں_

1_ شيعہ معتقدہيں كہ امام صادق اور ان كے بعد ان كے معصوم فرزند، امت كے امام ہيں_ لہذا امام معصوم كے ہوتے ہوئے فقيہ عادل كو ولايت پر منصوب كرنے كا كيا مطلب ہے ؟كيا ايسا ممكن ہے كہ جس زمانہ ميں امام معصوم موجود ہيں_ اور ولايت عامہ كے حامل ہيں _ كوئي دوسرا شخص يا افرادان كى طرف سے ولايت عامہ كے حامل ہوں_

جواب : امام معصوم كى موجودگى ميں كسى كو ولايت پر منصوب كرنا اسى طرح ہے _ جس طرح كوئي صاحب اختيار حكمران دوسرے شہروں ميں اپنے نمايندے مقرركرتا ہے_ كيا مسلمانوں كے امور كے انتظام كيلئے رسولخدا ا (ص) نے مدينہ سے دور دوسرے شہروں ميں اپنے نمائندے نہيں بھيجے تھے؟ جس طرح امير المؤمنين كو يمن بھيجا تھا_ يا خود امير المؤمنين نے مالك اشتر كو مصر اور چند دوسرے افراد كو مختلف علاقوں كا والى اور حاكم بنا كر بھيجا تھا_ بنابريں اس ميں كيا حرج ہے كہ امام صادق اپنے زمانہ ميں ان شيعوں كے امور كى سرپرستى كيلئے جو آپ (ع) سے دور رہتے ہيں اور تقيہّ يا طولانى سفر كى وجہ سے آپ كے پاس نہيں آسكتے_ ايك فقيہ عادل كو مقرر كريں _ اور اپنى طرف سے اسے امت پر ولايت عطا كريں؟

2_ خود امام صادق بسط يد نہيں ركھتے تھے اور امت پر ولايت عامہ كا اجر انہيں كر سكے تو كيسے مان ليا جائے كہ ان كى طرف سے مقرر كردہ شخص يعنى فقيہ عادل "ولايت عامہ" كا حامل ہے؟

جواب :يہ ہے كہ ولايت دوسروں كے امور ميں جواز اور اولويت تصرف كے سوا كوئي چيز نہيں ہے_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ولايت پر منصوب كرنے كا معنى اس تصرف كو قانونى اور شرعى جواز عطا كرنا ہے_ فقيہ عادل كو ولايت پر منصوب كرنے كا معنى يہ ہے كہ صاحب ولايت اور وہ ذات جس كے ہاتھ ميں امر ولايت اور اس كى مشروعيت كا اختيار ہے كى طرف سے فقيہ عادل ان تصرفات ميں زيادہ حق ركھتا ہے_ اور اس قسم كے تصرفات پر اس كى ولايت مشروع اور حق ہے_ چاہے يہ تصرفات قضاوت اور امور حسبيہ ميں ہوں يا امت كى سرپرستى اور تمام امور عامہ تك اس كا دائرہ اختيار وسيع ہو_
ولايت پر منصوب ہونا ،اور جسے منصوب كيا گيا ہے ولايت كے عملى كرنے ميں اس كے ہاتھوں كا كھلا ہونا، دو مختلف چيزيں ہيں_ عملى طور پر ولايت كو بروئے كار لانا اور اس سے متعلقہ امور كو انجام دينا وسائل اور امكانات كے تابع ہے_ كبھى ولايت كے اصلى حامل يعنى امام معصوم كيلئے ولايت كے اعمال اور ذمہ داريوں كو بروئے كار لانے كيلئے ماحول سازگار نہيں ہوتا _ اور اس كى شرائط و امكانات فراہم نہيں ہوتے_ ليكن اس كا معنى يہ نہيں ہے كہ امام كى ولايت ختم اور لغو ہوگئي ہے_ كيونكہ منصب ولايت پر فائز ہونا اور خارج ميں اس كا عملى وجود دو الگ الگ چيزيں ہيں_ علاوہ بريں امام كے زمانہ ميں ولايت كو بروئے كار لانے كى راہيں كلى طور پر مسدود نہيں تھيں_ يعنى محجور اور مبسوط اليد ہونا دو نسبى امر ہيں_ امام كى طرف سے مقرر كردہ شخص اگرچہ اس حالت ميں نہيں تھا كہ وہ شيعوں كے امور عامہ كى سرپرستى كرے ليكن ان كے امور قضائي اور امور حسبيہ كى سرپرستى كرنے كى قدرت ركھتا تھا _ ان دو روايات سے پتہ چلتاہے كہ امام فقيہ عادل كيلئے ولايت عامہ كو ثابت سمجھتے تھے، اور اسے اپنى طرف سے مقرر فرماتے تھے_ اب اس ولايت كو بروئے كار لانے ميں فقيہ كى بے بسى اور اختيار ايك دوسرا امر ہے جو حالات و شرائط كے تابع ہے_
3_ امور مسلمين كى ولايت پر سب فقہاء كومنصوب كرنا ہرج و مرج اور اختلال نظام كا باعث بنتا ہے_

چونكہ فرض يہ ہے كہ ان دو روايات كى بنا پر فقيہ عادل شيعوں كے امور كى سرپرستى كرتا ہے_ دوسرى طرف مقرر كردہ فقہاء كى تعداد معين نہيں ہے اور يہ بھى ممكن ہے كہ ايك ہى وقت ميں سينكڑوں جامع الشرائط فقيہ عادل موجود ہوں _ كيا يہ معقول ہے كہ ايك ہى وقت ميں سب فقہاء منصب ولايت كے بالفعل حامل ہوں _ لہذا اس مشكل كو ديكھتے ہوئے اس انتصاب كے دائرہ اختيار كى محدوديت كے قائل ہونے كے سوا كوئي چارہ نہيں ہے اور ضرورى ہے كہ ان دو روايات ميں فقيہ كى ولايت كو "قضاوت" ميں منحصر قرار ديں_
جواب : يہ ہے كہ اس نكتہ كى ہم پہلے وضاحت كرچكے ہيں كہ ولايت پر منصوب ہونے اورعملى طور پر افعال و اعمال كو بجالانے ميں واضح فرق اور ہر ايك كى اپنى مخصوص شرائط اور خصوصيات ہيں_ فقيہ كى ولايت انتصابى كا معنى يہ ہے كہ ہر جامع الشرائط فقيہ منصب ولايت و نيابت كا حامل ہے اور اس كے متعلقہ امور ميں اس كے احكام اور تصرفات، شرعى لحاظ سے معتبر ہيں اس كا يہ معنى نہيں ہے كہ ہر وہ مورد جس ميں "ولايت فقيہ " كے حكم كى ضرورت ہو اس ميں تمام فقہاء اپنى نظرديں اور حكم صادر كرديں_ جس طرح ايك شہر ميں اگر پچاس قاضى موجود ہوں اور تحقيق كيلئے كيس كى فائل ايك كے پاس آئے تو دوسرے قاضى اس ميں مداخلت نہيں كرتے_ اور ايك قاضى كا اس كيس كو اپنے ہاتھ ميں لے لينا دوسروں كو فيصلہ صادر كرنے سے روك ديتا ہے_اسى طرح فقيہ عادل كا ولايت كا حامل ہونادمہ دارى كو اس كى طرف متوجہ كرتا ہے اور لوگوں پر ايك فريضہ عائد ہو جاتا ہے _ لوگ پابند ہيں كہ اپنے معاملات ميں فقيہ عادل كى طرف رجوع كريں، طاغوت سے منہ پھير ليں ، اور اسلامى معاشرہ كے امور كى باگ ڈور كسى غير اسلام شناس كے ہاتھ ميں نہ ديں بلكہ فقيہ عادل اور امين كے ہاتھ ميں ديں_ فقيہ عادل كا بھى يہ فرض ہے كہ جب شرائط مكمل ہوں ، حالات سازگار ہوں اور لوگ اس كى طرف رجوع كريں تو وہ اس الہى فريضہ كو پورى طرح نبھائے _ اب اگر صاحب ولايت، فقيہ كى طرف لوگ

رجوع كرتے ہيں ياا ہل حل و عقد كے انتخاب كے ذريعہ لوگوں كے امور كى سرپرستى اس كے ہاتھ ميں دے دى گئي ہے تو دوسرے فقہا ء كا فريضہ ساقط ہوجاتا ہے _ بنابريں تمام جامع الشرائط فقہاء منصب ولايت كے حامل ہيں اور ايك فقيہ عادل كے امور كى سرپرستى اپنے ذمہ لينے سے دوسرے فقہاء كى ذمہ دارى ختم ہوجاتى ہے _
دوسرے لفظوں ميں ہر فقيہ كے كسى امر ميں تصرف كا جواز اس بات كے ساتھ مشروط ہے كہ دوسراكوئي فقيہ اس كام ميں اپنى ولايت كو بروئے كار نہ لارہا ہو _ اس صورت ميں كسى قسم كا اختلال نظام لازم نہيں آتا _ اختلال نظام اس وقت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لازم آتا ہے جب ولایت کے عہدہ پر فائز تمام فقہاء عملی اقدامات شروع کردیں_

ولایت فقیہ کی تائید میں مزیدروایات

ان تین روایات کے علاوہ جو اب تك ولایت فقیہ کے اثبات کیلئے پیش کی گئي ہیں دوسری روایات بھی ہیں جن سے استدلال کیاگیا ہے البتہ دلالت اور سند کے لحاظ سے یہ اُن روایات کی مثل نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود فقیہ کی ولایت عامہ کی تائید کے عنوان سے ان سے تمسك کیا جاسکتا ہے _ ہم یہاں اختصار کے طور پر انہیں بیان کرتے ہیں _

1_ صحیحہ قدّاح :

علی ابن ابراہیم عن ابیہ عن حماد بن عیسي، عن القدّاح (عبداللہ بن میمون)، عن أبی عبداللہ (علیہ السلام) قال: قال رسول اللہ (ص) : " مَن سلك طریقاً یطلب فیہ علماً، سلك اللہ بہ طریقاً الی الجنّہ ... و انّ العلماء ورثۃ الانبیائ،إنّ الانبیاء لم یُورثُوا دیناراً و لا درہماً

و لکن ورّثوا العلم; فَمَن أخذ منہ أخذ بحَظّ وافر"(1)

علی ابن ابراہیم اپنے والد سے ، وہ حماد ابن عیسی سے اور وہ قداح (عبداللہ ابن میمون) سے اور وہ امام صادق سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا (ص) نے فرمایا: "جو طلب علم کیلئے نکلتا ہے خدا اس کیلئے جنت کی راہ ہموار کردیتا ہے ... بے شك علماء انبیاء کے وارث ہیں انبیائ کاورثہ درہم و دینار نہیں ہوتے بلکہ ان کا ورثہ " علم" ہے _ جس نے اس سے کچھ پالیا گویا اس نے بہت بڑا حصہ لے لیا "_

اس روایت کی سند صحیح ہے _ اور اس کے تمام روای "ثقہ "ہیں _بعض فقہا مثلاً " عوائد الایام" میں ملا احمد نراقی اورولایت فقیہ میں امام خمینی نے ولایت فقیہ کے اثبات کیلئے اس روایت سے تمسك کیا ہے اس روایت سے استدلال کی کیفیت یہ ہے کہ اس کے جملہ "العلماء ورثۃ الانبیائ" کے مطابق فقہا اور علمائے دین ،رسول خدا (ص) کی تمام قابل انتقال خصوصیات میں آپ (ص) کے وارث ہیں اور ان خصوصیات اور ذمہ داریوں میں سے ایك " امت کی سرپرستی اورحاکمیت " بھی ہے _ علماء کیلئے انبیاء کی وراثت صرف علم تك محدود نہیں ہے کیونکہ یہ وراثت مطلق ہے _ صرف وہ خصوصیات جو کسی خاص دلیل کے ذریعہ مقام نبوت کے ساتھ مخصوص ہیں وراثت میں نہیں آئیں گئیں_ البتہ اس روایت میں ایك احتمال یہ ہے کہ پہلے اور بعد والے جملوں کو دیکھتے ہوئے اس روایت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ وراثت علم ، احادیث اور معارف انبیاء میں منحصر ہے اور انکی دیگر ذمہ داریوں کو شامل نہیں ہے _ اگر یہ جملات اختصاص اور محدودیت کیلئے قرینہ بن سکتے ہوں تو پھر "العلماء ورثۃ الانبیاء "کے اطلاق سے تمسك نہیں کیا جاسکتا_(2)

1) کافی جلد 1 ، صفحہ 42 ، باب ثواب العالم و المتعلم حدیث1_
2) ولایت فقیہ، امام خمیني، صفحہ 86، 92_

2_ مرسلہ صدوق :

شیخ صدوق نے اپنی مختلف کتب میں اس روایت کو نقل کیا ہے :

قال امیر المؤمنین(ع) قال رسول اللہ (ص) : "اللہمّ ارحم خلفائي" _ ثلاث مرّات: _ قیل : یا رسول اللہ ، و مَن خلفاؤك؟ قال: " الّذین یأتون من بعدی یروون عنّی حدیثي و سُنّتي"(1)

امیرالمؤمنین فرماتے ہیں: رسولخدا (ص) نے تین مرتبہ فرمایا: اے پروردگار میرے خلفاء پر رحم فرما _پوچھا گیا اے اللہ کے رسول (ص) آپ کے خلفا ء کون ہیں ؟ فرمایا :وہ افراد جو میرے بعد آئیں گے اور میری حدیث اور سنت کو نقل کرینگے_

شیخ صدوق نے اپنی متعدد کتب میں اس روایت کو معصوم کی طرف نسبت دی ہے اور بطور مرسل نقل کیا ہے_ مراسیل صدوق بہت سے علماء کیلئے قابل اعتبار ہیں خصوصاً اگر انہیں بطور جزم معصوم کی طرف نسبت دیں_ بہت سے فقہاء مثلاً صاحب جواہر ، ملا احمد نراقی ، صاحب عناوین یعنی میر عبد الفتاح مراغی ، آیت اللہ گلپائیگانی اور امام خمینی نے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ولایت فقیہ کے اثبات کیلئے اس روایت سے استدلال کیا ہے _ کیفیت استدلال اس طرح ہے _
الف: رسول خدا (ص) وحی ، اس کے ابلاغ ، عصمت اور علم الہی جیسی خاص صفات سمیت قضاوت ، تنازعات کے فیصلے اور اسلامی معاشرے کے امور کی سرپرستی ایسی خصوصیات کے بھی حامل تھے _ آنحضرت (ص) کی بعض خصوصیات دوسروں کی طرف منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں _ قضاوت اور اسلامی معاشرہ کی سرپرستی انہی خصوصیات میں سے ہیں جو دوسروں کی طرف منتقل ہوسکتی ہیں _

1) عیون اخبار رضا ،جلد 2، صفحہ 37، باب 31،حدیث 94_ من لایحضرہ الفقیہ، جلد 4، صفحہ 420_ معانی الاخبار، صفحہ 374_

206

ب : اس روایت کی رو سے آنحضرت (ص) نے ایک گروہ کو اپنے خلفاء کے عنوان سے مورد لطف و دعا قرار دیا ہے اس گروہ کیلئے آنحضرت (ص) کی جانشینی ،قابل انتقال صفات میں ہے اور ان صفات میں امت کے امور کی سرپرستی یقینا شامل ہے _
ج: "خلفائي" کی تعبیر مطلق ہے اور ائمہ معصومین میں منحصر نہیں ہے بنابریں خلفاء بلاواسطہ (ائمہ(ع)) اور خلفاء بلواسطہ (علمائ) دونوں اس میں شامل ہیں _
د: جملہ " الذین یأتون من بعدی یروون حدیثي و سنّتی " سے مراد عام راوی اور محدثین نہیں ہیں_ بلکہ وہ راوی مراد ہیں جو روایات میں تفقہ اور سمجھ بوجھ بھی رکھتے ہوں _ پس یہ تعبیر صرف امت کے فقہا اور علماء کی شان میں ہے نہ کہ ہرر وایت کرنے والے کی شان میں _ (1)
3_ "غرر الحکم و دررالکلم "میں امیر المومنین حضرت علی سے روایت کی گئي ہے کہ آپ (ع) نے فرمایا:
"العلماء حُکّامٌ علی الناس"(2)
علماء لوگوں پر حاکم ہیں _
اسی مضمون کی ایک روایت کراجکی مرحوم نے "کنزالفوائد" میں امام صادق سے بھی نقل کی ہے آپ (ص) فرماتے ہیں :
"الملوک حُکّامٌ علی النّاس وا لعلمائُ حُکّامٌ علی الملوک"(3)
بادشاہ لوگوں پر حاکم ہوتے ہیں اور علماء بادشاہوں پر حاکم ہوتے ہیں _

1) کتاب البیع، امام خمینی جلد 2 ، صفحہ 468_470_
2) غرر الحکم، آمدی جلد 1 صفحہ 137و 506_
3) کنزالفوائد جلد 2 صفحہ 33_

207

ولایت فقیہ پر اس روایت کی دلالت واضح ہے لیکن سندی ضعف کی وجہ سے اسے ولایت فقیہ کے مؤیّدات میں سے شمار کیا ہے _
4_ ابن شعبہ حرانی نے " تحف العقول" میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے متعلق امام حسین کا ایک خطبہ نقل کیا ہے جس میں آپ نے اپنے دور کے علماء کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تمہارے مقام و منزلت کو غاصبوں نے غصب کرلیا ہے _ مسلمانوں کے امور کی سرپرستی تم علماء امت کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے _ امام فرماتے ہیں :
"و أنتم أعظم النّاس مصیبةً کما غلبتم علیہ من منازل العلماء لو کنتم تشعرون; ذلک بأنّ مجاری الأمور والاحکام علی أیدی العلماء باللہ و الأمناء علی حلالہ و حرامہ فأنتم المسلوبون تلک المنزلة و ما سلبتم ذلک الا بتفرّقکُم عن الحقّ واختلافکم فی السنّة بعد البیّنة الواضحة_ و لو صبرتم علی الاذی و تحمّلتم المؤونة فی ذات اللہ کانت أمور اللہ علیکم ترد، و عنکم تصدر، و الیکم ترجع و لکنّکُم مکّنتم الظلمة من منزلتکم"(1)
تم سب سے زیادہ مصیبت زدہ ہو اگر تمہیں کچھ شعور ہو تو جا ن لو کہ تمہارے مقام و مرتبہ پر تسلط قائم کر لیا گیاہے_ امور کی تدبیر اور احکام کا اجرا ان علماء ربانی کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو خدا کے حلال وحرام کے امین ہوتے ہیں پس تم سے یہ مقام و مرتبہ چھین لیا گیا _ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے حق سے منہ پھیرلیا ،واضح دلیل آنے کے باوجود تم نے سنت میں اختلاف

1) تحف العقول عن آل الرسول (ص) جلد 1، صفحہ 238_

208
کیا ،اگر تم تکلیف پر تھوڑا ساصبر کرلیتے اور خدا کی راہ میں مصائب برداشت کرتے تو امور الہی تمہاری طرف پلٹادیئے جاتے، تم ان کے سرپرست ہوتے، اور تمہاری طرف رجوع کیا جاتا _ لیکن تم نے اپنا مقام و مرتبہ ظالموں کے حوالے کردیا _
اس روایت کی دلالت مکمل ہے لیکن گذشتہ روایت کی طرح سندی مشکل سے دوچار ہے اسی لئے ولایت فقیہ کے مؤیدات میں شامل ہے _ ان کے علاوہ دوسری روایات بھی ہیں جنہیں ہم طوالت سے بچنے کیلئے ذکر نہیں کررہے _

209

خلاصہ :

1) امام (ع) نے بعض روایات میں فقیہ کو منصب عطا کیا ہے _ اور امام (ع) کے زمانہ حضور اور غیبت دونوں میں یہ منصب ان کے پاس ہے_
2) امام کا ولایت کلیہ کا حامل ہونا ،بعض امور میں شیعوں کو فقہاء کی طرف رجوع کرنے کا حکم دینے سے مانع نہیں ہے _
3) امام صادق نے اس دور میں فقہاء کو ولایت پر منصوب کیا جب آپ اپنے اختیارات استعمال کرنے میں بے بس تھے _ اور اس سے کوئي مشکل پیدا نہیں ہوتی کیونکہ نصب ولایت اور ولایت کو بروئے کار لانا ،دو الگ چیزیں ہیں _
4)فقیہ کی ولایت انتصابی کی ادلّہ پر بعض افراد کا اعتراض یہ ہے کہ امام کی طرف سے فقہا کو ولایت کا حاصل ہونا معاشرتی نظام کے مختل ہونے اور خرابی کا باعث بنتا ہے _
5) ایك ہی واقعہ میں مختلف فقہا کا ولایت کو بروئے کار لانا اختلال نظام کا موجب بنتا ہے نہ ان کامنصب ولایت _
6) بعض روایات ضعف سند یا عدم وضاحت کی وجہ سے ولایت فقیہ کے مؤیّدات کے زمرہ میں آتی ہیں_
7) وہ روایات جو علماء اور فقہاء کو انبیاء (ع) کا وارث اور رسول خدا (ص) کا خلیفہ قرار دیتی ہیں فقیہ کی ولایت کی دلیل ہیں کیونکہ معاشرے کے امور کی تدبیر اور ولایت بھی انبیاء کی صفات میں سے ہیں_

210

سوالات :

1) "فقیہ کی ولایت انتصابی "کا نظریہ کن اعتراضات اور ابہامات سے دوچار ہے ؟
2) اگر ہر فقیہ عادل "منصب ولایت" کا حامل ہو تو کیا اختلال نظام کا باعث بنتا ہے ؟
3) کیا وہ امام معصوم جو خود بے بس ہو وہ کسی اور کو ولایت عامہ پر منصوب کرسکتا ہے ؟
4) روایت" اللہم ارحم خلفائي "سے فقیہ کی ولایت پر استدلال کیجیئے _
5) روایت "العلماء ورثۃ الانبیاء " کس طرح فقیہ کی ولایت پر دلالت کرتی ہے ؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

تیئیسواں سبق :

ولایت فقیہ پر عقلی دلیل

ہم گذشتہ چند اسباق میں ولایت فقیہ کی اصلی ترین ادلّہ روائي پر نظر ڈال چکے ہیں اب ولایت فقیہ پر قائم عقلی ادلّہ کی تحقیق و بررسی کرتے ہیں _
ہمارے علماء نے ہمیشہ نبوت اور امامت کی بحث میں عقلی ادلّہ سے استدلال کیا ہے " برہان عقلی " عقلی اور یقینی مقدمات سے تشکیل پاتا ہے _ یہ مقدمات چار خصوصیات یعنی کلیت ، ذاتیت، دوام اور ضرورت کے حامل ہونے چاہي ں_
اسی وجہ سے ان سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے وہ بھی کلی ، دائمی ، ضروری اور ذاتی ہوتا ہے اور کبھی بھی جزئي یا افراد سے متعلق نہیں ہوتا_ اسی وجہ سے نبوت اور امامت کے متعلق جو برہان قائم کئے جاتے ہیں وہ کسی خاص شخص کی نبوت یا امامت کے متعلق نہیں ہوتے _ اور نہ ہی کسی خاص فرد کی نبوت یا امامت کو ثابت کرتے ہیں _ بنابریں ولایت فقیہ کے مسئلہ میں بھی وہ عقلی دلیل جو خالصةً عقلی مقدمات سے تشکیل پاتی ہے جامع الشرائط

فقیہ کی اصل ولایت کو ثابت کرتی ہے _اور یہ کہ کونسا "فقیہ جامع الشرائط "اس ولایت کا حامل ہو ؟یہ ایك جزئي اور فردی امر ہے لہذا اس کا تعیّن عقلی دلیل سے نہیں ہوگا _(1)
دلیل عقلی کی دو قسمیں ہیں _
الف: عقلی محض ب: عقلی ملّفق
دلیل عقلی محض وہ دلیل ہے جس کے تمام مقدمات خالصةً عقلی ہوں اور ان میں کسی شرعی مقدمہ سے استفادہ نہ کیا گیا ہو _
دلیل عقلی ملّفق یا مرکب وہ دلیل عقلی ہے جس کے بعض مقدمات شرعی ہوں مثلاً آیات یا روایات یا کسی شرعی حکم سے مدد لی گئي ہو اور اس برہان کے تمام مقدمات خالصةً عقلی نہ ہوں _ولایت فقیہ کے باب میں ان دونوں قسم کی عقلی ادلّہ سے استدلال کیا گیا ہے _ ہم بھی اس سبق میں بطور نمونہ دونوں قسموں سے ایك ایك نمونہ ذکر کریں گے _
ولایت فقیہ کی عقلی ادلّہ کے بیان کرنے سے پہلے دو نکات کا ذکر کرنا ضروری ہے _
اس میں کوئي مانع نہیں ہے کہ عقلی دلیل کا نتیجہ ایك شرعی حکم ہو _کیونکہ عقل بھی شرعی احکام کے منابع میں سے ہے اور شارع مقدس کی نظر کو کشف کرسکتی ہے _ علم اصول میں مستقلات عقلیہ اور غیر مستقلات عقلیہ پر تفصیلی بحث کی گئي ہے اور علماء علم اصول نے بتایا ہے کہ کن شرائط پر عقل شرعی حکم کو کشف کرسکتی ہے _ شرعی حکم کے استنباط میں عقلی دلیل کا بھی وہی کردار ہے جو دوسری شرعی ادلّہ کا ہے شارع مقدس کی نظر کو کشف کرنے

1) ولایت فقیہ، عبداللہ جوادی آملی ،صفحہ 151_

میں عقلی دلیل کا قابل اعتبار ہونا اپنی جگہ پر ثابت ہوچکا ہے بنابریں ولایت فقیہ پر " دلیل عقلی محض" مستقلات عقلیہ کی قسم سے ہے اور مستقلات عقلیہ مینکسی نقلی دلیل سے مدد نہیں لی جاتی _
دوسرا نکتہ: یہ ہے کہ امامت اور نبوت پر قائم عقلیدلیل کی تاریخ بہت پرانی ہے _ لیکن ولایت فقیہ پر عقلی دلیلبعد والے ادوار میں قائم کی گئي ہے _ محقق نراقی پہلے شخص ہیں جنہوں نے ولایت فقیہ کے اثبات کیلئے عقلی دلیل کا سہارا لیا ہے پھر ان کے بعد آنے والے فقہاء نے اسے آگے بڑھایا ہے _ مختلف طرز کی عقلی ادلّہ کی وجہ ان کے مقدمات کا مختلف ہونا ہے اور بہت سے موارد میں ایك مشترك کبری مثلاً "قاعدہ لطف "یا "حکمت الہی "سے مدد لی گئي ہے _

ولایت فقیہ پر دلیل عقلی محض
نبوت عامہ کی ضرورت پرفلاسفہ کی مشہور برہان کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ جس کا نتیجہ نہ صرف "ضرورت نبوت "بلکہ "ضرورت امامت" نیز "ضرورت نصب فقیہ عادل "کی صورت میں سامنے آئے _ یہ برہان جو کہ "معاشرہ میں ضرورت نظم "کی بنیاد پر قائم ہے قانون خدا اور اسکے مجری کے ضروری ہونے کو ثابت کرتی ہے _ قانون کو جاری کرنے والا پہلے مرحلہ میں نبی ہوتا ہے اس کے بعد اسکا معصوم وصی اور جب نبی اور امام معصوم نہ ہوں تو پھر "قانون

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

شناس فقيہ عادل" كى بار ى آتى ہے _ بوعلى سينا جيسے فلاسفر كہ جنہوں نے اس برہان سے تمسك كيا ہے نے اسے اس طرح بيان كيا ہے كہ وہ صرف "اثبات نبوت" اور "بعثت انبياء كے ضرورى ہونے" كيلئے كار آمد ہے _(1)

1) الالہيات من الشفاء ،صفحہ 487، 488_ المقالة العاشرہ، الفصل الثانى _

214

ليكن ہمارا مدعا يہ ہے كہ اسے اس طرح بيان كيا جاسكتا ہے كہ امام معصوم كى امامت اور فقيہ عادل كى ولايت كے اثبات كيلئے بھى سودمند ثابت ہو _ اس برہان كے مقدمات درج ذيل ہيں :

1_ انسان ايك اجتماعى موجود ہے اور طبيعى سى بات ہے كہ ہر اجتماع ميں تنازعات اور اختلافات رونما ہوتے ہيں _ اسى لئے انسانى معاشرہ نظم و ضبط كا محتاج ہے _

2_ انسان كى اجتماعى زندگى كا نظم و ضبط اس طرح ہونا چاہيے كہ وہ انسانوں كى انفرادى اور اجتماعى سعادت اور كمال كا حامل ہو _

3_ اجتماعى زندگى كا ايسا نظم و ضبط جو ناروا اختلافات اور تنازعات سے مبرّا اور انسان كى معنوى سعادت كا ضامن ہو وہ مناسب قوانين اور شايستہ مجرى قانون (قانون جارى كرنے والا) كے بغير ناممكن ہے _

4_ خدا تعالى كى مداخلت كے بغيرتنہا انسان اجتماعى زندگى كے مطلوبہ نظم و ضبط كے قائم كرنے كى قدرت نہيں ركھتا _

5_ خدائي قوانين اور معارف الہى كے كسى نقص و تصرف كے بغير مكمل طور پر انسان تك پہنچنے كيلئے ضرورى ہے كہ اس كولانے اور حفاظت كرنے والا" معصوم "ہو _

6_ دين كامل كى تبيين اور اس كے اجرا كيلئے وصى اور امام معصوم كى ضرورت ہے _

7_ اور جب نبى اور امام معصوم نہ ہوں تو پھر مذكورہ ہدف(مطلوبہ اجتماعى زندگى اور قوانين الہى كا نفاذ) وحى شناس اور اس پر عمل كرنے والے رہبر كے بغير حاصل كرنا ممكن نہيں ہے _

اس برہان كا چھٹا مقدمہ" تقرر امام" كى ضرورت كيلئے سود مند ہے جبكہ ساتواں مقدمہ زمانہ غيبت ميں رہبر كے تقرركى ضرورت كو ثابت كرتا ہے _

215

اسى برہان كو آيت ا للہ جوادى آملى نے يوں بيان كيا ہے :

انسان كى اجتماعى زندگى اور اس كا انفرادى اور معنوى كمال ايك طرف تو ايسے الہى قانون كا محتاج ہے جو انفرادى اور اجتماعى لحاظ سے ہر قسم كے ضعف و نقص اور خطا و نسيان سے محفوظ ہو اور دوسرى طرف اس قانون كامل كے نفاذ كيلئے ايك دينى حكومت اور عالم و عادل حكمران كى ضرورت ہے _ انسان كى انفرادى يا اجتماعى زندگى ان دو كے بغير يا ان ميں سے ايك كے ساتھ متحقق نہيں ہو سكتى _ اجتماعى زندگى ميں ان دو كا فقدان معاشرہ كى تباہى و بربادى اور فساد و خرابى كا باعث بنتا ہے جس پر كوئي بھى عقلمند انسان راضى نہيں ہوسكتا يہ عقلى برہان كسى خاص زمانہ يا مقام كے ساتھ مخصوص نہيں ہے _ زمانہ انبياءؑ بھى اس ميں شامل ہے كہ جس كا نتيجہ ضرورت نبوت ہے اور آنحضرت (ص) كى نبوت كے بعد والا زمانہ بھى اس ميں شامل ہے كہ جس كا نتيجہ ضرورت امامت ہے اسى طرح امام معصوم كى غيبت كا زمانہ بھى اس ميں شامل ہے كہ جس كا نتيجہ "ضرورت ولايت فقيہ "ہے _(1)

"دليل عقلى محض "صرف مذكورہ دليل ميں محدود نہيں ہے بلكہ اس كے علاوہ بھى براہين موجود ہيں جو خالصةً عقلى مقدمات سے تشكيل پاتى ہيں اور زمانہ غيبت ميں نصب ولى كى ضرورت كو ثابت كرتى ہيں _

دليل عقلى ملفق

ولايت فقيہ كى عقلى دليل كو بعض شرعى دلائل اور مقدمات عقليہ كى مدد سے بھى قائم كيا جاسكتا ہے _ يہاں ہم اس طرح كے دو براہين كى طرف اشارہ كرتے ہيں _

استاد الفقہاء آيت اللہ بروجردى درج ذيل عقلى اور نقلى مقدمات كى مدد سے فقيہ كى ولايت عامہ كو ثابت كرتے ہيں _

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

1) ولایت فقیہ صفحہ 151، 152_

1_ معاشرہ کا رہبر ایسی ضروریات کو پورا کرتا ہے جن پر اجتماعی نظام کی حفاظت موقوف ہوتی ہے _
2_ اسلام نے ان عمومی ضروریات کے متعلق خاص احکام بیان کئے ہیں اور ان کے اجرا کی ذمہ داری مسلمانوں کے حاکم اور والی پر عائد کی ہے_
3_ صدر اسلام میں مسلمانوں کے قائد اور راہنما رسول خدا (ص) تھے اور ان کے بعد ائمہ معصومین اور معاشرے کے امور کا انتظام ان کا فریضہ تھا _
4_ سیاسی مسائل اور معاشرتی امور کی تدبیر و تنظیم اس زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں تھی _ بلکہ ان مسائل کا تعلق ہر زمانہ اور ہر جگہ کے مسلمانوں سے ہے _ ائمہ معصومین کے دور میں شیعوں کے پراگندہ ہونے کی وجہ سے آسانی کے ساتھا ئمہ تك ان کی دسترسی ممکن نہیں تھی _ اس کے باوجود ہمینیقین ہے کہ آپ نے ان کے امور کی تدبیر و انتظام کیلئے کسی کو ضرور مقرر کیا ہوگا تا کہ شیعوں کے امور مختل نہ ہوں _ ہم یہ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ ايك طرف زمانہ غیبت میں ائمہ معصو مین نے لوگوں کو طاغوت کی طرف رجوع کرنے سے منع کیا ہو اور دوسری طرف سیاسی مسائل ، تنازعات کے فیصلے اور دوسری اجتماعی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے کسی کو مقرر بھی نہ کیا ہو _
5_ ائمہ معصومین کی طرف سے والی اور حاکم کے تقرر کے ضروری ہونے کو دیکھتے ہوئے فقیہ عادل اس منصب کیلئے متعین ہے _ کیونکہ اس منصب پر غیر فقیہ کے تقرر کا کوئي بھی قائل نہیں ہے _ پس صرف دو احتمال ممکن ہیں _
الف : ائمہ معصومین نے اس سلسلہ میں کسی کو مقرر نہیں کیا صرف انہیں طاغوت کی طرف رجوع کرنے سے منع کیا ہے _

ب: اس ذمہ داری کیلئے فقیہ عادل کو مقرر کیا ہے _
مذکورہ بالا چار مقدمات کی رو سے پہلا احتمال یقینی طور پر باطل ہے _ پس قطعی طور پر فقیہ عادل کو ولایت پر منصوب کیا گیا ہے _ (1)
آیت اللہ جوادی آملی اس "دلیل عقلی مرکب "کو یوں بیان کرتے ہیں :
دین اسلام کا قیامت تك باقی رہنا ايك قطعی اور واضح سی بات ہے ... زمانہ غیبت میں اسلام کا تعطل کا شکار ہوجانا، عقائد ، اخلاق اور اعمال میں اسلام کی ابدیت کے منافی ہے _ اسلامی نظام کی تأسیس ، اس کے احکام اور حدود کانفاذ اور دشمنوں سے اس دین مبین کی حفاظت ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کی مطلوبیت اور ضروری ہونے میں کسی کو تردید و شك ہو _ حدود الہی اور لوگوں کی ہتك حرمت ، لوگوں کی ضلالت و گمراہی اور اسلام کا تعطل کا شکار ہوجانا کبھی بھی اللہ تعالی کیلئے قابل قبول نہیں ہے_ اسلام کے سیاسی اور اجتماعی احکام کی تحقیق و بررسی اور نفاذ جامع شرائط فقیہ کی حاکمیت کے بغیر ممکن نہیں ہے _ ان امور کو دیکھتے ہوئے عقل کہتی ہے : یقینا خداوند کریم نے عصر غیبت میں اسلام اور مسلمانوں کو بغیر سرپرست کے نہیں چھوڑا(2)
اس دلیل کے تمام مقدمات عقلی نہیں ہیں بلکہ اسلام کے اجتماعی اور اقتصادی احکام کے نفاذ ، مثلاًحدود و قصاص ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ، زکات اور خمس سے با صلاحیت حکومت کے وجود پر مدد لی گئي ہے_ لہذا یہ دلیل عقلی محض نہیں ہے _

1) البدر الزاہر فی صلاۃ الجمعۃ و المسافر 73 _ 78
2) ولایت فقیہہ ص 167_ 168_

خلاصہ :

1) بعض فقہی مسائل مینعقلی دلیل کا سہارا لیا جاتا ہے _ اور دلیل عقلی نظر شارع کو کشف کرتی ہے_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

2) دليل عقلى كى دوقسميں ہيں _ "دليل عقلى محض "اور" دليل عقلى ملفق "دليل عقلى محض مكمل طور پر عقلى اور يقينى مقدمات سے تشكيل پاتى ہے _ جبكہ دليل عقلى ملفق ميں عقلى مقدمات كے علاوہ شرعى مقدمات سے بھى استفادہ كيا جاتا ہے _

3) بحث امامت اور نبوت ميں دليل عقلى سے استدلال كرنا ايك قديمى اور تاريخى امر ہے _ ليكن ولايت فقيہ كى بحث ميں اس سے استفادہ كرنا بعد كے ادوار ميں شروع ہوا ہے_

4)وہ دليل جسے فلاسفہ نے نبوت عامہ اور بعثت انبياء كى ضرورت پر پيش كيا ہے اسے اس طرح بھى بيان كيا جاسكتا ہے كہ اس سے امام كى امامت اور فقيہ كى ولايت ثابت ہوجائے _

5)ولايت فقيہ پر قائم دليل عقلى ملفق كى روح اور جان يہ ہے كہ اسلام ہر دور اور ہر جگہ پر انسان كى ضروريات كو پورا كرنے كيلئے ہے _ اور جس طرح اسلام كے نفاذ كيلئے امام معصوم كى ضرورت ہے اسى طرح زمانہ غيبت ميں ايك اسلام شناس مجرى قانون كى بھى ضرورت ہے _

6) دليل عقلى ،امام اور فقيہ كے تقرر كى ضرورت كو ثابت كرتى ہے ليكن كبھى بھى جزئي اور شخصى نتيجہ نہيں ديتى اور اس بات كو مشخص نہيںكرتى كہ امام كون ہوگا _

سوالات :

1)" دليل عقلى محض" كى تعريف كيجئے_

2) "دليل عقلى ملفق يا مركب" كى تعريف كيجئے _

3) فقہ ميں دليل عقلى كى كيا حيثيت ہے ؟

4)ولايت فقيہ پر قائم ايك "دليل عقلى محض "كو مختصر طور پر بيان كيجئے_

5) آيت اللہ بروجردى نے ولايت فقيہ پر جو دليل عقلى ملفق قائم كى ہے اسے اختصار كے ساتھ بيان كيجئے _

چوتھا باب:

دينى حكومت كى خصوصيات اور بعض شبہات كا جواب

سبق 24 : فلسفہ ولايت فقيہ
سبق 25:رہبر كى خصوصيات اور شرائط
سبق 26:رہبر كى اطاعت كا دائرہ اور حدود
سبق 27:حكومتى حكم اور مصلحت
سبق 28:حكومتى حكم اور فقيہ كى ولايت مطلق
سبق 29 ، 30 : دينى حكومت كے اہداف اور فرائض
سبق 31، 32 : دينى حكومت اور جمہوريت

تمہيد:

زمانہ غيبت ميں شيعوں كا سياسى تفكر نظريہ ولايت فقيہ كے ساتھ جڑا ہوا ہے _ اور ہمارے سياسى نظام كى بنياد "ولايت"

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

پر استورا ہے_گذشتہ باب میں ہم نے شیعہ فقہا کی کتب سے ولایت کے اثبات اور اس نظرئے کی تاریخی حیثیت پر تفصیلی بحث کی ہے_ اس باب میں ہم ولائي حکومت کے مختلف پہلووں کی تحقیق، اور اس کی بعض خصوصیات اور اہداف پر روشنی ڈالیں گے حقیقت یہ ہے کہ آج کے دور میں پوری دنیا میں سیکولر، اور لبرل جمہوری حکومتیں مقبول عام ہیں جبکہ دینی حکومت اور ولایت فقیہ مختلف قسم کے حملوں کا شکار ہے جسکی وجہ سے ولایت فقیہ اور دینی حاکمیت پر مبتنی سیاسی نظریہ کے مقابلہ میں لوگوں کے اذہان سیکولر اور غیردینی سیاسی فلسفہ سے زیادہ آشنا اور مانوس ہیں لہذا دینی حکومت اور ولایت فقیہ کے نظریہ کو ثابت کرنے کیلئے ٹھوس اور منطقی ادلہ کی ضرورت ہے_
بعض شبہات اور اعتراضات کی بنیادی وجہ بغض اور کینہ و حسد ہے جبکہ بعض اعتراضات غلط فہمی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں_ ان دوسری قسم کے شبہات کے جواب کیلئے استدلالی اور منطقی گفتگو کے علاوہ کوئي چارہ نہیں ہے _
بنابریں اس باب میں دو بنیادی اہداف ہیں_ ايك طرف "حکومت ولائي" کے متعلق پائے جانے والے بعض ابہامات اور شبہات کا جواب دیا جائے گا اور دوسری طرف دینی حکومت کی بنیادی خصوصیات اور اس کے اہداف کی طرف اشارہ کیا جائے گا_

221

چوبیسواں سبق:

فلسفہ ولایت فقیہ

دوسرے معاشروں کی طرف اسلامی معاشرہ بھی سیاسی ولایت اور حاکمیت کا محتاج ہے جیسا کہ پہلے باب میں گذرچکاہے کہ انسانی معاشرہ اگرچہ کامل، شائستہ، منظم اور حق شناس افراد سے بھی تشکیل پایا ہو_ تب بھی اسے حکومت اور سیاسی ولایت کی ضرورت ہوتی ہے _ کیونکہ اس اجتماع کے امور کی تنظیم و تدبیر ايك حکومت کے بغیر ناممکن ہے _ وہ شے جو سیاسی اقتدار اور ولایت کے وجود کو ضروری قرار دیتی ہے وہ معاشرے کا نقص اور احتیاج ہے_ حکومت اور سیاسی اقتدار کے بغیر معاشرہ ناقص اور متعدد کمزوریوں کا شکار ہے _ حکومت اور سیاسی ولایت کی طرف احتیاج اس معاشرہ کے افراد کے ناقص ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتي_ بنابریں اگر ہمارے دینی متون میں فقیہ عادل کیلئے ولایت اور حاکمیت قرار دی گئي ہے تو اس کا مقصد فقط اسلامی معاشرہ کے نواقص کا جبران اور تلافی کرنا ہے _ اسلامی معاشرے کی حاکمیت، ولایت اور سرپرستی کیلئے فقیہ عادل کے تقرر کا معنی یہ نہیں ہے کہ مسلمان ناقص اورکم فہم ہیں اور انہیں ایك سرپرست کی ضرورت ہے _

222

بلکہ یہ انسانی اجتماع اور معاشرے کا نقص ہے کہ جو سیاسی اقتدار و ولایت کے تعین سے برطرف ہوجاتاہے_
جیسا کہ تیسرے باب میں تفصیل سے گذرچکاہے بہت سے شیعہ فقہا زمانہ غیبت میں اس سیاسی ولایت کو جامع الشرائط فقیہ عادل کا حق سمجھتے ہیں، یا اس وجہ سے کہ ادلّہ روائي میں اس منصب کیلئے فقیہ کا تقرر کیا گیا ہے یا امور حسبیہ کے باب سے کہ ان امور میں " فقیہ" کا حق تصرف قطعی امر ہے اور فقیہ کے ہوتے ہوئے دوسرے افراد ان امور کی سرپرستی نہیں کرسکتے _ حتی کہ وہ افراد جو زمانہ غیبت میں سیاسی ولایت کا معیار امت کے انتخاب کو سمجھتے ہیں اور فقیہ کے تقرر کے منکر ہیں وہ بھی معتقد ہیں کہ امت " فقیہ عادل" کے علاوہ کسی اور شخص کو حاکمیت کیلئے منتخب نہیں کرسکتی _ یعنی فقیہ کی ولایت انتخابی کے قائل ہیں_ پس یہ ادعا کیا جاسکتاہے کہ زمانہ غیبت میں شیعوں کا سیاسی نظریہ"" فقیہ عادل" کی سیاسی ولایت پر استوار ہے اور فرق نہیں ہے کہ اس زعامت اور حاکمیت کا سرچشمہ ادلّہ روائي ہوں جو فقیہ کو منصوب کرتی ہیں یا اسے امور حسبیہ کے باب سے ثابت کریں یا لوگوں کے منتخب شخص کیلئے فقاہت کو شرط قرار دیں _حقیقت میں اس نکتہ کا راز کیا ہے ؟ کیوں شیعہ علماء مصرّ ہیں کہ اسلامی معاشرہ کے سربراہ کیلئے فقاہت شرط ہے ؟
اس سوال کا جواب اس نکتہ میں پنہا ن ہے کہ اسلامی معاشرہ میں حکومت کی ذمہ داری یہ ہے کہ مسلمانوں کے مختلف امور کو شرعی تعلیمات کے مطابق بنائے_ سیکولر حکومتوں کے برعکس _کہ جو صرف امن و امان برقرار کرنے اور رفاہ عامہ جیسے امور کو لبرل یا دوسرے انسانی مکاتب کے اصولوں کے تحت انجام دیتی ہیں_ دینی حکومت کا ہدف ہر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

صورت میں فقط ان امور کا انجام دینا نہیں ہے بلکہ اسلامی معاشرہ میں اجتماعی تعلقات و روابط کو اسلامی موازین اور اصولوں کے مطابق بنانا اور مختلف اقتصادی و معاشی امور ،قانون ، باہمی تعلقات، اور ثقافتی روابط کودین کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ہے_ لہذا اسلامی معاشرہ کے رہبر کیلئے اجتماعی امور کی تنظیم

223

کی صلاحیت اور توانائي کے ساتھ ساتھ اسلام اور اس کے موازین و اصولوں سے کافی حد تک آشنا ہونا بھی ضروری ہے_ پس چونکہ مسلمانوں کی سرپرستی اور سیاسی ولایت کا بنیادی اور اصلی رکن اسلام شناسی ہے لہذا اسلامی معاشرے کا سرپرست و سربراہ فقیہ ہونا چاہیے_

یہ نکتہ اہلسنت کے بعض روشن فکر علماء کی نظر سے بھی پنہاں نہیں رہا _ اہلسنت اگرچہ ولایت انتصابی کے معتقد نہیں ہیں اور اکثریت اس کی قائل ہے کہ سیاسی رہبر کے تقرر کی کیفیت اور طریقہ کار کے متعلق دینی متون خاموش ہیں _ اس کے باوجود بعض نئے مصنفین اس بات پر مصر ہیں کہ سیاست اور اجتماع کی اخلاقی اقدار، اجتماعی تعلیمات اور بعض اصولوں کا تعین اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اسلامی معاشرے کے انتظام کی مطلوبہ شکل تقاضا کرتی ہے کہ اسلامی معاشرہ کے حکّام" عالم دین" ہونے چاہئیں_

قرآن اور احادیث میں کچھ ایسے امور بھی موجود ہیں جنہیں کم از کم اسلام میں حکومت کے اخلاقی اصول کہا جاسکتاہے _ مثلاً شوری کی مدح اور حکومت کے سلسلہ میں مشورہ کرنے کی ترغیب دلانا، عدل و انصاف اور فقراء و مساکین کی رعایت کی دعوت دینا وغیرہ ، واضح ہے کہ حکومت میں ان اخلاقی اصولوں کے اجرا کیلئے ضروری ہے کہ حکمران" عالم دین" ہو ں_ اور ان اصولوں کو جاری کرنے میں مخلص ہوں _(1)

شرط فقاہت میں تشكيك

اس اکثریتی اور مشہور نظریہ " کہ امت مسلمہ کے سیاسی حاکم میں فقاہت اور دین شناسی شرط ہے اور فقیہ

1) الدین والدولة و تطبیق الشریعة، محمد عابد جابری صفحہ 34_

224

کیلئے ولایت انتصابی ثابت ہے یا کم از کم سیاسی ولایت میں فقاہت شرط ہے" کے برعکس بعض افراد جو کہ فقیہ کی سرپرستی کے منکر ہیں ان کی نظر میں اسلامی تعلیمات کے نفاذ اور فقیہ کی سرپرستی کے درمیان کوئي ملازمہ نہیںہے_ درست ہے کہ اسلام اجتماعی اور سیاسی تعلیمات رکھتا ہے اور مخصوص اصولوں اور اقدار پر تاکید کرتاہے_ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاشرہ کا سیاسی اقتدار" فقیہ" کے ہاتھ میں ہو کیونکہ فقیہ کا کام احکام بیان کرنا ہے _ لیکن معاشرہ کے امور کی تنظیم اورسرپرستی کیلئے ان احکام کا اجرا اور اس کیلئے عملی اقدام کرنا فقیہ کی ذمہ داری نہیں ہے لہذا سیاسی اقتدار کیلئے فقاہت کی شرط ضروری نہیں ہے _اگر اجتماعی اور سیاسی امور میں فقیہ کی شرکت کو ضروری سمجھیں تواحکام الہی کے اجرا میں اس کی نظارت کے قائل ہوں اور واضح سی بات ہے کہ نظارت فقیہ اور ولایت فقیہ دو مختلف چیزیں ہیں اور " نظارت "کسی بھی اجرائي ذمہ داری کو" فقیہ" کا منصب قرار نہیں دیتي_

اسلامی معاشرہ کے نظام کے چلانے میں "فقاہت" کی شرط کو قبول نہ کرنے والے بعض لوگ استدلال کرتے وقت سیاستدان اور فقیہ کے درمیان تفاوت کو مد نظر رکھتے ہیں_ ان کی نظر میں سیاست اور معاشرہ کے امور کا اجرا ایك ایسا فن ہے جس کا تعلق جزئیات سے ہے_ جبکہ فقاہت اور اس سے اعلی تر مناصب یعنی امامت اور نبوت اصول اور کلیات سے سروکار رکھتے ہیں_ اصول اور کلیات میں ماہر ہونے کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ فقیہ معاشرہ کے نظام کی جزئیات میں بھی مہارت رکھتا ہو _اصول ، کلیات اور احکام ثابت اور نا قابل تغیر ہیں جبکہ سیاست ہمیشہ جزئي اور تبدیل ہونے والے امور کے ساتھ سر و کار رکھتی ہے_

جس طرح کوئي فلسفی اپنے عقلی نظریات اورفقیہ اپنے اجتہاد اور دین میں سمجھ بوجھ کے باوجود بغیر کسی تربیت اور تجربہ کے کپڑا نہیں بنا سکتا اور ڈارئیونگ نہیں کرسکتا _ اسی طرح فلسفی اپنی

225

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

عقل نظری اور فقیہ احکام دین میں مہارت رکھنے کے باوجو دسیاست نہیں کرسکتا _ کیونکہ فلسفہ ایك تھیوری اور نظری امر ہے _اسی طرح فقاہت یا اخلاقی تھیوری ایك ثابت اور غیر متغیّرش ے ہے جبکہ سیاست خالصةً ایك متغیر شے ہے حکومت اور تدبیرامور مملکت جو کہ لوگوں کے روز مرہ امور کی دیکھ بھال ، امن عامہ کا نظام اور اقتصادی امور سے عبارت ہیں تمام کے تمام عقل عملی کی شاخیں اور جزئي اور قابل تغیر چیزیں ہیں کہ جن کا تعلق حسی اور تجرباتی موضوعات سے ہے لہذا لازمی طور پر ان کی وضع و قطع ،الہی فرامین اور وحی سے مختلف ہے _ تجرباتی موضوعات کی صحیح تشخیص صرف لوگوں کی ذمہ داری ہے اور جب تك وہ صحیح طور پر ان امور کو تشخیص نہ دے لیں شریعت کے کلی احکام عملی طور پر نافذ نہیں ہوسکتے_

اس نظریہ کے بعض دوسرے حامی فقیہ کے کردار کو اصول اور کلیات میں منحصر نہیں سمجھتے _ بلکہ اس کیلئے شان نظارت کے بھی قائل ہیں_ ان کی نظر میں ایك دینی حکومت کے وجود و تحقق کیلئے ضروری نہیں ہے کہ اس کی رہبری فقیہ عادل کے ہاتھ میں ہو بلکہ فقیہ اگر مشیر اور ناظر کے عنوان سے ہو ، اور حکّام شریعت کے نفاذ میں مخلص ہوں تو دینی حکومت قائم ہوسکتی ہے_

گذشتہ مطالب کی بنا پر سیاسی حاکمیت میںفقاہت کی شرط قرار نہ دینے اور نتیجتاً فقیہ کی سیاسی ولایت سے انکار کا نظریہ دو امور پر استوارہے_

ایك یہ کہ فقہ میں مہارت کا حاصل ہونا معاشرہ کے سیاسی اور انتظامی امور کی سرپرستی میں فقیہ عادل کی اولویت پر دلالت نہیں کرتا_

دوسرا یہ کہ دینی حکومت کی تشکیل اور معاشرہ میں دینی احکام اور اہداف کا حصول فقیہ کی سیاسی حاکمیت میں منحصر نہیں ہے بلکہ ایسی دینی حکومتوں کا تصور کیا جاسکتا ہے جن میں فقیہ کو ولایت حاصل نہ ہواور فقط احکام کی تبیین یا زیادہ سے زیادہ شرعی احکام پر نظارت کرنا اس کی ذمہ داری ہو_

فقیہ کی سیاسی ولایت کا دفاع:

وہ نظریہ جو اسلامی معاشرہ کے اجتماعی امورکی تدبیر کیلئے فقاہت کو شرط قرار نہیں دیتا اور فقیہ کی سیاسی ولایت کو ضروری نہیں سمجھتا درحقیقت بہت سے اہم نکات سے غفلت بر تنے کی وجہ سے وجود میں آیا ہے_

اس نظریہ کی تحقیق اور تنقید کیلئے درج ذیل نکات پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے_

1_ کیا فقیہ کی سیاسی ولایت کے قائلین کی نظرمیں اس اجتماعی منصب کے حصول کی واحد علت اور تنہا شرط فقاہت ہے؟ یا اسلامی معاشرہ کی سیاسی حاکمیت کی ضروری شروط میں سے ایك شرط "فقاہت" ہے؟ جیسا کہ بعد والے سبق میں آئے گا کہ دینی منابع میں مسلمانوں کے امام کے جو اوصاف اور خصوصیات بیان کی گئي ہیں ، ان میں سے اسلام شناسی اور دین میں تفقہ و سمجھ بوجھ اہم ترین خصوصیات میں سے ہے_ عدالت ، شجاعت ، حسن تدبیر اور معاشرتی نظام کے چلانے کی صلاحیت اور قدرت بھی مسلمانوں کے امام اور والی کی معتبر شرائط میں سے ہیں_ اس اجتماعی ذمہ داری اور منصب میں مختلف اوصاف کی دخالت سے واضح ہوجاتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کے سرپرست کیلئے فقط فقاہت کا ہونا کافی نہیں ہے تا کہ کہا جائے کہ صرف دین میں تفقہ، معاشرتی نظام کوچلانے کی ضروری صلاحیت پیدا نہیں کرتااور سیاست اورمعاشرتی نظام کو چلانے کیلئے جزئیات کے ادراك کی خاص توانائي کی ضرورت ہے ، جبکہ فقاہت فقط احکام کلیہ اور اصول کو درك کرسکتی ہے_

2_ اگر چہ موجودہ سیکولر حکومتوں میں سیاسی اقتدار کے حاملین اجتماعی امور کی تدبیر ، امن عامہ اور رفاہ عامہ جیسے امور کولبرل اصولوں اور انسانی حقوق کی بنیاد پر انجام دیتے ہیں لیکن دینی حکومت دین کی پابند ہوتی ہے_ اور مذکورہ بالا اہداف کو شرعی موازین اور اسلامی اصولوں کی بنیاد پرتأمین کرتی ہے_ بنابریں سیاست اور اسلامی معاشرہ کی تدبیر کو کلی طور پر عملی سیاست ،عقل عملی اور فن تدبیر کے سپرد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ایسی

حکومت کی تدبیراور سیاست کو دینی موازین اور شرعی تعلیمات کے مطابق ہونا چاہیے _ پس ایسے معاشرہ کے سرپرست کیلئے ضروری ہے کہ سیاسی صلاحیت اور فن تدبیر کے علاوہ فقاہت سے بھی آشنا ہو اور اسلامی تعلیمات کی بھی شناخت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

رکھتا ہو _ اس مدعا کی دلیل یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں بعض مواردمیں نظام اور مسلم معاشرہ کی مصلحت یہ تقاضا کرتی ہے کہ حاکم ایک حکومتی حکم صادر کرے جبکہ بعض موارد میں یہ حکومتی حکم ،اسلام کے احکام اوّلیہ کے منافی ہوتا ہے _ فقیہ عادل کی ولایت عامہ کی ادلّہ کی بنیاد پر اس حکومتی حکم کا صادر کرنا" فقیہ" کا کام ہے اور اس کے ولائي احکام کی اطاعت کرنا شرعاً واجب ہے_ حالانکہ اگر اسلامی معاشرہ کا حاکم اور سیاسی اقتدار کا مالک "فقاہت" کا حامل نہ ہو تو نہ ہی وہ ایسے احکام صادر کرنے کا حق رکھتا ہے اور نہ ہی اس کے ان احکام کی پیروی کے لزوم کی کوئي دلیل ہے کہ جو ظاہری طور پر شریعت کے منافی ہیں_

دوسرا شاہد یہ ہے کہ مختلف اجتماعی امور میں اسلامی تعلیمات کے اجرا سے طبیعی طور پر بعض موارد ایسے بھی پیش آجاتے ہیں کہ جن میں بعض شرعی احکام دوسرے بعض شرعی احکام سے ٹکرا جاتے ہیں اور ان میں سے ایک پر عمل کرنا دوسرے کے ترک کرنے کا باعث بنتا ہے _ ان موارد میں حاکم کو تشخیص دینا ہوگی کہ کونسا حکم اہم اور کونسا غیر اہم ہے_ اورحاکم اہم کو غیر اہم پر ترجیح دے گا_ اہم موارد کو تشخیص دینے اور غیر اہم کو چھوڑنے کا حکم دینے کیلئے ضروری ہے کہ حاکم دینی تعلیمات سے گہری آگاہی رکھتا ہو_

یہ دو دلیلیں نشاندہی کرتی ہیں کہ اسلامی معاشرہ کی سرپرستی کیلئے دوسری حکومتوں میں رائج تدبیری مہارت کے ساتھ ساتھ "فقاہت" کی صلاحیت بھی ضروری ہے کسی حکومت کا دینی ہونا معاشرہ کی رہبری کیلئے ایسی شرط کا تقاضا کرتی ہے_

3_ وہ افراد جو ولایت فقیہ کی بجائے فقیہ کی مشاورت اور نظارت کی بات کرتے ہیں انہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فقہاء کو اقتدار سے دور رکھ کر اور فقط انہیں سیاسی نظام پر نظارت دینے سے یہ ضمانت نہیں دی جاسکتی

228

کہ دینی حکومت اپنے اہداف کو حاصل کر سکے گی _ یعنی اگر پیراگراف نمبر 2 سے چشم پوشی کر لیں اور فقہاء کے علاوہ دوسرے افراد کو سیاسی اقتدار دے دیں اور فقیہ کے کردار کو فقط نظارت میں محدود کردیں تو کیسے اس بات کی ضمانت دی جاسکتی ہے کہ اسلامی نظام برقرار رہے گا اور صاحبان اقتدار " ناظر فقیہ "کے اصلاحی مشوروں پر عمل کریں گے_ جب تمام اجرائي امور ان افراد کے ہاتھ میں ہوں جو شناخت اسلام میں مہارت نہیں رکھتے تو طبیعی طور پر شریعت کے منافی کام بڑھتے جائیں گے _ تو کن اسباب کی رو سے انہیں فقہاء کی نظارت کا نتیجہ قرار دیا جائے گا_ تجربہ سے ثابت ہوچکا ہے کہ قانوں ساز اداروں میں اساسی قانون میں فقیہ کو فقط ناظر قرار دینا اس نظام کے شرعی ہونے کیلئے کافی نہیں ہے_ تاریخ گواہ ہے کہ یہ اساسی قانون جلد ہی ختم ہوگیا _ اور عملی طور پر ملک کے سیاسی منظر سے فقہاء کی نظارت محو ہوگئي_ اس کی واضح مثال نہضت مشروطہ ہے(1)

1) تیرہویں ہجری شمسی کے ابتدائي دس عشروں میں ایران میں داخلی ظلم و استبداد اور بیرونی استعمار کے خلاف روحانیت (علمائ) کی قیادت میں ایک تحریک چلی تھی _ یہ قیام قاجار کی ظالمانہ حکومت کے خاتمہ کے خاتمہ یعنی 1323 سے 1384 تک جاری رہا_ اس تحریک کے راہنماؤں کا یہ اصرار تھا کہ قومی اسمبلی کے تمام قوانین شریعت اور دینی احکام کے ساتھ مشروط ہوں _ اسی لئے اس تحریک کو نہضت مشروطہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئي _

اگر چہ یہ قیام علماء کی راہنمائي میں شروع ہوا اور انہی کے زیر سایہ آگے بڑھا_ اور تمام مجاہدین اور کارکنوں کی تمام تر کوشش یہی رہی کہ دین کی حاکمیت قائم ہوجائے_ اور بیرونی طاقتوں کے تسلط کا خاتمہ ہوجائے_ لیکن چونکہ اسلامی حکومت کے تحقق اور شریعت کے نفاذ کیلئے ضروری اقدامات نہیں کئے گئے اور نہ ہی مراجع تقلید کی آراء کا خیال رکھا گیا اسی لئے تھوڑے ہی عرصہ میں جیسا کہ اوپر اشارہ ہوچکا ہے اس تحریک نے کامیابی حاصل کرنے کے بعد نہ صرف اپنے اسلامی افکار سے چشم پوشی کرلی _ بلکہ آیت اللہ شیخ فضل اللہ نوری جیسے افراد کو جام شہادت نوش کرنا پڑا اور روحانیت کو حکومتی اداروں سے بے دخل ہونا پڑا_

229

خلاصہ :

1) "فقیہ عادل" کیلئے ولایت کا عہدہ معاشرہ کے نقص اور ضعف کی تلافی کیلئے ہے_

2)شیعہ فقہا معاشرتی امور کی سرپرستی کیلئے فقاہت کو ضروری سمجھتے ہیں حتی کہ وہ فقہاء بھی جو فقیہ کی ولایت انتصابی کے معتقد نہیں ہیں_

3) سیاسی سرپرستی میں فقاہت کی شرط کا فلسفہ یہ ہے کہ حکومتی اہداف اور امور امن و امان اور رفاہ عامہ میں منحصر

نہیں ہیں بلکہ مختلف اجتماعی روابط کو اسلامی احکام کے ساتھ ہم آہنگ کرنا بھی حکومتی اہداف کا ایك حصہ ہے_
4) ولایت فقیہ کے بعض مخالفین نفاذ اسلام اور ولایت فقیہ کے درمیان ملازمہ کے قائل نہیں ہیں_ ان کی نظر میں معاشرہ کا انتظام سنبھالنا سیاست دانوں کا کام ہے نہ کہ فقیہ کا _ فقیہ اصول اور کلیات کا ماہر ہے _ جبکہ معاشرہ کا انتظام ہمیشہ جزئیات اور تغیرات کے ساتھ پیوستہ ہے_
5)ولایت فقیہ کے بعض دوسرے مخالفین دینی حکومت اور ولایت فقیہ کے درمیان ملازمہ کے قائل نہیں ہیں _ کیونکہ اسلامی نظام" فقیہ کی نظارت" سے بھی ممکن ہے_
6) ولایت فقیہ کے مخالفین نے چند بنیادی نکات سے غفلت برتی ہے ان میں سے ایك نکتہ یہ ہے کہ سیاسی سرپرستی کی واحد شرط "فقاہت" نہیں ہے تا کہ یہ کہا جائے کہ معاشرہ کی تدبیر کیلئے کچھ ایسی خصوصیات کی بھی احتیاج ہوتی ہے کہ جن میناصول اور کلیات کا جان لینا کافی نہیں ہے_
7) تاریخی تجربہ نے ثابت کیا ہے کہ فقط "نظارت فقیہ " مختلف معاشرتی امور اور سیاست کو اسلام کے ساتھ ہم آہنگ نہیں کرسکتي_

230

سوالات :

1) کیا مختلف فقہی مسالك متفق ہیں کہ اسلامی معاشرہ کی سرپرستی کیلئے فقاہت شرط ہے؟
2)سیاسی ولایت میں فقاہت کی شرط کا فلسفہ کیا ہے؟
3) ان لوگوں کے پاس کیا دلیل ہے جو معاشرہ کے سیاسی امور کی سرپرستی "فقیہ "کا کام نہیں سمجھتے؟
4)ان افراد کے کلام کا ماحصل کیا ہے جو "ولایت فقیہ" کی بجائے "نظارت فقیہ "کے قائل ہیں؟
5)ان افراد کے شبہ کو کیسے رد کیا جاسکتا ہے جو سیاسی ولایت کو فقیہ کی شان نہیں سمجھتے؟
6)ان لوگوں کو کیا جواب دیا جاسکتا ہے جو" ولایت فقیہ "کی بجائے "نظارت فقیہ "کے قائل ہیں؟

231

پچیسواں سبق :

رہبر کی شرائط اور خصوصیات

دوسرے سیاسی مکاتب فکرکے مقابلہ میں اسلام کے سیاسی تفکر کی امتیازی خصوصیات میں سے ایك خصوصیت یہ ہے کہ یہ معاشرہ کے سیاسی رہبر کیلئے مخصوص شرائط اور اوصاف کا قائل ہے_ آج کے رائج جمہوری نظاموں میں محبوبیت اورووٹ حاصل کرنے کی صلاحیت کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اورانہیں مکمل طور پر صاحبان اقتدار کے انفرادی کمالات اور خصوصیات پر ترجیح دی جاتی ہے_پروپیگنڈہ ، عوام پسند حرکات اور پر کشش نعروں سے لوگونکے اذہان کو ایك مخصوص سمت متوجہ کرنا اور پھر مقابلہ کے وقت لوگوں کی آراء کو اپنے حق میں ہموار کرنا رائج جمہوری نظاموں میں خصوصی اہمیت رکھتاہے_
اس کے برعکس اسلام کے مطلوبہ سیاسی نظام میں وہی شخص ولایت کے منصب کا حامل ہوسکتا ہے جو مخصوص انفرادی کمالات اور فضائل کا حامل ہو_ یہاں ہم ان اوصاف میں سے اہم ترین اوصاف کو ذکر کرتے ہوئے ان آیات و روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ان اوصاف کے ضروری ہونے کی شرعی ادلّہ ہیں_

الف : فقاہت

اسلامی معاشرہ کے حاکم کی واضح اور اہم ترین صفت اس کا اسلام اور دین کی اعلی تعلیمات سے مکمل طور پر آگاہ ہونا ہے_ گذشتہ سبق میں ہم اسلامی معاشرہ کے حاکم میں اس شرط کے وجود کے فلسفہ کی طرف اشارہ کر چکے ہیں_ اس صفت کی اہمیت اس نکتہ سے واضح ہوجاتی ہے کہ زمانہ غیبت میں شیعوں کے سیاسی نظام کے تعارف کیلئے اس صفت سے مدد حاصل کی جاتی ہے_ اور اس نظام کو "ولایت فقیہ" پر استوار کہا جاتاہے_ حالانکہ اسلامی معاشرہ کے حاکم کیلئے اور بھی شرائط ہیں_ ہم اس نظام کو" ولایت عادل" ، "ولایت مدبر" یا "ولایت مومن و متقی " پر استوار بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ تمام اوصاف بھی اسلامی حاکم کیلئے شرط ہیں _ لیکن دوسرے اوصاف کی نسبت اس وصف" فقاہت " کی اہمیت کی وجہ سے اسے دوسرے اوصاف پر ترجیح دیتے ہیناور اسلامی معاشرہ کی ولایت کو "ولایت فقیہ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں_

فقاہت کی شرط کا "ولایت فقیہ "کی روائي ادلّہسے واضح ثبوت ملتا ہے_ ہم نمونہ کے طور پر ان روایات کے بعض جملوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں_

مقبولہ عمر ابن حنظلہ میں ہے:

"من كان منكم ممّن قد روى حديثنا و نظر فى حلالنا و حرامنا و عرف احكامنا فليرضوا به حكما، فانّى قد جعلته عليكم حاكماً"(1)

تم میں سے جس شخص نے ہماری احادیث کی روایت کی ہو اورہمارے حلال و حرام میں غور و

1) وسائل الشیعہ ج 27، ص 136، 137، باب 11 ، از ابواب صفات قاضی ح 1_

فکر کیا ہو اور ہمارے احکام سے واقف ہو اسے اپنا حَکَم(فیصلہ کرنے والا) قراردو کیونکہ میں نے اسے تم پر حاکم بنایا ہے_

مشہورہ ابی خدیجہ میں امام صادق فرماتے ہیں:

"ولكن انظروا الى رجل منكم يعلم شيئاً من قضائنا فاجعلوه بينكم"(1)

لیکن دیکھو تم میں سے جو شخص ہماری قضاوت سے واقف ہو اسے اپنے درمیان (قاضي) قراردو_

حضرت امیر المومنین فرماتے ہیں:

قال رسول الله (ص) "اللہم ارحم خلفائي" ثلاث مرّات قيل يا رسول الله : و من خلفائك ؟ قال "الذين ياتون من بعدى يروون حديثى و سنتي" (2)

پیغمبر اکرم (ص) نے تین دفعہ فرمایا: خدایا میرے خلفا پر رحم فرما پوچھا گیا یا رسول اللہ آپکے خلفا کون ہیں ؟ تو فرمایا جو میرے بعد آئیں گے اور میری حدیث و سنت کی روایت کریں گے_

توقیع امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف مینہے:

"اما الحوادث الواقعة فارجعوا فيہا الى رواة احاديثنا"(3)

پیش آنے والے واقعات میں ہماری احادیث کے راویوں کی طرف رجوع کرو_

ولایت فقیہ کی ادلّہ روائي کی متعلقہ بحث میں ہم نے ان روایات پر تفصلی بحث کی ہے اور ثابت کرچکے ہیں کہ " رواۃ احادیث "سے یہاں مراد صرف احادیث کو نقل کرنے والے نہیں بلکہ وہ علماء ہیں جو دین میں

1) کافی ج 7 ، ص 412، کتاب القضا و الاحکام باب کراهیة الارتفاع الی قضاۃ الجور ،ح 4_
2) کمال الدین ،شیخ صدوق ،ج 2 ، باب 45 ، ح 4_
3) عیون اخبار الرضا ،ج 2 ، ص 37 ، باب 31 ، ح 94_

سمجھ بوجھ رکھتے ہیں اور ائمہ معصومین کی احادیث کے مفاہیم اور دقیق اشارات سے آگاہ ہیں _ وگرنہ صرف نقل حدیث

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مرجعیت اور ولایت کیلئے کافی نہیں ہے_

ب : عدالت
سیاسی ولایت اور اجتماعی امور کی تدبیر سے کم مرتبہ امور مثلاً امامت جماعت اور قضاوت میں بھی شیعہ فقہا عدالت کو شرط سمجھتے ہیں _ پس اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امت کی امامت جیسے عظیم امر جو کہ لوگوں کی سعادت اور مصالح کے ساتھ مربوط ہے میں عدالت ایك بنیادی شرط ہے_
بہت سی آیات اور روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ فاسق اور ظالم کا اتباع جائز نہیں ہے_ قرآن مجید میں اللہ تعالی ہمیںظالموں کی طرف جھکاؤ سے منع کرتا ہے_
"و لا تَرکَنوا إلی الّذین ظَلَموا فتمسَّکم النار و ما لَکُم من دون الله من أولیاء ثمّ لا تُنصرون"(1)
اور ظالموں کی طرف جھکاؤ مت اختیار کرو ورنہ جہنم کی آگ تمہیں چھولے گی اور خدا کے علاوہ تمہارا کوئي سر پرست نہیں ہے پھر تمہاری مدد بھی نہیں کی جائے گي_
ظالموں کی طرف تمایل اور ان پر تکیہ کرناان کی دوستی اور اتباع سے وسیع تر ایك مفہوم ہے _ پس غیر عادل امام اور رہبر کی نصرت ، مدد اور اطاعت بھی اس میں شامل ہے _ ظالموں کی طرف جھکاؤ کی وضاحت کے ذیل میں علی بن ابراہیم ایك روایت نقل کرتے ہیں:
"رکون مودّة و نصیحة و طاعة" (2)
جھکاؤ سے مراد دوستی ، نصیحت اور اطاعت والا جھکاؤہے _

1) سورہ ہود آیت 113_
2) تفسیر علی ابن ابراہیم قمی ج 1 ، ص 338 ، اسی آیت کے ذیل میں_

اللہ تعالی نے بہت سی آیات میں لوگوں کومسرفین گناہگاروں اور ہوا پرست افراد کی اطاعت سے منع کیا ہے_ یہ تمام امور بے عدالتی کی علامت ہیں_
"و لا تُطیعوا أمرَ المُسرفین* الّذین یُفسدون فی الا رض و لا یُصلحون"(1)
اور زیادتی کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو_ جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے_
"و لا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا و اتبع ہواہ و کان امرہ فرطاً"(2)
اور اس کی اطاعت نہ کرو جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے وہ اپنی خواہشات کا تابع ہے اور اس کا کام سراسر زیادتی کرنا ہے_
بہت سی روایات میں بھی امام اور رہبر کیلئے عدالت کو شرط قرار دیا گیا ہے_
حضرت امام حسین اہل کوفہ کو لکھتے ہیں:
"فلعمری ما الامام الاّ الحاکم بالکتاب ، القائم بالقسط والدائن بدین الله"(3)
مجھے اپنی جان کی قسم امام وہی ہو سکتا ہے جو قرآن کے مطابق فیصلہ کرے، عدل و انصاف قائم کرے اور دین خدا پر عمل کرے_

1) سورہ شعراء آیت 151، 152_
2) سورہ کہف آیت 28_
3) ارشاد مفید ج 2 ، ص 39_

امام باقر محمد ابن مسلم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:
" ...والله یا محمّد، مَن اصبح من ہذہ الا مة لا امامَ لہ من الله (عزوجل) ظاہر عادل أصبح ضالاً تائہاً ، و ان ماتَ علی ہذہ الحالة مات میتة کفر و نفاق و اعلم یا محمّد، أنّ أئمة الجور وأتباعہم لمعزولون عن دین الله قد ضلّوا و ا ضلّوا"(1)
اے محمد، خدا کی قسم اس امت میں سے جس شخص نے خدا کی طرف سے مقرر کردہ امام عادل کے بغیر صبح کی اس نے گمراہی اور ضلالت کی حالت میں صبح کی اور اگر وہ اس حالت میں مرگیا تووہ کفر و نفاق کی موت مرا _ اے محمد،

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جان لو یقیناً فاسق اور فاجر ائمہ اور ان کا اتباع کرنے والے دین خدا پر نہیں ہیں_ وہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں_
معاویہ کے سامنے امام حسن خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: جو شخص ظلم کرے اور عدالت کی راہ سے ہٹ جائے وہ مسلمانوں کا خلیفہ نہیں ہوسکتا_
"انما الخلیفة مَن سار بکتاب الله و سنة نبیّہ (صلی الله علیہ وآلہ و سلم) و لیس الخلیفة من سار بالجور"(2)
یقیناخلیفہ وہی ہے جو کتاب خدا اور سنت رسول (ص) پر عمل کرے_ جو ظلم و جور کی راہ پر چلے وہ خلیفہ نہیں ہے_
یہ آیات و روایات جن کی طرف ہم نے بطور نمونہ اشارہ کیا ہے _ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق و فاجر اور ظالم شخص امت کا شرعی حاکم نہیں ہوسکتا اور غیر عادل کی ولایت ولایت طاغوت کی اقسام میں سے ہے_

1) کافی ج 1، ص 184، باب معرفة الامام و الرد علیہ ح 8_
2) مقاتل الطالبین، ابو الفرج اصفہانی ص 47_

237

ج : عقل ،تدبیر ، قدرت ، امانت

مذکورہ بالا شرائط عقلائي پہلو کی حامل ہیں _ یعنی سرپرستی کا طبیعی تقاضا یہ ہے کہ انسان ان خصوصیات و شرائط کا حامل ہو اور لوگ ان صفات کو معاشرے کے منتظم کیلئے ضروری سمجھتے ہیں_ آیات و روایات میں بھی تاکید کی گئي ہے کہ معمولی منصب پرفائز لوگوں کیلئے ان خصوصیات کا ہونا ضروری ہے_
جبکہ معاشرہ کی امامت و رہبری تو بہت بڑا منصب ہے_
ارشاد خداوندی ہے:
"لا تؤتوا السُفہائَ ا موالکم الّتی جعل الله لکم قیاماً "
ناسمجھ لوگوں کو اپنے وہ اموال نہ دو جن پر الله نے تمہارا نظام زندگی قائم کررکھاہے_(1)
جب بادشاہ مصر سے حضرت یوسف نے کہا کہ مجھے وزیر خزانہ بنادے تو اپنی دو خصوصیات "علم اور امانت داری "کو ذکر کیا _ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ معاشرہ کے رہبر کو ان خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے_
" قال اجعلنی علی خزائن الارض انّی حفیظ علیم"(2)
کہا مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کردو میں محافظ بھی ہوں اور صاحب علم بھي_
حضرت شعیبکی بیٹی نے جب حضرت شعیب کے اموال کی سرپرستی کیلئے حضرت موسی کا تعارف کروایا تو آپ (ع) کی خصوصیات میں سے "قدرت و توانائي "اور " امین" ہونے کا خاص طور پر تذکرہ کیا _ لہذا معاشرہ کے سرپرست کو بطریق اولی ان خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے_
" قَالَت إحدَاہُمَا یَاأَبَت استَأجرہُ إنَّ خَیرَ مَن استَأجَرتَ

1) سورہ نساء آیت 5_
2) سورہ یوسف آیت 55_

238
القَویُّ الأَمینُ"(1)
ان میں سے ایك لڑکی نے کہا اے بابا جان اسے اجیر رکھ لیجئے _ کیونکہ آپ جسے بھی اجیر رکھیں گے ان میں سے سب سے بہتر وہ ہوگا جو صاحب قوت بھی ہو اور امانتدار بھي_
حضرت علی تاکید فرماتے ہیں کہ امت کے امور کی باگ ڈور کم عقل، نالائق اور فاسق افراد کے ہاتھ میں نہیں ہونی چاہیئے_
"و لکنّنی آسی أن یلیَ أمر ہذہ الا ُمَّة سُفہاؤُ ہا و فُجّارُہا ، فیتَّخذوا مالَ الله دُوَلاً و عبادَہ خَوَلاً و الصالحین حَرباً والفاسقین حزباً"(2)
لیکن مجھے یہ غم رہے گا کہ اس امت کی حکومت بیوقوفوں اور فاجروں کے ہاتھ میں آجائے گی ، وہ بیت المال پر قابض ہوجائیں گے، خدا کے بندوں کو غلام بنالیں گے، نیك لوگوں سے لڑیں گے، اور بدکاروں سے دوستی کرینگے_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

فضل ابن شاذان امام رضا سے روایت کرتے ہیں کہ "امین امام" کے نہ ہونے سے شریعت نابود ہوجاتی ہے_
"انّہ لو لم يَجعل لَہُم ، اماماً قَيّماً أميناً حافظاً مستودعاً لَدَرَست الملّة"
اگر ان کیلئے امین ، حفاظت کرنے والا اور امانتدار امام قرار نہ دیا جائے تو ملت محو ہوجائے_(3)

1) سورہ قصص آيت 26_
2) نہج البلاغہ ، مكتوب 62_
3) علل الشرائع شيخ صدوق ،باب 182، ح 9 ، ص 253_

حضرت امیر المؤمنین حسن تدبیر اور سیاست کو اطاعت کی شرط قرار دیتے ہوئے فرماتےہیں :
"من حسنت سياستہُ وجبت طاعتُہ"
جس کی سیاست صالح ہو اس کی اطاعت واجب ہے_(1)
"مَن احسن الكفاية استحق الولاية"(2)
جو حسن تدبیر رکھتا ہو وہ حکومت کا حقدار ہے_
ايك روايت ميں حضرت امیر المؤمنین لشکریوں کے امور کی سرپرستی کیلئے علم ، حسن تدبیر ، سیاست اور حلم و بردباری جیسی صفات کو ضروری قرار دیتے ہیں _
"و لّ أمر جنودك أفضلہم فی نفسك حلماً وأجمعہم للعلم و حسن السياسة و صالح الا خلاق"(3)
تیرے لشکر کی سرپرستی اور کمانڈ اس شخص کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے جو تیرے نزديك ان سب سے زیادہ بردبار ہو _ علم ، حسن سیاست اور اچھے اخلاق کا حامل ہو_
ولایت اور رہبری کی اہم ترین صفات اور شرائط ہم بیان کرچکے ہیں _ لیکن ايك اہم اور قابل توجہ بحث یہ ہے کہ کیا فقہ میں اعلمیت (سب سے زیادہ فقہ کو جاننے والاہونا) بھی معاشرہ کی امامت اور ولایت کیلئے شرط ہے؟ اس بحث کو "فقاہت" کے شرط ہونے کو ثابت کرنے کے بعد ذکر کیا جاتا ہے_

1) غرر الحكم آمدي،ج 5 ، ص 211، ح 8025_
2) غرر الحكم ، صفحہ 349 حديث 8692_
3) دعائم الاسلام ج 1 ص 358_

فقہ میں اعلمیت کی شرط

سیاسی ولایت اور رہبری کی شروط کی بحث کا ايك اہم نکتہ "اعتبار اعلمیت "ہے _ یعنی کیا ضروری ہے کہ ولی فقیہ شرعی احکام کے استنباط اور قوت اجتہاد میں دوسرے تمام فقہاء سے زیادہ اعلم ہو؟ جامع الشرائط فقیہ مختلف ولایات کا حامل ہوتا ہے_ شرعی فتاوی دینا اس کی شان ہے ،منصب قضاوت پر فائز ہوتا ہے_ امور حسبیہ پر ولایت رکھتا ہے_ ولایت عامہ اور حاکمیت کا حامل ہوتا ہے_ سوال یہ ہے کہ ان تمام ولایات میں فقہی اعلمیت شرط ہے؟ فقیہ کے بعض امور و اوصاف میں اعلمیت کی شرط زیادہ کار آمد ہے_ مثلاً منصب قضاوت کی نسبت فتوی دینے اور مرجعیت کیلئے فقہ میں اعلمیت کی شرط زیادہ مناسبت رکھتی ہے کیونکہ اگر منصب قضاوت کیلئے اعلمیت کو شرط قرار دیں تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ تمام اسلامی ممالك میں صرف ايك ہی قاضی ہو_ اور یہ عسر و حرج اور شیعوں کے امور کے مختل ہونے کا باعث بنے گا_ اب بحث اس میں ہے کہ کیا "ولایت تدبیری "اور " سیاسی حاکمیت" قضاوت کی مثل ہے یا فتوی کی مثل ؟ اور کیا فقہی اعلمیت اس میں شرط ہے؟
اگر ہم روایات کو ان کی سند کے ضعف و قوت سے قطع نظر کرکے دیکھیں تو ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ " اعلمیت شرط" ہے _ کتاب سلیم ابن قیس ہلالی میں حضرت امیرالمؤمنین سے روایت کی گئي ہے کہ :
"ا فينبغی أن يكونَ الخليفة على الا ُمّة الاّ اعلمہم بكتاب الله و سنّة نبيّہ و قد قال الله : (أفمن يَہدی الى الحقّ أحقّ أن يتّبع أمّن لا يَہدّی إلاّ أن يُہدي)(1)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

1) كتاب سليم بن قيس ہلالي، ص 118_

241

امت پر خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جو دوسروں کی نسبت کتاب خدا اور سنت رسول (ص) کو زیادہ جانتا ہو _ کیونکہ اللہ تعالی فرماتا ہے : کیا جو شخص حق کی طرف ہدایت کرتا ہے زیادہ حقدار ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے یا وہ شخص جو ہدایت کرنے کے قابل نہیں ہے بلکہ یہ کہ خود اس کی ہدایت کی جائے_

برقی اپنی کتاب "المحاسن" میں رسولخدا (ص) سے روایت کرتے ہیں:

"مَن أمّ قوماً و فيهم أعلم منه أو أفقه منه لَم يَزَل أمرہم فى سفال الى يوم القيامة"(1)

جب کسی قوم کا حاکم ایسا شخص بن جاتا ہے کہ اس قوم میں اس سے زیادہ علم رکھنے والا اور اس سے بڑا فقیہ موجودہو تو قیامت تك وہ قوم پستی کی طرف گرتی رہے گے_

معاویہ کے سامنے امام حسن خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قال رسول الله (ص) :" ما ولّت أُمة أمرہا رجلاً قطّ و فيہم من ہو أعلم منہ الاّ لم يزل أمرہم يذہب سفالاً حتّى يرجعوا الى ما تركوا"(2)

رسولخدا (ص) نے فرمایا ہے کہ جب امت اپنی حکومت ایسے شخص کے حوالہ کردیتی ہے جس سے زیادہ علم رکھنے والے موجو د ہوں تو وہ امت ہمیشہ پستی اور زوال کی طرف بڑھتی رہتی ہے _ یہاں تك کہ اسکی طرف پلٹ آئیں جسے انہوں نے ترك کیا تھا_

1) المحاسن برقی ،ج 1 ، ص 93 ، ح 49_
2) غاية المرام ،بحراني، ص 298_

242

اس مسئلہ کے حل کیلئے درج ذیل نکات پر غور کرنا ضروری ہے_

1_ شیعہ فقہاء کے اقوال کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فتوی ، تقلید اور مرجعیت کے علاوہ کسی اور امر میں اعلمیت شرط نہیں ہے_ جنہوں نے اعلمیت کو شرط سمجھا ہے انہوں نے اسے مرجعیت اور تقلید میں منحصر قرار دیا ہے_آیت اللہ سید کاظم طباطبائي كتاب "العروة الوثقى " "جو کہ بعد والے فقہاء کیلئے ہمیشہ سے قابل توجہ رہی ہے " میں کہتے ہیں:

لا يعتبر الأعلمية فى ما أمرہ راجع إلى المجتہد إلاّ فى التقليد ; و أمّا الولاية ... فلا يعتبر فيہا الأعلمية(1)

مجتہدکے ساتھ مربوط امور میں سے تقلید کے علاوہ کسی میں اعلمیت شرط نہیں ہے، ولایت ...میں بھی اعلمیت شرط نہیں ہے_

وہ فقہاء جنہوں نے کتاب العروة الوثقی پر حواشی تحریر فرمائے ہیں انہوں نے بھی اس مسئلہ کو قبول کیا ہے_ بنابریں آیت اللہ حائری ، آیت اللہ نائینی ، آیت اللہ ضیاء عراقی ، آیت اللہ کاشف الغطائ، سید ابوالحسن اصفہانی ، آیت اللہ بروجردی ، سید احمد خوانساری ، امام خمینی ، آیت اللہ میلانی ، آیت اللہ گلپایگانی ، آیت اللہ خوئي ، آیت اللہ محسن حکیم اور آیت اللہ محمود شاہرودی (رحمة اللہ علیہم) بھی حاکم شرعی کیلئے فقہی اعلمیت کو شرط قرار نہیں دیتے_

شیخ انصاری (رحمة اللہ علیہ) بھی اختلاف فتوی کے وقت اعلمیت کو معتبر سمجھتے ہیں حاکم شرع کی ولایت میں اسے شرط قرار نہیں دیتے_

1) العروة الوثقى ،مسئلہ 68، اجتہاد و تقليد_

243

آپ فرماتے ہیں :

"و كذا القول فى سائر مناصب الحكم كالتصرّف فى مال الإمام و تولّى أمر الأيتام و الغيّب و نحو ذلك; فإنّ الاعلمية لا تكون مرجّحاً فى مقام النصب و إنّما ہو مع الاختلاف فى الفتوى "(1)

اور یہی قول تمام مناصب حکم میں جاری ہے_ مثلا مال امام میں تصرف ، یتیموں اور غائب کے امور کی سرپرستی و غیرہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

، کیونکہ ان سب مناصب میں اعلمیت کو ترجیح حاصل نہیں ہے البتہ جب فتاوی میں اختلاف ہوجائے تو اس وقت اعلمیت کو ترجیح دی جائے گی _
صاحب جواہر کہتے ہیں : نصب ولایت کے متعلق جو نصوص اور روایات ہیں ان میں فقاہت کی شرط ہے نہ کہ اعلمیت کی _

"بل لعل اصل تأہل المفضول و کونہ منصوباً یجری علی قبضہ و ولایتہ مجری قبض الافضل من القطعیات التی لاینبغی الوسوسة فیہا، خصوصاً بعد ملاحظة نصوص النصب الظاہرة فی نصب الجمیع الموصوفین بالوصف المذبور لا الافضل منہم، والا لوجب القول " انظروا الی الافضل منکم" لا "رجل منکم" کما ہو واضح بأدنی تأمّل"(2)

1) التقلید ،شیخ انصاری ،ص 67_
2) جواہر الکلام ،ج 40، ص 44، 45_

244

2_اجتماعی امور کی تدبیر کیلئے حکم کی شناخت کے علاوہ موضوع کی پہچان اورشناخت بھی ضروری ہے _ دوسرے لفظوں میں معاشرے کے امور کے انتظام اورتدبیر کیلئے فقط جزئي احکام اور فقہی فروعات کے استنباط کی صلاحیت کافی نہیں ہے _ بنابریں ممکن ہے ان روایات میں موجود لفظ اعلمیت سے مراد یہ ہو کہ حکم اور موضوع کی شناخت سمیت ہر لحاظ سے توانائي اور صلاحیت رکھتا ہو، یعنی وہ امت جس میں ایك ایسا شخص موجود ہو جو انتظامی امور کے سلسلہ میں اعلم ہو اور علمی اور عملی صلاحیت کے لحاظ سے دوسروں سے آگے ہو، اسے چھوڑ کر اپنے امور اس شخص کے حوالہ کرنا جو اعلم نہیں ہے کبھی بھی سعادت و کامیابی کا باعث نہیں بن سکتا_
3_فقاہت اور اجتہاد کے مختلف پہلو ہیں; ممکن ہے ایك فقیہ عبادات کے باب میں اعلم ہو ، دوسرا معاملات میں اور تیسرا اجتماعی اور سیاسی امور میں اعلم ہو_
حکم اور موضوع کی مناسبت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اعلمیت کی شرط پر مصرّ رہیں تو پھر اجتماعی اور سیاسی امور میں اعلمیت "سیاسی رہبر اور ولی "کیلئے معیار ہونی چاہیے کیونکہ صرف عبادات یا معاملات میں اعلمیت" سیاسی ولایت" کیلئے ترجیح کا باعث نہیں بنتی _بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرتی اور سیاسی امور میں "اعلمیت" معیار ہے _ مثلا اس روایت میں " فیہ" کی ضمیر اعلمیت کو حکومت میں محدود کر رہی ہے_
"ایہا الناس، انّ احق الناس بہذا الامر ا قواہم علیہ، و اعلمہم با مر اللہ فیہ"(1)
اے لوگو حکومت کرنے کا سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جو اس پر سب سے زیادہ قادر ہو اور اس حکومت کے سلسلہ میں دوسروں کی نسبت امر خدا کو زیادہ جانتا ہو _

1) نہج البلاغہ خطبہ 173_

245

خلاصہ :

1) اسلام کے سیاسی نظام کی ایك خصوصیت یہ ہے کہ وہ سیاسی اقتدار کیلئے ذاتی اور انفرادی خصوصیات اور کمالات کا بھی قائل ہے_
2) اسلامی معاشرہ کے حاکم کی اہم ترین صفت "فقاہت" اور اسلام کے بارے میں مکمل اور عمیق آگاہی ہے_
3) ولایت فقیہ کی ادلّہ روائي سے "فقاہت کی شرط" کا صاف پتہ چلتا ہے_
4)بہت سی نصوص میں شیعوں کو احادیث کی روایت کرنے والے راویونکی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دلائي گئي ہے کہ جس سے مراد فقہاء ہیں، کیونکہ فقاہت اور تفکر کے بغیر فقط احادیث کا نقل کرنا مرجعیت کیلئے کافی نہیں ہے_
5)اسلامی حاکم کی دوسری اہم ترین شرط اسکا "عادل" ہوناہے_
6)قرآن مجید میں اللہ تعالی نے مختلف آیات کے ذریعہ لوگوں کو ان افراد کی اطاعت کرنے سے منع کیا ہے جن میں کسی لحاظ سے بے عدالتی ہو_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

7) ادلّہ روائي سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق و فاجر کی ولایت ، "ولایت طاغوت "کی قسم ہے_
8)رہبری اور حاکمیت کی بعض صفات اور شرائط مثلاً عقل ، حسن تدبیر اور صلاحیت، عقلائي پہلو کی حامل ہیں_
9) شرائط رہبری کی مباحث میں سے ایك اہم بحث اعلمیت کی شرط کا معتبر ہونا ہے_
10) اکثرفقہا کی نظر میں اعلمیت فتوی کی شرط ہے_ لیکن فقیہ کی دوسری ذمہ داریوں مثلا قضاوت اور امور حسبیہ کی سرپرستی ایسے امور کیلئے اعلمیت شرط نہیں ہے_

246

11) معاشرتی امور کی تدبیر کیلئے حکم کی شناخت کے علاوہ موضوع کی شناخت ، سیاسی حالات سے آگاہی اور داخلی و عالمی روابط کے متعلق معلومات بھی ضروری ہیں لہذا بعض روایات میں جو اعلمیت کو شرط قرار دیا گیا ہے اسے صرف حکم کی شناخت کے استنباط میں محدود نہیں کیا جاسکتا_

سوالات :
1) سیاسی ولایت میں " فقاہت کی شرط"پر کیا دلیل ہے؟
2) سیاسی ولایت میں عدالت کی شرط کی بعض ادلّہ کو اختصار کے ساتھ بیان کیجئے_
3)استنباط میں اعلمیت ،شرعی ولایت کی کونسی قسم کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتی ہے؟
4)قضاوت کے منصب کیلئے اعلمیت شرط نہیں ہے_کیوں؟
5)کیا "سیاسی ولایت "میں "اعلمیت" شرط ہے؟

اسلامی نظریہ حکومت

247

چھبیسواں سبق:

رہبر کی اطاعت کی حدود

اس سبق کا اصلی موضوع یہ ہے کہ ولایت فقیہ پر مبنی نظام میں لوگ کن امور میں رہبر کی اطاعت کرنے کے پابند ہیں اور ولی فقیہ کی اطاعت کا دائرہ کس حد تك ہے؟ کیا بعض امور میں اس کی مخالفت کی جاسکتی ہے؟ اور کیا اس کے فیصلے یا نظریئے کو رد کرسکتے ہیں؟اس سوال کے جواب سے پہلے دو تمہیدی مطالب کی طرف توجہ دینا ضروری ہے_ پہلا یہ کہ ولایت فقیہ پر مبتنی سیاسی نظام میں رہبر کا کیا مقام ہے؟ اس کی وضاحت کی جائے_ اس کے بعد مختلف قسم کی مخالفتوں اور عدم اتباع کی تحقیق کی جائے_

نظام ولایت میں رہبر کا مقام
قرآن کریم میں اللہ تعالی خود کو ولی یکتا اور یگانہ و بلا اختلاف حاکم قرار دیتا ہے_ وہ انسانوں پر حقیقی ولایت رکھتا ہے، اور قانون گذاری اور امر و نہی کا حق فقط اسی کو حاصل ہے ارشاد خداوندی ہے:

248

"فاللہ ہو الولي"(1)
پس خدا ہی ولی ہے_
"ان الحکم الا للہ"(2)
حکم فقط خدا کی طرف سے ہے_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"ما لكم من دون الله من وليّ" (3)
اللہ کے سواتمہارا کوئي ولی نہيں ہے_
"انما وليكم الله" (4)
تمہارا ولی فقط خدا ہے_
"الا لہ الخلق و الامر" (5)
خبردار اسی کيلئے خلق اور امرہے_
ان مطالب کو اگر "اصل عدم ولايت "کے ساتھ ملا کر ديکھيں تو يہ نتيجہ نکلتا ہے کہ کوئي شخص بھی کسی دوسرے پر ولايت نہيں رکھتا ، اور اسے حکم دينے يا اس کيلئے قانون بنانے کا حق نہيں رکھتا_ يہ مقام و منزلت فقط خدا کو حاصل ہے_ ہاںاگر حقيقی ولايت کا مالك يعنی خدا ايك يا چند افراد کو يہ ولايت بخش دے اور حق اطاعت عطا کردے تو پھر ان مقرر کردہ افراد کی ولايت بھی معتبر اور مشروع ہوگی _ قرآن و احاديث کی رو سے اللہ تعالی نے يہ ولايت معصومين کو عطا کی ہے_ اور "ولايت انتصابي" کی ادلّہ کے لحاظ سے ائمہ معصومين کی طرف سے عادل فقہا اس ولايت کے حامل ہيں_لہذا زمانہ غيبت ميں علماء کے اوامر و نواہی قابل اعتبار و قابل اطاعت ہيں_ اس لحاظ سے فقيہ کی ولايت رسولخدا (ص) اور ائمہ اہلبيت کی ولايت کی ايك کڑی ہے_ اور رسولخدا (ص) اور ائمہ کی ولايت کا سرچشمہ خداوند کريم کی ولايت و حاکميت ہے_

1) (سورہ شوری آيت 9)_
2) (سورہ انعام آيت 57)_
3) (سورہ بقرہ آيت 107)_
4) (سورہ مائدہ آيت 55)_
5) (سورہ اعراف آيت54)_

249
ولايت فقيہ کی نصوص اور ادلّہ کا نتيجہ يہ ہے کہ " فقيہ عادل "حکومت کرنے کا حق رکھتا ہے اور سياسی ولايت کا حامل ہونے اور ائمہ معصومين کی طرف سے منصوب ہونے کی وجہ سے امر و نہی اور مسلم معاشرہ کے اجتماعی اورعمومی قوانين بنانے کا حق رکھتا ہے اور اس کے فرامين کی اطاعت واجب ہے_
فقيہ کی "ولايت انتصابي" کی بنياد پر باقی حکومتی اداروں کی مشروعيت بھي" ولی فقيہ" کے حکم کی بنا پر ہوگي_ فقيہ کی سياسی ولايت کی مشروعيت حکومتی ڈھانچے کے باقی اداروں کی مشروعيت کا سرچشمہ ہے کيونکہ اگر ولی فقيہ کا نفوذ نہ ہو تو باقی تمام حکومتی اداروں اور وزارتوں کی " مشروعيت" بحران کا شکار ہوجائے گی _ مثال کے طور پر کچھ وزراء کا بينہ ميں کوئي قرار داد منظور کرتے ہيں، پارليمنٹ ميں کوئي قانون پاس کرتے ہيں، يا کسی معاملہ ميں اپنے اختيارات استعمال کرتے ہيںتو سوال يہ ہے کہ پارليمنٹ ميں منظور شدہ قانون کے ہم کيوں پابند ہوں ؟ کيوں حکومتی فرامين پر عمل کريں؟ کس بنياد پر ملك کے انتظامی اور قضائي قوانين کا احترام کريں؟ اور کس دليل کی رو سے ان کی اطاعت کريں؟
قرآنی آيات کی روسے قانون بنانے اور فرمان دينے کا حق خدا اور ان افراد کو حاصل ہے جو اس کی طرف سے ولايت رکھتے ہوں_
سورہ نساء کی آيت 59 ميں ارشاد خداوندی ہے_
"اطيعوا الله و اطيعوا الرسول و اولی الامر منکم "
اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور جو تم ميں سے صاحبان امر ہيں ان کی اطاعت کرو_
لہذا ان کے علاوہ کوئي شخص امر و نہی کرنے اور قانون بنانے کا حق نہيں رکھتا_مگر جب اس کی ولايت اور اختيار ان امور ميں ثابت ہوجائے تو پھر اسے يہ اختيار حاصل ہوجائے گا_

250
پس کچھ لوگوں کا بعض افراد کی را ے سے پارليمنٹ ميں پہنچ جانا ان کے قانون وضع کرنے اور امر و نہی کرنے کو شرعی جواز عطا نہيں کرتا _ را ے دينے اور نہ دينے والوں کيلئے ان کی اطاعت اور ان کے بنائے ہوئے قوانين کو تسليم

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کرنے کیلئے کوئي شرعی وجوب نہيں ہے_ کیونکہ لوگوں کی را ے اس شخص کو حکمرانی کے امور میں شرعی ولایت کے منصب کا حامل قرار نہيں دیتي_ مگریہ کہ شرعی ولایت کا حامل شخص کسی کو قانون گذاری اور امر و نہی کا حق دے دے_
یہ بحث سیاسی اقتدار کے سب ارکان میں جاری ہے_ مثلا عدلیہ میں اگر قاضی اس شخص کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے جس کی ولایت مشروع ہے تو پھر اس قاضی کا فیصلہ بھی شرعی حیثیت رکھتا ہے_ اسی وجہ سے ہماری روایات میں اُن افراد کی حکومت اور ولایت کو" ولایت جور اور ولایت طاغوت" سے تعبیر کیا گیا ہے جو اسلامی معاشرہ کی سرپرستی کی شرائط کے حامل نہیں ہیں اور ان کے حکّام اور عمّال کو ظالم اور طاغوت کے کارندے کہا گیا ہے_
بنابریں شیعوں کے سیاسی نظام میں ولایت فقیہ کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے_ کیونکہ سیاسی نظام کے تمام ارکان کی مشروعیت کا سرچشمہ یہی ہے_ اسی نظریہ کی بناپر اسلامی جمہوریہ کے اساسی قانون میں جو کہ ولایت فقیہ پر مبتنی ہے بنیادی قانون کی تصویب اور عوام کی را ے سے منتخب ہونے والے صدر کیلئے رہبر کی تائید حاصل کرنا ضروری ہے_ صرف یہ کہ کچھ افراد نے مل کر قانون بنادیا اور لوگوں نے بھی اس کے متعلق مثبت را ے دے دی اس سے شرعی طور پر اس کی اطاعت کا لازم ہونا ثابت نہیں ہوتا _ مگر یہ کہ " صاحب ولایت شرعي" اس کی تائید کردے اور اس کے شرعی ہونے کی گواہی دے دے_ اسی طرح صدر کے اوامر و نواہی کی مشروعیت رہبر کی تائید سے مربوط ہے کیونکہ صدر کیلئے لوگوں کی را ے اسے شرعی ولایت عطا نہیں کرتي_

مخالفت کی اقسام

اسلام کے سیاسی نظام میں رہبری اور ولایت کے اعلی مقام کی وضاحت کے بعد اس نکتہ کی تحقیق ضروری ہے کہ کونسے موارد میں رہبر کی اطاعت واجب ہے؟ اور کونسے موارد میں ولی فقیہ کی مخالفت کی جاسکتی ہے؟ اس سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ مخالفت دو طرح کی ہوتی ہے :

الف : مخالفت عملی ب : مخالفت نظري
مخالفت عملي: سے مراد یہ ہے کہ حکومت کے فرامین اور قوانین پر عمل نہ کرنا _ جو شخص کسی حکومت کی عملا مخالفت کرتا ہے وہ در حقیقت ملکی مجرم ہے اور عملاً اس حکومت کے سیاسی اقتدار کے ساتھ بر سر پیکار ہے_
مخالفت نظری :کا تعلق اعتقاد ، را ے اور نظر و فکر سے ہے_ وہ شخص جسے حکومت کے بعض قوانین اور منصوبوں پر اعتراض ہے اورانہيں صحیح نہيں سمجھتا لیکن عملی طور پر مخالفت بھی نہيں کرتا اسے نظری مخالف کہا جاتا ہے_ ایسے شخص کوقانون شکن یا ملکی مجرم نہيں کہتے بلکہ بعض منصوبوں کے متعلق اس کی را ے حکومت کی را ے سے مختلف ہوتی ہے_

ولی فقیہ کی مخالفت کا امکان
ان دو تمہیدی نکات یعنی رہبری اور ولایت کا مقام اور اس کی مخالفت کی اقسام کے ذکر کرنے کے بعد اس سبق کے اصلی سوال کے جواب کی باری آتی ہے_سوال یہ تھا کہ نظام ولایت میں ولی فقیہ کی اطاعت واجب محض ہے یعنی کسی بھی صورت میں اسکی مخالفت نہيں کی جاسکتی نہ عملی نہ نظری یا شرعاً اس کی مخالفت ممکن ہے؟
وہ احکام یا فرامین جوولی فقیہ صادر کرتا ہے دوسرے سیاسی نظاموں کے صاحبان اقتدار کے فرامین کی

طرح دو ارکان پر مشتمل ہوتے ہیں_

الف: موضوع کی شناخت _
ب : اس موضوع کے مناسب حل کی تشخیص یعنی حکم کی شناخت _
حالات اور موضوع کی دقیق اور گہری شناخت ہر قسم کے فیصلے اور حکم کیلئے ضروری ہے_ مخصوصاً وہ موضوعات جن کا تعلق ملک کے اجتماعی مسائل سے ہو اور جو عوام کی تقدیر پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہوں مثلا وہ مسائل جن کا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

تعلق ملك كے امن و امان ، ثقافت اور اقتصاد سے ہے_ اس قسم كے اہم اور بنيادى موضوعات ميں بہت كم ايسے موارد ملتے ہيں جن ميں تمام صاحبان نظر كى آراء مكمل طور پر ايك دوسرے سے ملتى ہوں _ اس قسم كے كسى مسئلہ ميں اگر ولى فقيہ كوئيحكم صادر كرے توممكن ہے اس نے جو موضوعات كى تشخيص دى ہے وہ دوسرے صاحبان نظر كى رائے كے مخالف ہو _ كيا اس بات پر كوئي دليل ہے كہ ولى فقيہ كى تشخيص ،كلى طور پر تمام موارد ميں دوسرے موضوع شناس افراد كى تشخيص پر ترجيح ركھتى ہے ؟ اور نتيجتاً اس موضوع كى شناخت كا قبول كرنا تمام افراد پر واجب ہے _ اور وہ اس كى مخالفت ميں اپنى را ے كے اظہار كا حق نہيں ركھتے؟

اگر ولى فقيہ نے صدور حكم اور اپنے فيصلہ كو آخر ى شكل نہيں دى تو پھر اس موضوع كے سلسلہ ميں صاحبان نظر كيلئے نقد و تنقيد اور تحقيق و بررسى كا دروازہ كھلا ہے_ اور ولى فقيہ كے نظريہ كامعلوم ہوجانا اس بحث و تحقيق ميں ركاوٹ نہيں بن سكتا _اولياء دين كى عملى سيرت گواہ ہے كہ انہوں نے اپنے دوستوں كو اجازت دے ركھى تھى كہ وہ ان موضوعات و مسائل ميں اپنى را ے دے سكتے ہيں ، چاہے وہ ان كى را ے كے مخالف ہى كيوں نہ ہو _ ان كا مسلمانوں اور اپنے دوستوں سے مشورہ لينا اس بات كى نشاندہى كرتا ہے كہ " شناخت موضوع" ميں ان كى اطاعت ضرورى نہيں ہے_

253

ليكن جس وقت ولى فقيہ اور اسلامى معاشرہ كا حاكم كسى موضوع كو آخرى شكل دے دے اور ايك حكم صادر كردے تو تمام افراد پر اس حكم كا اتباع كرنا واجب ہے اور كسى كو حق نہيں پہنچتا كہ وہ شناخت موضوع ميں اختلاف نظر كے بہانے اس الزامى حكم كى مخالفت كرے اور ملكى مجرم بنے_ بنابريں ولى فقيہ كے احكام اور فرامين كى عملى اطاعت ضرورى ہے اگر چہ شناخت موضوع ميں ايسا نہيں ہے_

ولى فقيہ كے احكام كى اطاعت كے وجوب كى فقہى دليل مقبولہ عمر ابن حنظلہ جيسى بعض روايات ہيں كہ جن ميں حاكم كے حكم كى مخالفت كو حكم خدا كے خفيف سمجھنے،مخالفت اہلبيت اور خدا كے حكم سے روگردانى كرنے كے مترادف قرار ديا گيا ہے_

"فاذا حكم بحكمنا فلم يقبل منہ فانّما استخف بحكم الله و علينا ردّ و الرادّ علينا الراد على الله "(1)

ممكن ہے كوئي يہ تصور كرے كہ اس روايت ميں انكار اور عدم جواز ردّ سے مراد حكم قاضى كا رد كرنا ہے اور حاكم شرع اور ولى فقيہ كا حكومتى حكم اس ميں شامل نہيں ہے _ يہ تصور اس غفلت كا نتيجہ ہے كہ قضاوت بھى جامع الشرائط فقيہ كى ولايت كا ايك شعبہ ہے_ جب ايك مخصوص جزئي نزاع ميں فقيہ كے حكم كى مخالفت نہيں كى جاسكتى تو فقيہ كے اس سے بڑے منصب مينجو كہ اسلامى معاشرہ كا نظام چلانا ہے، اور حكومتى احكام صادر كرنا ہے ميں يقيناً اس كے فرامين كى مخالفت جائز نہيں ہے_ علاوہ ازيں امام صادق نے يہ جملہ فقيہ كو منصب حكومت پر فائز كرنے كے بعد فرمايا ہے پس يہ حديث حاكم كى مخالفت كے متعلق ہے اورصرف قاضى كى مخالفت ميں منحصر نہيں ہے_

1) وسائل الشيعہ، ج 27، ص 136، 137_ باب 11، ابواب صفات قاضى ح 1_ ترجمہ پہلے گزر چكا ہے_

254

حاكم اور ولى امر كى عملى مخالفت جائز نہيں ہے ليكن نظر اور را ے ميں اس كا ساتھ دينا ضرورى نہيں ہے_ يعنى مومنوں پر واجب نہيں ہے كہ وہ اعتقاد اور نظر ميں بھى حاكم كے ہم را ے اور ہم خيال ہوں بلكہ ان سے فقط يہ كہا گيا ہے كہ عملاًاس كے مطيع ہوں اور اختلال نظام كے اسباب پيدا نہ كريں اسى وجہ سے بعض فقہاء نے اگر چہ حكم حاكم كى مخالفت اور ردّ كرنے كو حرام قرار ديا ہے ، ليكن اس كے متعلق بحث كو حرام قرار نہيں ديا_(1)

ولى فقيہ كى اطاعت كا دائرہ حكومتى احكام تك محدود ہے _ اگر ولى فقيہ كسى مورد ميں حكم نہيں ديتا بلكہ فقط ايك چيز كو ترجيح ديتا ہے يا مشورے كے طور پر اپنى رائے كا اظہار كرتا ہے ہے ،تو اس وقت اس كى اطاعت شرعاً واجب نہيں ہے_ اسى طرح ولى فقيہ كے حكومتى حكم كى اطاعت اس كے مقلدين كے ساتھ مخصوص نہيں ہے بلكہ ہر مسلمان مكلف حتى كہ صاحب فتوى مجتہد پر بھى اس حكومتى حكم كى اطاعت واجب ہے_(2)

آنے والے سبق ميں ہم حكومتى حكم كى حقيقت و ماہيت اور اس سے متعلقہ مباحث پر تفصيلى گفتگو كريں گے_ اسلامى معاشرہ كے رہبر كے حكم كے نفوذ اور اس كى عملى مخالفت كے عدم جواز پر اسلام كى تاكيد اور اصرار اس وجہ سے ہے كہ اسلامى حاكم امت مسلمہ كى عزت و اقتدار كا محور ہے، امت كى وحدت اور اس كى صفونميں اتحاد عادل ، فقيہ، امين اور متقى رہبر كى عملى اطاعت اور ہمراہى ميں مضمر ہے _ اس كى عزت، امت مسلمہ كى حفظ حرمت اور احترام كا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

باعث بنتی ہے_ محمد ابن سنان نے جب امام رضا سے جنگ سے فرار ہونے کی حرمت

1) جو اہر الکلام ،ج 40 ، ص 105_
2) فقہاء نے صریحاً کہا ہے کہ ولی فقیہ کی اطاعت شرعی کا دائرہ حکومتی حکم تك محدود ہے_ اور یہ اطاعت باقی تمام فقہاء پر واجب ہے_ العروۃ الوثقی کے باب اجتہاد و تقلید کے مسئلہ 57 میں آیا ہے کہ جامع الشرائط حاکم کے حکم کی مخالفت جائز نہیں ہے _ حتی کہ دوسرے مجتہد کیلئے بھی ،مگر یہ کہ اس کا غلط ہونا ثابت ہوجائے _ آیت اللہ سید کاظم حائری اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ جب ایك جامع الشرائط فقیہ(ولی فقیہ) کوئي حکم دے تو کیا اس شہر کے دوسرے فقہاء پر اس حکم کی اطاعت واجب ہے جواب دیتے ہیں ''ہاں''نیز اس سوال _ کہ کیا ان افراد پر ولی فقیہ کے اوامر کی اطاعت واجب ہے جو اس کے مقلد نہیں ہیں _کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ راہبر ولی امر ہونے کی حیثیت سے جو حکم دیتے ہیں سب پر اس کی اطاعت واجب ہے چاہے وہ اس کے مقلد نہ بھی ہوں _
ملاحظہ ہو: الفتاوی المنتخبہ ج 1 ، کتاب الاجتہاد و التقلید ،مسئلہ 36، 47_

کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا:
اللہ تعالی نے جنگ سے فرار کو اسلئے حرام قرار دیا ہے چونکہ یہ فرار دین کے ضعف و کمزوری اور انبیاء کرام (ع) اورعادل ائمہ کو خفیف سمجھنے کا باعث بنتا ہے اور دشمن کے مقابلہ میں ان کی نصرت کے ترك کرنے کا موجب بنتا ہے_ اور یہ کام مسلمانوں کے خلاف دشمن کی جرا ت میں اضافہ کرتا ہے_(1)
امام صادق رسولخدا (ص) سے نقل کرتے ہیں : مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ ایسی مجلس میں حاضر ہو جس میں امام کو برا بھلا کہا جاتا ہو _ حدیث یہ ہے:
"قال رسول اللہ (ص) من کان یؤمن باللہ و الیوم الاخر فلا یجلس فی مجلس یسبّ فیہ امام ... "(2)
آنحضرت فرماتے ہیں جو خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کیلئے جائز نہیں ہے کہ ایسی مجلس میں حاضر ہو جس میں امام کو برا بھلا کہا جاتا ہو_
آخر میں اس نکتہ کا بیان کرنا ضروری ہے کہ ہماری بحث اس میں تھی کہ شرعاً ولی امر کی اطاعت کا دائرہ کہاں تك ہے _ اور قانونی اطاعت ہماری بحث سے خارج ہے_ کیونکہ ہر حکومت کے مختلف اداروں کے کچھ قوانین و ضوابط ہوتے ہیں کہ جن کا قانونی لحاظ سے اتباع واجب ہو تا ہے_اور ان کی خلاف ورزی کرنے والے کا محاکمہ ہوتا ہے_ ولایت فقیہ والے نظام میں حکومتی احکام و فرامین کی قانونی اطاعت کے علاوہ شرعی اطاعت بھی واجب ہے _

1) وسائل الشیعہ، ج 15، ص 87 باب 29، ابواب جہاد العدو ح 2_
2) وسائل الشیعہ ج 16 ص 266 باب 38 ،ابواب امر و نہی ح 21_
نوٹ: وہ ممالك جو ولی فقیہ کے زیر سایہ ہیں اس میں رہنے والے مسلم و غیر مسلم اسی طرح وہ ممالك جن پر ولی فقیہ کا کنٹرول نہیں ہے میں بسنے والوں کیلئے ولی فقیہ کے حکم کی اطاعت کہاں تك واجب ہے _ اس کیلئے ضمیمہ 2 و 3 کی طرف رجوع کریں_

خلاصہ :

1) اصل عدم ولایت اور اس کو دیکھتے ہوئے کہ ولی حقیقی فقط خدوند کریم کی ذات ہے_ ہر قسم کی ولایت کی مشروعیت کا سرچشمہ براہ راست یا بابلواسط تقرّر الہی ہے_
2)فقیہ کی ولایت انتصابی کی بنیاد پر سیاسی نظام کے تمام ارکان اپنی مشروعیت اور جواز "ولایت فقیہ"سے اخذ کرتے ہیں _ یہ امر اس منصب کے اعلی مقام کی نشاندہی کرتا ہے_
3)صرف عوام کی را ے کسی شخص کو قانون گذاری اور امر و نہی کے منصب کا حامل قرار نہیں دیتی _
4)سیاسی صاحبان اقتدار کی مخالفت کی دو قسمیں ہیں ، مخالفت عملی اور مخالفت نظري_
5) جرم عملی مخالفت کے ذریعہ ہوتا ہے_ البتہ کسی فرمان یا قانون کے صحیح نہ ہونے کااعتقاد رکھنا ملکی جرم کا باعث نہیں بنتا_
6) ولی فقیہ کے احکام اور فرامین کی عملی مخالفت جائز نہیں ہے _ جبکہ اس کی نظری موافقت ضروری نہیں ہے_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

7) دوسرے نظاموں کے مقابلہ میں نظام ولایت فقیہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نظام میں حکومتی قوانین کی عملی مخالفت جرم کے ساتھ ساتھ شرعی مخالفت بھی شمار ہوتی ہے_
8)فقیہ عادل کے حکومتی احکام کی اطاعت کا وجوب مقبولہ عمر ابن حنظلہ جیسی روایات سے ثابت ہوتا ہے_
9)ولی فقیہ کے حکومتی احکام کی اطاعت صرف اس کے مقلدین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے _ بلکہ ہر مکلف چاہے وہ مجتہد و فقیہ ہی کیوں نہ ہو اس پر ان احکام کی اطاعت واجب ہے_

257

سوالات :

1) اسلام کے سیاسی نظام میں" فقیہ عادل "کے مقام کو کیوں خاص اہمیت حاصل ہے؟
2) تمام حکومتی اداروں کی مشروعیت کا سرچشمہ "ولی فقیہ "کیوں ہے؟
3) مخالفت عملی اور مخالفت نظری سے کیا مراد ہے؟
4)ولی فقیہ کی کونسی مخالفت جائز ہے؟
5)ولائي نظام میں اطاعت کا دوسرے سیاسی نظاموں کے ساتھ کیا فرق ہے؟
6) اسلام، رہبر کے حکم کے نفوذ اور اس کی اطاعت کے وجوب پرکیوں اصرارکرتا ہے؟
7) فقیہ عادل کے حکومتی احکام کی اطاعت کن افراد پر واجب ہے؟

258

ستائیسواں سبق :

حکومتی حکم اور مصلحت

پہلے گذر چکا ہے کہ "فقیہ عادل" ولایت عامہ کا حامل ہوتا ہے اور اس کا حکومتی فرمان نہ صرف اس کے مقلدین کیلئے بلکہ دوسرے فقہاء اور ان کے مقلدین کیلئے بھی واجب الاطاعت ہوتا ہے _ یہاں چند سوال ہیں_ حکومتی حکم سے کیا مراد ہے؟ حکومتی حکم اور فتوی میں کیا فرق ہے؟ حکومتی حکم کن مبانی کی بنیاد پر صادر ہوتا ہے؟ کیا حکومتی حکم، قاضی کے حکم کی قسم سے ہے یا اس سے مختلف ہے؟ کیا حکومتی حکم "فقہ کے احکام ثانویہ" کی قسم سے ہے؟ کیا حکومتی احکام کے صدور کی کوئي مخصوص حد ہے؟ اس قسم کے سوالات، حکومتی حکم کی حقیقت و ماہیت ، مبنی اور اس کی حد ،کے متعلق بحث کے ضروری ہونے کو آشکار کرتے ہیں_ اس لئے ضروری ہے کہ پہلے حکم کی اقسام کی تحقیق و بررسی کی جائے_ تا کہ حکم حاکم اور دوسرے شرعی احکام اور فتوی کے درمیان فرق واضح ہوجائے_

259

حکم کی اقسام

الف : شرعی حکم

حکم کی مشہورترین قسم، شرعی حکم ہے_ شرعی حکم سے مراد یہ ہے کہ اسے شارع مقدس نے "وضع" کیاہو_ قوانین الہي، شرعی حکم کی واضح مثالیں ہیں_ شرعی حکم کو شارع مقدس صادر کرتا ہے_ اور اسی کے وضع کرنے سے وجود

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

میں آتا ہے_ شرعی حکم کی دو قسمیں ہیں_حکم تکلیفی اورحکم وضعي_ "احکام تکلیفي" سے مراد وہ شرعی قوانین ہیں جو مکلفین کے افعال کے جائز یا ناجائز ہونے کے متعلق اظہار نظر کرتے ہیں_ اس قسم کے احکام اس بات کو واضح اور روشن کرتے ہیں کہ کونسے کام انجام دینا ضروری ہیں ، اور کن کاموں سے پرہیز کرنا ضروری ہے_ کونسے کاموں کو انجام دینا بہتر ہے_ اور کونسے کاموں کو ترك کرنا بہتر ہے احکام تکلیفی کی پانچ قسمیں ہیں_ واجب ، حرام ، مستحب ، مکروہ اور مباح _

شرعی احکام کی دوسری قسم" احکام وضعي" ہے_احکام وضعی بھی شارع مقدس کے وضع کردہ ہیں_ یہ احکام براہ راست مکلف کے فعل کے جائز یا ناجائز ہونے کے متعلق اظہار نظر نہیں کرتے_ احکام وضعی میں شارع مقدس کے جعل کی وجہ سے شرعی معانی وجود ہیں آجائے ہیں جو" مخصوص احکام تکلیفی "کا موضوع قرار پاتے ہیں_ مثلا طہارت ، نجاست ،مالکیت اور زوجیت و غیرہ وضعی احکام کے مصادیق ہیں_ نجاست کوئي تکلیفی حکم نہیں ہے _ لیکن وہ امور جو شارع کے جعل کردہ اس حکم وضعی کے تحت نجس قرار دیئے گئے ہیں حکم تکلیفی کا موضوع قرار پاتے ہیں _ ان کا کھانا پینا اور بعض موارد میں ان کی خرید و فروخت، حرام ہوجاتی ہے_" شرعی حکم" کی اور بھی اقسام ہیں مثلا حکم ظاہری ، حکم واقعي، حکم اوّلی اور حکم ثانوی و غیرہ کہ دوران بحث ان میں سے بعض پر ایك نظر ڈالیں گے_

260

فقہاء کے اجتہاد کا معنی یہ ہے کہ منابع و مصادر سے شرعی حکم کو کشف کرنے کی کوشش کی جائے_ بنابریں مجتہد کافقہی فتوی در حقیقت شارع مقدس کے "شرعی حکم کا بیان" ہے_ فقیہ اپنے فتوی سے شرعی حکم جعل نہیں کرتا بلکہ شارع مقدس کے بنائے ہوئے حکم کو بیان کرتا ہے_ مقام استنباط میں فقیہ اور مجتہد کا فریضہ شارع مقدس کے بنائے ہوئے شرعی حکم کو کشف کرنا ہے_

ب: قاضی کا حکم

تنازعات اور لڑائي جھگڑوں کی تحقیق کے بعد قاضی جو حکم صادر کرتا ہے وہ خود قاضی کا جعل کردہ حکم ہے_ فتوی کی قسم سے نہیں ہے_ کیونکہ فتوی جعل شارع کا بیان کرنا ہے جبکہ مقام قضاوت میں قاضی حکم کوجعل کرتا ہے_اگر چہ قاضی کا حکم شرعی احکام سے غیر مربوط نہیں ہوتا اور قاضی شرعی موازین کے مطابق حکم صادر کرتا ہے جھگڑوں کا فیصلہ کرتا ہے لیکن اس کا کام شرعی حکم کا بیان کرنا نہیں ہوتا بلکہ شرعی احکام کو مد نظر رکھتے ہوئے حکم صادر کرنا ہوتا ہے_ قاضی دونوں طرف کے دلائل سنتا ہے ، پھر ایك طرف" قرائن و شواہد" اور دوسری طرف "شرعی احکام اور قوانین" کو مد نظر رکھتے ہوئے حکم صادر کرتا ہے_ پس قاضی کا حکم" شرعی حکم" کے علاوہ ایك الگ حکم ہے_

ج: حکومتی حکم

اب تك یہ معلوم ہو چکا ہے کہ فقیہ فتوی دینے کے علاوہ بھی حکم جعل کرسکتا ہے _ اور یہ جعل حکم "مقام قضاوت" میں ہوتا ہے_ سوال یہ ہے کہ فقیہ عادل کا جعل کردہ حکم، فقط تنازعات کے حل اور جھگڑوں کے ختم کرنے تك محدود ہے؟ یقینی طور پر ایسے موارد آتے ہیں جہاں فقہاء نے یہ تسلیم کیا ہے کہ "فقیہ عادل" تنازعات کے حل کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی حکم "جعل" کرسکتا ہے_

261

اس قسم کے احکام کے دو مشہور مورد ،"رؤیت ہلال "اور "حدود الہی کا اجرا" ہیں_ شیعہ فقہاء نے صراحت سے کہا ہے کہ حدود الہی کا اجرا ،جامع الشرائط فقیہ کی خصوصیات میں سے ہے اور ان حدود کا اجرا، حاکم شرعی کے حکم کا محتاج ہے _ حدود الہی کا اجرا، تنازعات کی قسم سے نہیں ہے تا کہ اسے قضاوت کے موارد میں سے قرار دیا جائے_ اس بات کو تسلیم کرنے کے بعد کہ فقیہ "ولایت عام "رکھتا ہے ، اور جامع الشرائط فقیہ کی "ولایت " فتوی دینے ، قضاوت اور بے بس افراد کی سرپرستی کرنے تك محدو دنہیں ہے_ وہ ولایت تدبیری (سیاسی ولایت) کا بھی حامل ہوتا ہے اور جانشینی کے قابل ، تمام امور میں امام معصوم کا نائب ہوتا ہے_ حکومتی حکم کے صدور کو فقط "رؤیت ہلال" اور " حدود الہی کے اجرا "میں منحصر نہیں کیا جاسکتا _ جواہر الکلام کے مصنف فقیہ کی ولایت عامہ کے حامی کے عنوان سے مقبولہ عمر ابن حنظلہ کے جملہ "انی جعلتہ حاکماً" کے اطلاق کے پیش نظر "فقیہ عادل کے حکم کو قضاوت میں منحصر نہیں سمجھتے" بلکہ اس سے وسیع اور عام سمجھتے ہیں_ وہ اس مطلب کو حکم حاکم اور فتوی کے درمیان فرق کی وجہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بیان کرنے کے ضمن میں یوں ذکر کرتے ہیں_
"الظاہر أنّ المراد بالاولی الفتوي الإخبار عن الله تعالی بحکم شرعی متعلق بکلی ، کالقول بنجاسة ملا قی البول أو الخمر ... وأمّا الحکم فہو انشاء إنفاذ من الحاکم لا منہ تعالی لحکم شرعی أو وضعی أو موضوعہما فی شيءِ مخصوص_ و لکن ہل یشترط فیہ مقارنتہ لفصل خصومة کما ہو المتیقّن من أدلّتہ؟ لا أقل من الشک والاصل عدم ترتّب الآثار علی غیره، أو لا یشترط; لظہور قولہ(ع) : " إنّی جعلتُہ حاکماً" فی أنّ لہ الانفاذ

والإلزام مطلقاً و یندرج فیہ قطع الخصومة التی ہی مورد السؤال، و من ہنالم یکن إشکال عندہم فی تعلّق الحکم بالہلال والحدود التی لا مخاصمة فیہا"(1)
ظاہراً فتوی سے مراد اللہ تعالی کے اس شرعی حکم کا بیان کرنا اور اسکی خبر دیناہے جو ایك کلی کے ساتھ مربوط ہوتا ہے، مثلا پیشاب یا شراب کے ساتھ لگنے والی شئے کا نجس ہونا ... جبکہ "حکم" خود حاکم کی طرف سے جعل کردہ ہے نہ کہ اللہ تعالی کی طرف سے کسی شرعی یا وضعی حکم کیلئے یا کسی مخصوص شئے کے موضوع کیلئے_ لیکن کیا اس جعل کردہ حکم میں شرط ہے کہ صرف تنازعات کے متعلق ہو؟جیسا کہ ادلّہ سے بھی یقینی مقدار یہی معلوم ہوتی ہے یا کم از کم اگر یقینی مقدار نہ بھی ہو تو اس بات کا گمان ہے کہ ادلہ کی دلالت یہی ہے _ اور اصل یہ ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور چیز پر یہ آثار مرتب نہیں ہوں گے، یا شرط نہیں ہے؟ کیونکہ معصوم کے قول " میں نے اسے تم پر حاکم قرار دیا ہے" سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا حکم ہر لحاظ سے نافذ ہے _ اور تنازعات کے فیصلے بھی اسی حکم میں آجاتے ہیں کہ جس کے متعلق خصوصی طور پر سوال کیا گیا ہے _ اسی لئے علماء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ رؤیت ہلال اور اجرائے حدود، میں حاکم کا حکم نافذ العمل ہے _ حالانکہ ان کا تعلق تنازعات سے نہیں ہے_
حکم کی یہ دوسری اور تیسری قسم اس لحاظ سے مشترك ہیں کہ دونوں فقیہ کے جعل اور انشاء ہیں اور شارع کے جعل کو کشف کرنے یا بیان کرنے کی قسم سے نہیں ہیں_ البتہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ قاضی کا حکم، تنازعات اور جھگڑوں کے فیصلہ کرنے میں منحصر ہے جبکہ حکومتی حکم تنازعات میں محدود نہیں ہے_

1) جواہر الکلام، ج 40 ، ص 100_

حکومتی حکم کے صدور کی بنیاد:

حاکم شرع اور فقیہ عادل کے حکم کی چند قسمیں ہیں_ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ ماہ مبارك رمضان، شوال اور دوسرے مہینوں کے آغاز کا اعلان، حاکم شرعی کے اختیارات میں سے ہے_ اگر فقیہ عادل چاند ثابت ہونے کا اعلان کردے تو اس کی اطاعت واجب ہے _ اسی طرح حدود الہی کا اجرا بھی حکم حاکم کی اقسام میں سے ہے _ اگر چہ شریعت میں زانی ، محارب (خدا و رسول سے جنگ کرنے والا)اور شارب الخمر کی حدود بیان کی گئي ہیں _ لیکن ان کے اجرا کیلئے فقیہ عادل کے حکم کی احتیاج ہوتی ہے_ حاکم شرع کے احکام کی ایك اور قسم معاشرتی امور اور اسلامی معاشرہ کے اجتماعی مسائل کے ساتھ مربوط ہے حکومتی احکام کی یہی قسم اس وقت ہمارے زیر بحث ہے_
اس میں کوئي شك نہیں ہے کہ ہر سیاسی اقتدار کا اہم ترین فریضہ شہریوں کو بعض امور کے انجام دینے اور بعض سے اجتناب کرنے کا پابند کرنا ہوتا ہے_ اجتماعی امور کا انتظام انہی پابندیوں اور امر و نہی کے سایہ میں پروان چڑھتا ہے_ ولایت فقیہ پر مبتنی سیاسی نظام میں فقیہ عادل جو کہ حاکم شرع ہے عوام کو ان امور پر پابند کرنے کا حق رکھتا ہے اور اس کی حکومتی پابندیوں کی اطاعت شرعاً واجب ہے_
حکومتی احکام کے صدور کی بنیاد مسلمانوں اور اسلامی نظام کی مصلحت ہے _ ولی فقیہ مسلمانوں کے مختلف امور کی مصلحت اور رعایت کی بنا پر اسلامی معاشرہ کے اموال میں تصرف کرتا ہے اور مختلف امور کے انتظام کیلئے احکام صادر کرتا ہے _ امام خمینی اس بارے میں فرماتے ہیں :
"فللفقیہ العادل جمیع ما للرسول و الا ئمة (ع) مما یرجع الی الحکومة و السیاسة و لا یعقل الفرق، لانّ الوالی _ آيّ شخص کان ہو مجری ا حکام الشریعة والمقیم للحدود الإلہیة والآخذ للخراج و سائر المالیات والمتصرّف فیہا بما ہو صلاح المسلمین _

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

فالنبيّ (ص) يضرب الزانى ما ة جلدة والإمام (ع) كذلك والفقيہ كذلك و يا خذون الصدقات بمنوال واحد و مع اقتضاء المصالح يا مرون الناس بالا وامر التى للوالي، و يجب إطاعتہم "(1)
حکومت اور سیاست سے متعلقہ تمام اختیارات جو رسولخدا (ص) اور ائمہ معصومین کو حاصل ہیں فقیہ عادل کو بھی حاصل ہیں_ ان میں تفریق کرنا معقول نہیں ہے کیونکہ والی جو بھی ہو وہی شرعی احکام کو نافذ کرتا ہے، حدود الہیہ کو قائم کرتا ہے ، خراج اور دوسرے مالیات کو وصول کرتا ہے، اور انہیں مسلمانوں کے رفاہ عامہ کے امور میں خرچ کرتا ہے_ رسولخدا (ص) زانی کو سو کوڑے مارسکتے ہیں_ امام بھی اسی طرح ہیں اور فقیہ بھی _ یہ سب ایك ہی ضابطہ کے مطابق صدقات وصول کرتے ہیں اور مصالح کی بنیاد پر لوگوں کو ان اوامر کا حکم دیتے ہیں جو والی کے اختیار میں ہیں اور لوگوں پر ان احکام کی اطاعت واجب ہے_
یہاں ایك اہم سوال پیش آتا ہے اور وہ یہ کہ وہ مصلحت جو حکومتی حکم کے صدور کی بنیاد ہے، اسے اہمیت کے لحاظ سے کس درجہ پر ہونا چاہیے کہ حاکم اس حکومتی حکم کے صادر کرنے پر مجبور ہوجائے؟ کیا ہر قسم کی مصلحت ایسے الزامی حکم کے صدور کیلئے کافی ہے؟ یا مصلحت کو اس قدر اہم ہونا چاہیے کہ اسے نظر انداز کرنے سے عسرو حرج اور اختلال نظام لازم آتا ہو؟
اس سوال کو دوسرے انداز سے بھی بیان کیا جاسکتا ہے _ ہم نے علم فقہ اور کلام سے یہ سمجھا ہے کہ ہر فعل کا شارع مقدس کے نزدیك ایك" حکم واقعي" ہے اور افعال مکلفین میں سے کوئي بھی فعل پنجگانہ احکام تکلیفیہ سے خالی نہیں ہے_ بنابریں حکومتی احکام طبیعی طور پر اس فعل کے حکم واقعی کے مخالف ہوں گے_ بطور مثال تحریم تمباکوکے سلسلہ میں میرزا شیرازی کے حکومتی حکم کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے_ شریعت اسلام میں تمباکو کا استعمال اور اس کی خرید و فروخت مباح ہے_ لیکن اس فقیہ کے حکومتی حکم کی وجہ سے وقتی طور پر اور ان

1) البیع ،امام خمینی ج 2 ص 467_

خاص حالات میں تمباکو کا استعمال اور اس کی خرید و فروخت حرام ہوجاتی ہے _ اب سوال یہ ہے کہ کن موارد میں مصلحت اور حالات کا تقاضا حکم واقعی کے ملاك(ہماری مثال میں اباحت کا ملاك) پر مقدم ہوجاتے ہیں؟ کیا صرف اسی صورت میں ہے کہ جب حکومتی حکم کے صدور کی مصلحت کو نظر انداز کرنے سے مومنین کیلئے عسرو حرج لازم آتا ہو اور نظام مسلمین کے اختلال کا باعث بنتا ہو تو فقیہ اس حکم واقعی کے مقابلہ میں حکومتی حکم صادر کرسکتا ہے؟ یا صرف اگر اسلام اور مسلمین کی مصلحت ،احکام واقعی کے ملاك پر ترجیح رکھتی ہو توبہی ترجیح حکومتی حکم کے صدور کیلئے کافی ہے_ اگر چہ اضطرار ، عسر و حرج اور اختلال نظام کی حد تك نہ بھی پہنچے؟ اس سوال کا جواب اس نکتہ کی وضاحت پر موقوف ہے کہ کیا حکومتی حکم اسلام کے احکام اوّلیہ میں سے ہے یا احکام ثانوية میں سے؟ اگر حکومتی حکم احکام ثانویہ میں سے ہے تو اس کا صدور، اضطرار ، عسرو حرج یا اختلال نظام پر موقوف ہے_ دوسرے لفظوں میں اگر ہم حکومتی حکم کو احکام ثانویہ میں سے شمار کریں تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ وہ مصلحت جو حکومتی حکم کے صدور کی بنیاد ہے اسے اس قدر قابل اہمیت ہونا چاہیے کہ اسے نظر انداز کرنے سے اختلال نظام مسلمین یا عسرو حرج لازم آتا ہو _ اس مجبوری میں جب تك ایسے حالات ہیں فقیہ احکام اولیہ کے خلاف وقتی طور پر حکومتی حکم صادر کرے گا_

احکام اوّلیہ اور ثانویہ:
پہلے گذر چکاہے کہ انسان کے تمام اختیاری افعال پنجگانہ احکام تکلیفیہ میں سے کسی ایك حکم کے حامل ہوتے ہیں_ بنابریں مکلفین کا ہر فعل ایك حکم اولی رکھتا ہے _ شارع مقدس نے ہر واقعہ اور فعل کے حکم اولی کو مصالح و مفاسد اور اس کے ذاتی اور واقعی ملاکات کے مطابق وضع کیا ہے _ افعال اور اشیاء کے احکام اوّلیہ "ذات موضوع" کو مد نظر رکھتے ہوئے وضع کیئےجاتے ہیں اور اس میں کسی قسم کے خاص حالات کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا _ مردار کا حکم اوّلی "حرمت" ہے ، حکم اولی یہ ہے کہ ماہ رمضان کا روزہ ہر مسلمان مکلف پر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

266

واجب ہے ، حکم اولی یہ ہے کہ ہر مسلمان مکلف پر واجب ہے کہ وہ نمازپنجگانہ کیلئے وضو کرے_
کبھی خاص حالات پیش آجاتے ہیں کہ جن کی وجہ سے "افعال کے حکم اولی "کو بجا لاناممکن نہیںہوتا_ یہ حالات مکلف کو ایسے دوراہے پرلے آتے ہیں کہ اس کا" احکام اولیہ" پر عمل کرنا بہت مشکل ہوجاتا ہے اس صورت میں شارع مقدس نے مکلف کیلئے "احکام ثانویہ" وضع کئے ہیں مثلا اگر چہ مردار کا کھانا حرام ہے، لیکن اگر مکلف اپنی جان بچانے کیلئے اس کے کھانے پر مجبور ہے تو اس صورت میں اس کیلئے مردار حلال ہے_

" فمن اضطر غیر باغ و لا عاد فلا أثم علیہ " (1)

اگر کوئي مضطر ہوجائے اور بغاوت کرنے والا اور ضرورت سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئي گناہ نہیں ہے_
بنابریں اضطرار ایك عارضی عنوان ہے جو کہ مکلف کو ایك خاص حالت میں عارض ہوکر سبب بنتا ہے کہ جب تك مکلف اس حالت میں گرفتار ہے اس پر حکم اولی کی بجائےحکم ثانوی لاگو ہوگا _

حکم ثانوی اضطرار ، ضرر،اکراہ ، عسرو حرج اور اختلال نظام جیسے خاص عناوین کے ساتھ مربوط ہوتا ہے_ البتہ احکام اوّلیہ اور ثانویہ دونوں حکم واقعی کی قسمیں ہیں_ دونوں شارع مقدس کے جعل کردہ ہیں_ البتہ اتنا فرق ہے کہ حکم ثانوی کا مرتبہ حکم اولی کے بعد ہے_ یعنی حکم ثانوی کی باری اس وقت آئے گی جب کوئي مخصوص عنوان اس پر عارض ہوجائے اور حکم اولی پر عمل کرنا ممکن نہ ہو_ دوسرا یہ کہ حکم ثانوی عارضی ہوتا ہے_
حکم اوّلی اور حکم ثانوی کی وضاحت کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ حکومتی حکم احکام ثانویہ میں سے ہے یا اوّلیہ میں سے؟

1) سورہ بقرہ آیت 173_

267

خلاصہ :

1) حکم کے تین مشہور معانی ہیں_ شرعی حکم ، قاضی کا حکم ، حکومتی حکم_
2) شرعی حکم سے مراد یہ ہے کہ اسے شارع مقدس نے وضع و جعل کیا ہے_
3)مجتہد کا فتوی شرعی حکم کا کشف و استنباط ہوتا ہے_ یعنی فقیہ مقام فتوی و استنباط میں شرعی حکم کے بارے میں خبر دیتا ہے_ اپنی طرف سے حکم جعل نہیں کرتا _
4) قاضی فیصلہ کے وقت اپنا حکم صادر کرتا ہے اور اس کا حکم فتوی کی قسم سے نہیں ہے_
5)فقیہ عادل کے اختیارات کو صرف "مقام قضاوت میں جعل حکم "میں منحصر نہیں کیا جاسکتا _
6)فقیہ کی ولایت عامہ کی بنیاد پر "حاکم شرع اور فقیہ عادل کے جعل حکم "کو رؤیت ہلال اور حدود الہی کے نفاذ و اجرا میں منحصر نہیں کیا جاسکتا _
7)حکومتی حکم اور حکم قاضی دونوں انشاء اور جعل ہیں_
8)حکومتی حکم کے صدور کی بنیاد مسلمانوں اور اسلامی نظام کی مصلحت ہے_
9) کیا ہر قسم کی مصلحت حکومتی حکم کے صدور کی بنیاد بن سکتی ہے؟ یا اسے اس قدر قابل اہمیت ہونا چاہیے کہ اس کے نظر اندازکرنے سے عسروحرج اور اختلال نظام لازم آتا ہو؟
10) اس سوال کا جواب اس نکتہ کی وضاحت پر موقوف ہے کہ حکومتی حکم ،اسلام کے احکام اوّلیہ میں سے ہے یا احکام ثانویہ میں سے_
11)احکام ثانویہ کا مرتبہ احکام اوّلیہ کے بعد ہے_

268

سوالات :

1) حکم شرعی ، حکم تکلیفی اور حکم وضعی سے کیا مراد ہے؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

2) حکم قاضی اور فتوی میں کیا فرق ہے؟
3)حکومتی حکم اور قاضی کے حکم میں کیا فرق ہے؟
4)حکومتی حکم کے صدور کی بنیاد کیا ہے؟
5)حکم اوّلی اور حکم ثانوی کی بحث کا حکومتی احکام کی بحث میں کیا کردار ہے؟
6) احکام ثانویہ کیا ہیں اور احکام اولیہ سے ان کا کیسا تعلق ہے؟

اٹھائیسواں سبق :

حکومتی حکم اور فقیہ کی ولایت مطلقہ

گذشتہ سبق میں یہ ثابت ہوچکا ہے کہ فقیہ عادل جس طرح شرعی حکم کو استنباط کرسکتا ہے اسی طرح حکومتی حکم کے صادر کرنے کا بھی اختیار رکھتا ہے_
فتوی میں فقیہ کا کام شارع مقدس کے حکم سے پردہ اٹھانا ہے _ اب جبکہ حکومتی حکم خود فقیہ صادر کرتا ہے_ حکومتی حکم کے جعل اور صادر کرنے میں فقیہ عادل، شرعی اصول و مبانی کو بھی نظر میں رکھتا ہے اور اسلام و مسلمین کی مصلحت کو بھی _ گذشتہ سبق کا آخری سوال یہ تھا کہ "حکومتی حکم اسلام کے احکام اوّلیہ میں سے ہے یا احکام ثانویہ میںسے"؟
امام خمینی اس مسئلہ کے جواب کو" اسلام میں حکومت کے مقام "کے ساتھ منسلك کرتے ہیں_ ان کی نظر میں ولی فقیہ کے اختیارات اور حکومتی حکم کے صدور کا دائرہ اور حد، حکومت اور اسلامی نظام کے احکام اولیہ کے ساتھ رابطے کے تعيّن اور اسلام کی نظر میں حکومت اور نظام کے مقام کو واضح و مشخص کرنے کے تابع ہے_

اسلامی جمہوریہ ایران کے بانی نجف اشرف میں اپنے فقہ کے دروس خارج میں اس نکتہ پر اصرار کرتے تھے کہ حکومت اور اسلامی نظام اسلامی فروعات میں سے ایك فرع یا اجزائے اسلام میں سے ایك جزء نہیں ہے بلکہ اس کی شان اس سے بہت بلند ہے اس طرح کہ فقہی احکام حکومت اور اسلامی نظام کی حفاظت اور تثبیت کیلئے ہیں _ اسلامی حکومت شریعت کی بقاء اور حفاظت کی ضامن ہے اسی لئے اولیاء الہی نے نظام اسلام و مسلمین کی حفاظت اور بقاء کیلئے اپنی جانوں کو خطرات میں ڈالتے تھے _ ان کی نظر میں شرعی احکام امور حکومت میں سے ہیں_ شرعی احکام ذاتاً مقصود اور ہدف نہیں ہیں بلکہ عدل و انصاف قائم کرنے کیلئے اسلامی حکومت کے ذرائع ہیں اسی لئے روایات میں حاکم اور ولی فقیہ کو اسلام کا قلعہ کہا گیا ہے(1)_
"الاسلام ہو الحکومة بشؤونها، و الاحکام قوانین الاسلام و ہی شان من شؤونها ، بل الاحکام مطلوبات بالعرض و امور آلیة لاجرائها و بسط العدالة"(2)
امام خمینی اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ حکومت اسلام کے احکام اوّلیہ میں سے ہے_ نظام اور اسلامی حکومت کی حفاظت اہم ترین واجبات الہیہ میں سے ہے اور اسلام کے باقی تمام احکام پر مقدم ہے_ رہبر انقلاب آیت اللہ خامنہ ای کے نام لکھے گئے اپنے ایك خط میں امام خمینی فرماتے ہیں:
حکومت رسولخدا (ص) کی ولایت مطلقہ کا ایك شعبہ ہے، اسلام کے احکام اوّلیہ میں سے ہے، اور اس کے تمام احکام فرعیہ ،نماز روزہ اور حج و غیرہ پر مقدم ہے ...(3)

1) امام خمینی کی درج ذیل عربی عبارت کا مفہوم بھی یہی ہے _(مترجم)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

2) کتاب البيع، ج 2 ص 472_
3) صحيفہ نور ج 20 ، ص 170

271
لہذا حکومتی حکم کا صدور اسلام اور نظام مسلمین کی مصلحت کے ساتھ مربوط ہے_ ضروری نہیں ہے کہ عناوین ثانویہ مثلا عسروحرج ، اضطرار یا اختلال نظام میں سے کوئي ہو بلکہ اسلامی حکم کی مصلحت حکومتی حکم کی بنیاد قرار پاتی ہے اگر چہ مذکورہ عناوین میں سے کوئي بھی نہ ہو_
اس کے باوجود انقلاب کے ابتدائي سالوں میں بعض موارد میں انہوں نے حکومتی حکم کے صدور اور بظاہر شریعت کے منافی احکام و قوانین بنانے کا حق پارلیمنٹ کو دیا لیکن احتیاط اور مزید استحکام کیلئے ایسے قوانین کے وضع کرنے کو اختلال نظام ، ضرورت اور عسرو حرج جیسے ثانوی عناوین کے ساتھ منسلك کردیا_ اگر چہ آپ فقہی لحاظ سے حکومتی حکم کے صدور کو ان عناوین پر موقوف نہیں سمجھتے اور اسے اسلام کے احکام اولیہ میں سے سمجھتے ہیں_
مورخہ 20/ 7/ 1360 ھ ش کو قومی اسمبلی کے اسپیکر کو ایك خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:
وہ شئے جو اسلامی نظام کی حفاظت میں دخالت رکھتی ہے ، جس کا انجام دینا یا ترک کردینا اختلال نظام کا باعث بنے، خرابی و فساد کا باعث بنے یا اس سے حرج و مرج لازم آتا ہو، تو پارلیمنٹ کے ممبران کی اکثریت را ے کے ذریعہ موضوع کی تشخیص کے بعد اس وضاحت کے ساتھ قانون بنایا جائے کہ جب تك یہ موضوع ہے یہ قانون ہے_ اور موضوع کے ختم ہونے کے ساتھ ہی یہ قانون لغو ہوجائے گاوہ اس قانون کے بنانے اور جاری کرنے کا اختیار رکھتے ہیں_(1)
اس اصرار کے ساتھ کہ حکومت "اسلام کے احکام اولیہ" میں سے ہے_ اپنی مبارك زندگی کے آخری سالوں میں اس میں اور شدت آگئي اور انہوں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ حکومتی حکم کا صدور" مصلحت نظام" پر مبنی ہے _مصلحت نظام اختلال نظام ، ضرورت اور عسر و حرج جیسے عناوین ثانوی سے قطعی مختلف ہے

1) صحیفہ نور، ج 15 ، ص 188_

272
اسی لئے مصالح کی تشخیص اور حکومتی حکم کے صادر کرنے میں ولی فقیہ کی مدد کرنے کے لئے " مجمع تشخیص مصلحت نظام "کے نام سے ایك ادارہ تشکیل دیا گیااور حکومتی احکام کے مبانی کی تشخیص کا کام اس کے سپرد کیا گیا_

فقیہ کی ولایت مطلقہ
فقیہ کی " ولایت عامّہ "، "نیابت عامہ" یا "عمومی ولایت" جیسے الفاظ سابقہ فقہاء کے کلمات میں استعمال ہوتے رہے ہیں_ لیکن " ولایت مطلقہ" کی تعبیر عام نہیں تھی _ امام خمینی کے کلمات میں رسولخدا (ص) اور ائمہ معصومین کی سیاسی ولایت کو "ولایت مطلقہ "سے تعبیر کیا گیا ہے_ اور یہی خصوصیت جامع الشرائط فقیہ عادل کیلئے بھی ثابت ہے_ 1368 ھ ش میں جب اساسی قانون پر نظر ثانی کی گئي تو اس میں لفظ " ولایت مطلقہ "استعمال ہونے لگا _
اسلامی جمہوریہ ایران میں قوای حاکم یہ ہیں: مقننہ ،مجریہ اور عدلیہ یہ تینوں ادارے ولایت مطلقہ کے زیر نظر اس قانون کے آئندہ طے پانے والے اصولوں کے مطابق عمل کرینگے_ (1)
"ولایت مطلقہ" میں لفظ " مطلقہ" اور" فلسفہ سیاست" کی اصطلاح میں استعمال ہونے والے لفظ "مطلقہ"کے درمیان لفظی شباہت کی وجہ سے بعض لا علم اور مخالفین نے ولایت فقیہ پر اعتراض کیا ہے _
فلسفہ سیاست کی رائج اصطلاح میں" حکومت مطلقہ" ڈکٹیٹر شپ اورمطلق العنان آمریت کو کہتے ہیں_ جس میں حکومت کا سربراہ اپنی مرضی سے حکومت چلا تا ہے ، دل خواہ قوانین وضع کرتا ہے اور معاشرے کا

1) قانون اساسی اصل 57_

273
خیال نہیں رکھتا_ آنے والے مطالب سے واضح ہوجائے گا کہ فقیہ کی "ولایت مطلقہ "بنیادی طور پراس "حکومت مطلقہ"سے بہت مختلف ہے_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ولایت فقیہ کے مفہوم کے صحیح ادارك کیلئے درج ذیل تمہید پر غور کرنا ضروری ہے_
فقہی استنباط کی حقیقت ،در اصل شارع کے جعل اور انشاء کو کشف کرنا ہے_فتوی ، کے وقت فقیہ، نہ حکم کو جعل کرتا ہے نہ نافذ کرتا ہے_ فقیہ، ادلّہ کی طرف رجوع کر کے اس مسئلہ سے پردہ اٹھاتا ہے کہ نماز عشاء واجب ہے، اس حکم کا ایك نفاذ ہے _ اور وہ نماز مغرب کے بعد نماز عشاء کا پڑھنا ہے_ نماز عشاء کا پڑھنا فقیہ کے تعین ، را ے اور نافذ کرنے پر موقوف نہیں ہے_ وہ موارد جن میں شرعی حکم کو متعدد طریقوں سے عملی اور نافذ کیا جاسکتا ہے ان کے نافذ کرنے کی کیفیت میں بھی فقیہ کا کوئي کردار نہیں ہوتا_ مثلا اسلامی شریعت میں شادی کرنا جائز ہے_ اس حکم جواز (بمعنای اعم)کے متعدد نفاذ ہیں یعنی مرد کو اختیار ہے کہ وہ کسی بھی خاندان، قبیلہ یا قوم سے اپنے لئے زوجہ کا انتخاب کرسکتا ہے_اس جواز کے انشاء اور نفاد کی کیفیت میں فقیہ کا کوئي کردار نہیں ہوتا بلکہ فقط اس شرعی حکم کا کشف کرنا فقیہ کی علمی کوشش کے ساتھ و ابستہ ہے_
جبکہ اس کے مقابلہ میں "حکومتی حکم "میں جعل اور نفاذ دونوں عنصر ہوتے ہیں _ فقیہ بعض موارد میں حکم کو جعل کرتا ہے اور بعض موارد میں نافذ کرتا ہے_ مثلا حدود الہی کے اجراء کے سلسلہ میں فقیہ عادل کے حکم کے بغیر کسی مجرم پر الہی حدود جاری نہیں کی جاسکتیں_ اسی طرح اگر فقیہ کسی مصلحت کی بنیاد پر بعض مصنوعات یا اشیا کو ممنوع یا کسی ملك کیساتھ تجارت کرنے کو حرام قرار دیتاہے یا اس کے برعکس ان مصنوعات کی بعض مخصوص ممالك کیساتھ تجارت کو جائز قرار دیتاہے تو اس نے ایك تو حکومتی حکم " جعل" کیا ہے اور دوسرا اسے ایك خاص طریقے سے نافذ کرنے کا حکم دیا ہے_ کیونکہ مباح مصنوعات یا اشیاء کی تجارت کو متعددطریقوں

سے عملی اور نافذ کیا جاسکتا ہے_ اور اسے مختلف طریقوں سے فروخت کیا جاسکتا ہے _ خاص کیفیت اور موردکا تعیّن ایك حکم کی تنفیذ میں مداخلت ہے_
حاکم شرع کی تنفیذی دخالت کی دوسری مثال دو شرعی حکموں میں تزاحم اور تصادم کا مورد ہے_ معاشرے میناجرائے احکام کے وقت بعض اوقات دو شرعی حکموں میں تصادم ہوجاتا ہے_ اس طرح کہ ایك کو ترجیح دینے کا مطلب دوسرے کو ترك کرنا ہوتاہے _ اس وقت ولی فقیہ اہم مورد کو تشخیص دے کر اہم شرعی حکم کو نافذ کرتا ہے اور دوسرے کو ترك کر دیتا ہے_
موردبحث نکتہ یہ ہے کہ کیا ولی فقیہ کسی اہم شرعی حکم کے بغیر بھی کسی دوسرے حکم کے نفاذ کو روك سکتاہے؟ یعنی اگر کسی مورد میں وجوب یا حرمت کا حکم موجود ہے توکیا اس میں مصلحت کی صورت میں ولی فقیہ اس حکم کے برخلاف کوئي دوسرا حکم" جعل" کرسکتا ہے؟ مثلا عارضی طور پر مسلمانوں کو حج تمتع سے روك دے؟ یہاں دو مختلف بنیادی نظریے ہیں_ فقیہ کی "ولایت مطلقہ "کے حامی اس سوال کا جواب ہاں میں دیتے ہیں _ لیکن فقیہ کي" ولایت مقیّدہ " کے حامی فقیہ عادل کیلئے اس قسم کے کسی حق کے قائل نہیں ہیں_
فقیہ کی ولایت مقیّدہ کے حامی معتقد ہیں کہ حکومتی حکم کی جگہ وہاں ہے جہاں شریعت کا کوئي الزامی حکم نہ ہو اور یہ کہ حکومتی حکم کے صدور میں" ولی فقیہ" شریعت کے تابع ہے کسی تصادم و تزاحم کے بغیر صرف کسی مصلحت کی وجہ سے شریعت کے واجب یا حرام کے برعکس کوئي حکم صادر نہیں کرسکتا _ ان کی نظر میں حکومتی حکم کا دائرہ غیر الزامی احکام یا الزامی احکام_ تزاحم کی صورت میں _اور یا اس موردتك محدود ہے کہ جس کے متعلق شریعت نے کوئي حکم بیان نہیں کیا ولی فقیہ حکومتی حکم کے ذریعہ اس قانونی خلا کو پر کر سکتا ہے_ یہ سکوت یا شریعت کے حکم اوّلی کا نہ ہونا شریعت کے ناقص ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس مورد میں طبعی تقاضا یہ تھا

کہ کسی الزامی حکم سے سکوت اختیارکیا جائے _ شہید صدر فرماتے ہیں:
واقعات اور انسانی ضروریات کی متغیر حقیقت باعث بنتی ہے کہ ان میں کوئي حکم وضع نہ کیا جائے البتہ شارع نے اسے مہمل اور بے مہار نہیں چھوڑا ، بلکہ اسلامی حکومت کے سربراہ کو حق دیا ہے کہ وہ اس موقع کی مناسبت سے حکم جعل کرے_(1)
علامہ طباطبائي بھی فقیہ کی ولایت مقیدہ کے قائل ہیں _ ان کی نظر میں اسلامی قوانین دو قسم کے ہیں متغیر اور ثابت _ اسلام کے ثابت قوانین و احکام انسان کی فطرت ،اور ان خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے بنائے گئے ہیں جو بدلتی نہیں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہيں اور انہيں اسلامی شريعت کا نام ديا گيا ہے _ احکام کی دوسری قسم جو کہ قابل تغير ہے اور زمان و مکان کی مصلحت کے مختلف ہونے سے مختلف ہوجاتے ہيں يہ ولايت عامہ کے آثار کے عنوان سے رسولخدا (ص) ،ائمہ معصومين اور ان کے مقرر کردہ جانشينونکی را ے سے مربوط ہوتے ہيں اور وہ انہيں دين کے ثابت قوانين اور زمان و مکان کی مصلحت کے پيش نظر تشخيص ديتے ہيں اور جاری کرتے ہيں _ البتہ اصطلاحی لحاظ سے اس قسم کے قوانين دينی اور شرعی احکام ميں شمار نہيں ہوتے_ ثقافت اور لوگوں کی معاشرتی زندگی کی پيشرفت اور ارتقاء کے لئے ولی امر جو قوانين وضع کرتا ہے واجب الاجرا ہونے کے باوجود وہ شريعت اور حکم الہی کے زمرہ ميں نہيں آتے اس قسم کے قوانين کا اعتبار اس مصلحت کے تابع ہے جو ان کے وضع کرنے کا باعث بنی ہے_ ليکن احکام الہی جو کہ عين شريعت ہيں ہميشہ ثابت رہتے ہيں اور کوئي بھی حتی کہ ولی امر بھی يہ حق نہيں رکھتا کہ وقتی مصلحت کی وجہ سے انہيں تبديل يا لغو کردے (2)

1) اقتصادنا ،شہيد محمد باقر صدر، ص 721_
2) فرازہای از اسلام، ص 71 _ 80_

اس نظريہ کے مقابلہ ميں کہ جو فقيہ کی ولايت عامہ کو شرعی احکام ميں محدود قرار ديتاہے امام خميني، فقيہ کی "ولايت مطلقہ "کا دفاع کرتے ہيں _

اس نظريہ کے مطابق شريعت کے الزامی احکام بھی حکومتی حکم کے صدور ميں رکاوٹ نہيں بن سکتے _ اورفقيہ کی ولايت شريعت کے حصارميں محدود اور منحصر نہيں ہے_ اگر اسلامی نظام اور مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہو، تو جب تک يہ مصلحت ہے _جو کہ سب سے اہم مصلحت ہے_ فقيہ وقتی طور پر حکومتی حکم صادر کرسکتاہے اگر چہ وہ حکم شريعت کے کسی الزامی حکم کے منافی ہی کيوں نہ ہو_

پس شرعی احکام کے لحاظ سے فقيہ کی ولايت محدود اور مقيد نہيں ہے بلکہ مطلق ہے _ اس نظريہ کا سرچشمہ اور بنياد يہ ہے کہ امام خمينی کی نظر ميں" حکومت" اسلام کے احکام اوليہ ميں سے ہے اور نظام اور اسلامی حکومت کی حفاظت اہم ترين واجبات الہيہ ميں سے ہے اور اسلام کے باقی تمام احکام اوليہ پر مقدم ہے _

حکومت يا "ولايت مطلقہ" جو کہ اللہ تعالی کی طرف سے آنحضرت (ص) کو عطا کی گئي ہے اہم ترين حکم الہی ہے اور خدا کے تمام احکام فرعيہ پر مقدم ہے _ اگر حکومتی اختيارات احکام فرعيہ الہيہ ميں محدودہوجائيں تو آنحضرت (ص) کو عطا کی گئي حکومت الہی اور ولايت مطلقہ ايك کھوکھلی سی چيز بن کر رہ جائے گی _ حکومت ہر اس عبادی يا غير عبادی امر کو اس وقت تك روك سکتی ہے جب تك اس کا اجرا مصلحت اسلام کے منافی ہو(1)

حکومتی حکم کا صدور، حفظ نظام کی مصلحت کے ساتھ مربوط ہے _ امام خمينی کی نظر ميں اگر حفظ نظام کی مصلحت اس حد تك پہنچ جائے کہ ولی فقيہ کی نظر ميں وہ شريعت کے کسي" حکم اولي" کے ساتھ ٹکرارہی ہے تو ہميشہ حفظ نظام کی مصلحت مقدم رہے گي_ اور اس شرعی حکم کے ملاك اور مصلحت سے اہم قرار پائے گی اورولي

1) صحيفہ نور، جلد 20 صفحہ 170_

فقيہ کو يہ حق حاصل ہے کہ وہ اس مصلحت پر عمل کرے او رجب تك وہ مصلحت باقی ہے اہم کو مہم پر ترجيح دے_

آخر ميں اس نکتہ کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر چہ اسلامی جمہوريہ ايران کے قانون اساسی کی شق 110 ميں "ولی فقيہ "کے وظائف اور اختيارات ذکر کئے گئے ہيں ليکن فقيہ کی "ولايت مطلقہ" کو ديکھتے ہوئے اس کے اختيارات ان امور ميں محدود نہيں ہيں بلکہ اس کے اختيارات کا دائرہ اسلامی معاشرہ کے مصالح کی بنياد پر ہوگا_

خلاصہ:

1) امام خمينی حکومت اور اسلامی نظام کو اسلام کے احکام اوليہ ميں سے سمجھتے ہيں _
2) ان کی نظر ميں حکومت ،فقہ کے اجزا ميں سے نہيں ہے_ بلکہ تمام کی تمام فقہ نظام مسلمين کی حفاظت کيلئے ہے_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اسی لئے اسلامی حکومت اہم ترین واجبات الہیہ میں سے ہے _
3) اس بناپر حکومتی حکم کا صدور کسی ثانوی عنوان کے محقق ہونے پر موقوف نہیں ہے_
4) امام خمینی انقلاب کے ابتدائي سالوں میں احتیاط کی بناپرحکومتی اورظاہر شریعت کے منافی حکم کو ثانوی عناوین کے ساتھ مربوط سمجھتے تھے_
5) فقیہ کی ولایت مطلقہ کی بحث براہ راست حکومتی حکم کے صدور کی بحث کے ساتھ منسلك ہے _
6) فقیہ کی ولایت مطلقہ اور سیاسی فلسفہ میں موجود حکومت مطلقہ کو ایك جیسا قرار نہیں دیا جاسکتا_
7) فتوی کے برعکس حکومتی حکم میں جعل و انشاء اور تنفیذ دونوں عنصر ہوتے ہیں _
8) فقیہ کی ولایت مطلقہ کا لازمہ یہ ہے کہ اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو فقیہ عادل شریعت کے الزامی حکم یعنی وجوب و حرمت کے منافی حکم بھی صادر کرسکتاہے_
9) فقیہ کی ولایت مقیدہ کا معنی یہ ہے کہ فقیہ، فقط شریعت کے غیر الزامی احکام کے مقابلہ میں حکومتی حکم صادر کرسکتاہے _ اس کی ولایت، شریعت کے الزامی احکام کے عدم وجود کے ساتھ مشروط ہے _
10) امام خمینی کی نظر میں جب حفظ نظام کی مصلحت کسی شرعی حکم کی مصلحت کے ساتھ ٹکرا جائے تو حفظ نظام کی مصلحت اہم اور مقدم ہے _

سوالات:

1) حکومت کے مقام اور احکام شریعت کے ساتھ اس کے رابطہ کے متعلق امام خميني کا نظریہ کیا ہے ؟
2) فقیہ کی ولایت مطلقہ سے کیا مراد ہے ؟
3) فقیہ کی ولایت مطلقہ کا حکومت مطلقہ کی بحث سے کیا تعلق ہے ؟
4) فقیہ کی ولایت مقیدہ سے کیا مراد ہے ؟
5) جب حفظ نظام کی مصلحت ، شریعت کے احکام اولیہ کے ملاکات سے ٹکرا جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

اسلامی نظریہ حکومت

انتیسواں سبق :

دینی حکومت کے اہداف اور فرائض (1)

کسی سیاسی نظام کے دوسرے سیاسی نظاموں سے امتیاز کی ایك وجہ وہ فرائض ، اختیارات اور اہداف ہینجو اس کے پیش نظر ہیں _ مختلف مکا تب اور سیاسی نظام اپنی حکومت کیلئے مختلف اہداف اور فرائض قرار دیتے ہیں _ اگر چہ بہت سے اہداف مشترك ہوتے ہیں مثلاً امن عامہ کا برقرار کرنا اور دشمن کے تجاوز اور رخنہ اندازی سے خود کو محفوظ رکھنا ایسے اہداف ہیں کہ جنہینتمام سیاسی نظاموں نے اپنے اپنے ذوق و سلیقہ کے مطابق اپنے اوپر فرض قرار دے رکھاہے _ آج سیاسی ماہرین اور مفکرین کے در میان حکومت کے فرائض اور اختیارات کے متعلق بڑی سنجیدہ بحثیں ہو رہی ہیں _ بعض سیاسی نظریات" حکومت حداقل" کا دفاع کرتے ہیں _ ان سیاسی فلسفونکا عمومی اعتقاد یہ ہے کہ جتنا ممکن ہو سکے حکومت مختلف امور میں کم سے کم مد اخلت کیا کرے_ انیسویں صدی کے کلاسیکی اور آج کے نیولبرل ازم (New Liberalism) اقتصادی لحاظ سے بازار تجارت میں حکومت کی کمترین مداخلت کے قائل ہیں انکا نظریہ یہ ہے کہ بازار میں موجود کارو بار و تجارت میں حکومت کی عدم مداخلت سے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

281
اقتصادی توازن بر قرار رہے گا _اور حکومت کی مداخلت آزاد تجارت کے نظم و نسق کو در ہم بر ہم کردے گی _ اس کے مقابلہ میں سو شلزم کی طرف مائل افرادیہ چاہتے ہیں کہ حکومت براہ راست اقتصادی امور میں مداخلت کرے حتی کہ تمام اقتصادی مراکز حکومت کے ہاتھ میں ہونے چاہئیں_ اس نظریہ کی ہلکی سی جھلك لبرل ازم کی تاریخ کے ایك مختصر دور میں دکھائي دیتی ہے _جدید لبرل ازم جو کہ بیسویں صدی کے اوائل سے لیکر 1970 تك رہا ہے رفاہی ریاست (1)کا خواہاں ہے _ وہ چاہتاہے کہ حکومت آزاد تجارت میں مداخلت کرے تا کہ ایك طرف بازار رونق پکڑے اور دوسری طرف آسیب پذیر طبقے کا دفاع ہو اور معاشرتی اور اجتماعی امور پر کوئي زد نہ پڑے _
اقتصاد سے ہٹ کر سیاسی فلسفہ کی ایك اہم ترین بحث یہ بھی ہے کہ سعادت ، اخلاقیات اور معنویات میں حکومت کا کیا کردار ہے _ اور ان کے ارتقاء کے سلسلہ میں حکومت کے کیا فرائض ہیں ؟کیا عوام کی سعادت اور نجات بھی حکومت کے اہداف اور فرائض میں سے ہے؟
ماضی میں بھی بہت سے سیاسی فلسفے خیر و سعادت پر گہری نگاہ رکھتے تھے _سیاسی ماہرین اپنے سیاسی نظاموں کو خیر و سعادت کی بنیاد پر متعارف کرواتے تھے اورخیرو سعادت کی جو مخصوص تعریف کرتے تھے اسی لحاظ سے اپنے اہداف اور دستور العمل کو متعین کرتے تھے _آخری دو صدیوں میں ہم نے ایسے ایسے سیاسی نظریات دیکھے ہیں جو اس سلسلہ میں حکومت کے کردار اور فرائض کوبالکل نظر انداز کرتے ہیں ان نئے نظریات کی بنیاد پر خیر و سعادت جیسے امور حکومت کے فرائض و اہداف سے خارج ہیں_ حکومت کا کام فقط امن وامان اور رفاہ عامہ کے متعلق سو چناہے _ اور اسے چاہیے کہ خیروسعادت ، اور اخلاق و معنویت جیسے امور خود عوام اور معاشرے کے افراد کے حوالہ کردے_

1) Welfare State.

282
لبرل ازم اس نظریہ کی سخت حمایت کرتا ہے کہ اس قسم کے امور عوام کے ساتھ مربوط ہیں لہذا ان امور میں حکومت کسی قسم کی مداخلت نہیں کر سکتی ، بلکہ اس قسم کے مسائل میں مداخلت لوگوں کے ذاتی مسائل میں مداخلت ہے اور ان کے حقوق اور ان کی شخصی آزادی کو سلب کرنے کے مترادف ہے_ حکومت کو اپنے فرائض عوامی حقوق اور شخصی آزادی کو ملحوظ خاطر رکھ کر انجام دینے چاہیں_ لبرل نظریات کے حامی افراد کی نظر میں "حقوق بشر کا عالمی منشور" جو کہ لبرل نظریات کے اصولوں کی بنیاد پر بنایا گیاہے، حکومت کے اہداف و فرائض متعین کرنے کیلئے انتہائي مناسب راہنماہے حکومت کو اسی کا دفاع کرنا ہے اور اسے امن وامان برقرار رکھنے ، شخصی مالکیت کی حفاظت، ثقافتی ، مذہبی اور اقتصادی آزادی کیلئے کوشش کر نی چاہیے _ خیر و سعادت اور اخلاقیات کو خود عوام کے سپرد کرد ے تا کہ ہر شخص اپنی مرضی کی خیر و سعادت کے متعلق اپنے مخصوص نظر یہ کے مطابق زندگی گزار سکے_
ا س تمہید کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ دیکھنا ہے کہ اسلام کن اہداف اور فرائض کو حکومت کے کندھوں پر ڈالتا ہے _حکومت کے متعلق اسلام کا نظر یہ کیا ہے ،اور اس کیلئے کس مقام کا قائل ہے ؟
ہم اس تحقیق کو تین مرحلوں میں انجام دیں گے ، پہلے حکومت اور اس کے مقام کے متعلق اسلامی نظر یہ کی تحقیق کریں گے _پھر دینی حکومت کے اہداف پر ایك نگاہ ڈالیں گے اور آخر میں اسلامی سربراہوں کے جزئي وظائف اور فرائض کی طرف اشارہ کریں گے _

حقیقت حکومت از نظر اسلام
دوسرے باب میں "اسلام کی نظر میں امامت اور سیاسی قیادت کے مقام و مرتبہ" کے متعلق ہم تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں _یہاں حقیقت و ماہیت کے متعلق بحث سے ہماری یہ مراد نہیں ہے کہ ہم نئے سرے سے اس کی

283
اہمیت کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں _ بلکہ یہاں ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ حکومت کو اسلام کس نگاہ سے دیکھتاہے اور اس کے نزدیك اس کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے ؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

آیات و روایات کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں حکومت اور دنیوی مقامات و مناصب بذات خود کوئي اہمیت و کمال نہیں رکھتے، "حکومت" ذمہ داری اور امانت کا بوجھ اٹھانے کا نام ہے _ اس ذمہ داری اور امانت کا بوجھ اٹھانے کیلئے اہلیت ، صلاحیت اور انفرادی کمالات کی ضرورت ہے -_ اسی وجہ سے اسلامی معاشرہ کے حاکم کیلئے مخصوص خصوصیات اور شرائط کا لحاظ رکھا گیا ہے -_اسلام کی نگاہ میں ہر قسم کا اجتماعی منصب خصوصاًحکومت اور امارت ایك الہی امانت ہے لہذا اسے کوئي کمال شمار نہیں کیا جاتا -_ سورہ نساء کی آیت 58 میں ارشاد خداوندی ہے:

"إنَّ اللهَ يَأمُرُكُم أَن تُؤَدُّوا الأَمَانَات إِلَى أَہلِہَا وَإذَا حَكَمتُم بَينَ النَّاس أَن تَحكُمُوا بالعَدل إنَّ اللهَ نعمَّا يَعظُكُم بہ إنَّ اللهَ كَانَ سَميعا بَصيرا"(58)

یقینا خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل تك پہنچا دو اور جب لوگوں کے درمیان کوئي فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو _ خدا تمھیں بہترین نصیحت کرتا ہے بے شك خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے_

حضرت امیرالمومنین آذربایجان میں لشکر اسلام کے سپہ سالار اشعث ابن قیس کو ایك خط میں تاکید کرتے ہیں کہ حکومت اور امارت تیرے لئے ایك لذیذ لقمہ نہیں ہے کہ تو اس سے لطف اندوز ہو -_ بلکہ ایك بار امانت ہے جسکا تجھے جواب دینا ہے _ بیت المال در حقیقت خدا کا مال ہے _ لہذا اس کیلئے امانتدار محافظ بنو_

284

انّ عملك ليس لك بطعمة ، و لكنّہ ف عُنقك أمانة ، و أنت مسترعى لمَن فوقك ليس لك أن تفتات ف رعيّة ، و لا تخاطر إلّا بوثيقة ، و ف يديك مال من مال الله (عزّوجلّ) و أنت من خُزّانة حتى تسلّمہ إلّ (1)

یہ امارت تیرے لئے روزی کا وسیلہ نہیں ہے- بلکہ تیری گردن میں امانت (کا طوق) ہے تمہارے لئے ضروری ہے کہ اپنے فرمانروا اور امام کی اطاعت کرو، اور تمہیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنی رعیت کے معاملہ میں جو چاہو کر گزر و خبردار کسی مضبوط دلیل کے بغیر کوئي اہم قدم مت اٹھانا اور تیرے ہاتھ میں خدا کا مال ہے تو اس کا ایك محافظ ہے یہاں تك کہ اسے میرے پاس پہنچا دے ...

اپنے ایك اور عامل کے نام لکھے گئے خط میں مقام و منصب سے غلط اور ناجائز فائدہ اٹھانے کو امانت الہی میں خیانت کے مترادف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَقَد بلغنى عنك أمر إن كنت فعلتہ فقد أسخطت ربّك و عصيت إمامك و أخزيتَ أمانتك " (2)

تمھارے متعلق مجھے ایك اطلاع ملی ہے _ اگر واقعاً تونے ایسا کیا ہے تو پھر تو نے اپنے رب کو غضبناك کیا ہے، اپنے امام کی نافرمانی کی ہے اور اپنی امانت کو رسوا کیا ہے _

حضرت امیرالمومنین حکومت اور اسکے منصب کو ایك امانت سمجھتے ہیں اور اس میں خیانت کرنے کو بارگارہ پروردگار میں ذلت و رسوائي کا باعث قرار دیتے ہیں_ اسلامی نقطہ نظر سے حکومتی اہلکار، خدا کی بارگاہ

1) نہج البلاغہ ،مکتوب 5_
2) نہج البلاغہ ، مکتوب 40_

285

میں اس امانت الہی کے سلسلہ میں جوابدہ ہیں جو انہوں نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھی ہے _ اہواز کے قاضی "رفاعہ" کو لکھتے ہیں :

"اعلم يا رفاعة انّ ہذه الامارة امانة فَمَنْ جعلہا خيانة فعليہ لعنة الله الى يوم القيامة و من استعمل خائنا فان محمد (ص) برى منہ فى الدنيا والاخرة"(1)

اے رفاعہ جان لو کہ یہ امارت ایك امانت ہے جس نے اس میں خیانت کی اس پر قیامت تك خدا کی لعنت ہے _اور جو کسی خائن کو عامل بنائے رسولخدا (ص) دنیا و آخرت میں اس سے برى الذمہ ہیں_-

جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر میں حضرت علی سے یوںنقل کرتے ہیں :

"حقّ على الإمام أن يحكم بما أنزل الله و أن يؤدّ الأمانة ، فإذا فعل ذلك فحقّ على النّاس أن يسمعوا لہ و أن يطيعوا ، و أن يجيبوا إذا دعوا" (2)

امام کیلئے ضروری ہے کہ وہ خدا کے احکام کے مطابق فیصلے کرے اور امانت کو ادا کرے _ پس جب وہ ایسا کرے تو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لوگوں پر واجب ہے کہ اس کی بات سنیں اس کی اطاعت کریں اور جب وہ بلائے تو لبيك کہیں_
حکومت بذات خود کوئي معنوی حیثیت نہیں رکھتي_ اور نہ ہی حاکم کیلئے کوئي کمال شمار ہوتا ہے_ مگر یہ کہ وہ اس سیاسی اقتدار کے ذریعہ اس ذمہ داری اور امانت الہی کو صحیح طور پر ادا کرے_
عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ بصرہ کی طرف جا تے ہوئے " ذی قار" نامی ايك جگہ پر میں امیرالمومنین کے پاس گیا _ وہ اپنے جوتے کو ٹانکا لگا رہے تھے _ مجھ سے پوچھتے ہیں اس جوتے کی قیمت کیا ہے ؟ میں نے جواب دیا: کچھ بھی نہیںتو آپ نے فرمایا :

1) دعائم الاسلام، ج 2 ، ص 531_
2) الدر المنثور ،ج 2 ، ص 175_

286

"واللہ لہ أحبّ إلیّ من إمرتکم ، إلّا أن أُقیم حقّا أو أدفع باطلا"(1)
خدا کی قسم میں اسے تم پر حکومت کرنے سے زیادہ پسند کرتا ہوں _ مگر یہ کہ حق کو قائم کروں اور باطل کو دور کردوں _
بنابریں حکومت اور قیادت اس وقت اہمیت رکھتے ہیں جب اس کے اہداف عملی شکل اختیار کرلیں اور سیاسی اقتدار کے حامل افراد کی تمام تر کوشش ان اہداف کو پورا کرنے کیلئے ہو _

دینی حکومت کے اہداف :
دینی منابع کی طرف رجوع کرنے سے یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ اسلام ،حکومت کے اہداف کو رفاہ عامہ اور امن وامان برقرار کرنے میں محدود نہیں کرتا _ بلکہ اسلامی معاشرہ کی خیر و سعادت اور معنویات سے مربوط امور کو بھی حاکمیت کے دستورالعمل میں سے قرار دیتا ہے دینی حکومت کیلئے ضروری ہے کہ وہ معاشرے کو ایمان اور اخلاق سے لبریز زندگی فراہم کرئے اور رفاہ عامہ کے ساتھ ساتھ دینی ثقافت اور الہی پیغامات کے فروغ پر بھی زور دے _ دینی حکومت کے اہداف کو بیان کرنے والی بعض آیات اور روایات کی مدد سے ہم ان اہداف میں سے بعض کی طرف اشارہ کریں گے _
کلی طور پر ہم ان اہداف کو دو بنیادی حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں _ ايك حصہ معنوی اہداف پر مشتمل ہے اور دوسرا دنیوی اہداف پر_ دینی حکومت کے دنیوی اہداف ایسے امور پر مشتمل ہیں جو بڑی حد تك غیر دینی حکومتوں کے بھی مورد نظر ہوتے ہیں _ جبکہ دینی حکومت کے معنوی اہداف وہ امور ہیں جو فقط اسلامی حکومت کے ساتھ مخصوص ہیں اوراسلامی حکومت کو دوسری حکومتوں سے ممتاز کرتے ہیں_ دینی حکومت کی خصوصیت وہ عہد و پیمان ہے جو ان اہداف کو پورا کرتا ہے _

1) نہج البلاغہ ، خطبہ 33 _ارشاد مفید ،ج 1، ص 247میں یہی حدیث مختصر سے فرق کے ساتھ بیان کی گئي ہے _ 287

الف: معنوی اہداف

دینی حکومت کے معنوی اہداف سے مراد وہ کوششیں ہیں جو معاشرے کی فطرت الہی کے مطابق رشد و ترقی کی خاطر سازگار ماحول فراہم کرنے کیلئے کی جاتی ہیں_ ان میں سے بعض کا تعلق تہذیب و ثقافت اور صحیح مذہبی پروپیگنڈے سے ہے _ اور بعض احکام شریعت اور حدود الہی کے نفاذ اور آلودگی و تباہی سے معاشرہ کو محفوظ رکھنے کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں _ یہاں پر ہم ان آیات و روایات کو بطور نمونہ پیش کرتے ہیں جو دینی حکومت کے معنوی اہداف کو بیان کرتی ہیں _ پھر ان اہداف کی فہرست بندی کریں گے _
جو لوگ زمین پراقتدار حاصل کرلیتے ہیں، اللہ تعالی ان کے لیئے کچھ مخصوص فرائض بیان کرتاہے_
مثلا نماز کا قائم کرنا ، نیکی کا حکم دینا اور برائي سے روکنا _سورہ حج کی آیت 41 میں ارشاد خداوندی ہے_
"الذین ان مَکّنا ہم فی الارض أقاموا الصلوة و آتوا الزکوة و أمروا بالمعروف و نہوا عن المنکر وللہ عاقبة الامور_"
یہ وہ لوگ ہیں اگرہم انہیں زمین میں اختیار دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوة ادا کریں گے ، نیکی کا حکم دیں گے اور برائي سے منع کریں گے _ اور یقینا تمام امور کا انجام خدا کے اختیار میں ہے_
معاشرتی عدل و انصاف پر اسلام نے بہت زیادہ زور دیا ہے _ یہاں تك کہ اسے دینی حکومت کے بنیادی اہداف میں شمار

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کیا ہے _سورہ نحل کی آیت 90 میں ارشاد ہوتاہے:
"ان اللہ یأمر بالعدل و الاحسان"
یقینا خدا عدل و انصاف اور نیکی کا حکم دیتا ہے _
سورہ شوری کی آیت 15 میں ارشاد ہے :
" اُمرت لاعدل بینکم"
مجھے حکم ملاہے کہ تمھارے در میان انصاف کروں_

سورہ نساء کی آیت 58 میں حکم ہے :
"ان اللہ یأمرکم ا ن تُودّوا الامانات الی اہلہا و اذا حکمتم بین الناس ا ن تحکموا بالعدل ..."
بے شك خدا تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل تك پہنچادو _اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو _
ابوحمزہ ثمالی نے امام باقر سے امام اور لوگوں کے باہمی حقوق کے متعلق پوچھا تو امام نے عدل و انصاف کو لوگوں کا امام پر حق قرار دیا _ ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں :
"سألت أبا جعفر (ع) ما حقّ الإمام علی النّاس؟ قال: " حقہ علیہم ان یسمعوا لہ و یطیعوا" قلت: فما حقّہم علیہ ؟ قال: " یقسّم بینہم بالسویة و یعدل فی الرعیة ..." (1)
میں نے امام باقر سے پوچھا کہ امام کا لوگوں پر کیا حق ہے ؟آپ نے فرمایا امام کا ان پر یہ حق ہے کہ وہ امام کی بات سنیں اور اطاعت کریں _پھر میں نے پوچھا لوگوں کا امام پر کیا حق ہے ؟آپ نے فرمایا: بیت المال کو ان کے در میان بطور مساوی تقسیم کرے اور رعیت کے درمیان عدل و انصاف کرے ...
حضرت علی فرماتے ہیں : "امام عادل خیرٌ من مطر وابل"
امام عادل موسلہ دھار بارش سے بہتر ہے _(2)
امام رضا مخصوص معنوی اورثقافتی اہداف کو امام کے فرائض میں سے شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں :
والإمام یحلّ حلال اللہ و یحرّم حرام اللہ و یقیم حدود اللہ ویذبّ عن دین اللہ و یدعوا إلی سبیل ربہ بالحکمة و الموعظة

1) کافی ،ج 1، ص 405، باب مایجب من حق الامام علی الرعیة، ح1_
2) غررالحکم ،آمدی ج 1 ، ص 386، ح 1491_

الحسنة و الحجةالبالغة(1)
امام حلال خدا کو حلال اور حرام خدا کو حرام قرار دیتا ہے ، حدود الہی کو قائم کرتا ہے ، دین خدا کا دفاع کرتا ہے اور(لوگوں کو) حکمت ، موعظہ حسنہ اور محکم دلیل کے ذریعہ راہ خدا کی طرف دعوت دیتا ہے_
حضرت امیرالمومنین خدا سے مناجات کرتے ہیں _ اور اس نکتہ" کہ مسلمانوں پر حکومت قبول کرنے کامیرامقصد کوئي دنیوی منصب و اقتدار اور بے قیمت دنیوی مال و متاع کا حصول نہیں تھا "کے ضمن میں تین اہداف کا ذکر کرتے ہیں جن میں سے دو معنوی اہداف ہیں :
"اللہمّ إنّك تعلم انّہ لم یکن الذی کان منّا منافسة فی سلطان، ولا التماس شي من فضول الحطام ، و لکنّ لنرد المعالم من دینك ، و نُظہر الاصلاح فی بلادك فیأمن المظلومون من عبادك، و تقام المعطّلة من حدودك "
اے پروردگار تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام نہ ملك و سلطنت کے حصول کیلئے کیا ہے اور نہ ہی اس دنیا کے پست و بے قیمت مال کو اکھٹا کرنے کیلئے کیا ہے _
میں نے یہ قدم اس لئے اٹھایا ہے تا کہ تیرے دین کی تعلیمات کو واپس لے آؤں، صلح و سلامتی کو تیرے شہروں میں برقرار کروں تا کہ تیرے مظلوم بندے امن سے رہ سکیں اور تیرے ان قوانین کو زندہ کروں جنہیں معطل کر دیا گیا ہے_(2)
حق کا قیام اور باطل سے مبارزت بھی دینی حکومت کے اہداف میں سے ہے سورہ ص کی آیت 26 میں ارشادہے : "یا داود انّا جعلناك خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق" اے داود ہم نے تمھیں زمین پر خلیفہ مقررکیا ہے _ پس لوگوں کے

درميان حق كے ساتھ فيصلہ كرو_

1) كافي، ج 1، ص200، باب نادر جامع فى فضل الامام و صفاتہ ،ح 1_
2) نہج البلاغہ ، خطبہ 131_

حضرت على اور ابن عباس كے درميان "ذى قار" كے مقام پر جو مكالمہ ہوا تھا اس ميں آپ (ع) نے حكومت كرنے كا مقصد حق كا قيام اور باطل كو روكنا قرار ديا تھا آنحضرت (ص) نے جب معاذ ابن جبل كو يمن كا والى بنا كر بھيجا تو انہيں كچھ اہم نصيحتيں كيں _ جن ميں سے بعض دينى حكومت كے معنوى اہداف كى طرف اشارہ كرتى ہيں آپ نے فرمايا :

"يا معاذ، عَلّمہُم كتابَ الله وأحسن أدبَہم على الأخلاق الصالحة و أنزل النّاس منازلَہم خيرَہم و شرّہم ... و أمت أمرَ الجاہليّة إلاّ ما سنّہ الإسلام و أظہر أمر الإسلام كلَّہ، صغيرَہ و كبيرَہ، و ليكن أكثر ہمّك الصلاة: فإنّہا رأس الإسلام بعد الإقرار بالدين و ذكّر الناس بالله واليوم الآخر و اتّبع الموعظة; فإنّہ أقوى لہم على العمل بما يحبّ الله ثمّ بثّ فيہم المعلّمين، و اعبد الله الذّ إليہ ترجع، و لا تَخَف فى الله لومة لائم"(1)

اے معاذ لوگوں كو قرآن كى تعليم دينا _ اچھے اخلاق سيكھانا ، اچھے اور برے افراد كو ان كے مقام پرركھنا ...جاہليت كى ہر رسم كو فنا كردينا مگر جس كى اسلام نے اجازت دى ہے _ اسلام كے چھوٹے بڑے ہر حكم كو قائم كرنا _ ليكن تيرى زيادہ كوشش نماز كے متعلق ہونى چاہيے _ كيونكہ دين كا اقرار كرنے كے بعد نماز اسلام كا سب سے اہم ركن ہے ، لوگوں كو خدا اور قيامت كى ياد دلانا ، وعظ و نصيحت كو ياد ركھنا ، يہ ان كے لئے خدا كے پسنديدہ امور پر عمل كرنے كيلئے مدد گار ثابت ہوگا _ پھر معلمين كو ان ميں پھيلادينا اور اس خدا كى عبادت كرنا جس كى طرف تجھے پلٹ كرجانا ہے اور خدا كے سلسلہ ميں كسى ملامت كرنے والے كى ملامت سے مت ڈرنا_

1) تحف العقول ،ص 26_

خلاصہ :

1) دوسرے سياسى نظاموں سے دينى حكومت كو ممتاز كرنے والى ايك چيز اسلامى حكومت كے اہداف اور فرائض ہيں _
2) موجودہ دور ميں خصوصاً لبرل جمہوريت ميں نظريہ " حكومت حداقل" اور حكومت كے اہداف و فرائض كو محدود كرنے كى حمايت كى جاتى ہے _
3) لبرل جمہورى حكومتيں خير و سعادت اور اخلاق و معنويت جيسے امور كو انفرادى خصوصيات قرار ديتے ہوئے حكومت كے اہداف اور فرائض سے خارج سمجھتى ہے _
4)دينى حكومت كے اہداف و فرائض كى تحقيق و بررسى "اسلام كى نگاہ ميں مقام حكومت كى وضاحت "كے ساتھ مربوط ہے _
5) اسلام كى نظر ميں حكومت ايك سنگين ذمہ دارى اور عظيم امانت ہے ، اور حكومت كا حاصل كرلينا كسى مقام و منزلت يا كمال پر فائز ہونا نہيں ہے _
6)حكومت كى اہميت امانت الہى كى ادائيگى ميں ہے اور امانت كا ادا كرنا ان اہداف اور فرائض كے انجام دينے پر موقوف ہے جو حكومت اور حكمرانوں كيلئے مقرر كئے گئے ہيں _
7) دينى حكومت كے اہداف كو دو بنيادى قسموں يعني" معنوى اہداف" اور" دنيوى اہداف" ميں تقسيم كيا جاسكتا ہے _
8) آيات و روايات ميں حكومت كے معنوى اہداف پر بہت زور ديا گيا ہے _

سوالات :
1) حكومت كے اہداف اور فرائض كے متعلق لبرل ازم كا كيا نظريہ ہے ؟
2) لبرل جمہوريت كے معتقدين كے سياسى نظريہ ميں سعادت اور معنويت كا كيا مقام ہے ؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

3) اسلام کی نگاہ میں حکومت کی حقیقت کیا ہے ؟
4) دینی حکومت کے "معنوی اہداف "سے کیا مراد ہے ؟

تیسواں سبق :

دینی حکومت کے اہداف اور فرائض (2)

گذشتہ سبق میں ہم نے دینی حکومت کے اہداف کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا مادی اہداف اور معنوی اہداف ، اور بعض وہ آیات و روایات ذکر کی تھیں جو معنوی اہداف کو بیان کرتی ہیں _ معنوی اہداف کو درج ذیل امور میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے _
1)_ امور کے اجرا میں حق کا قیام اور حق پرستی جبکہ باطل، شرك اور جاہلیت کا خاتمہ
2)_ عدل و انصاف کو عام کرنا _
3)_ حدود الہی کا اجرا _
4)_ معارف الہی کی تعلیم اور عبادت و عبودیت کو پھیلانے کیلئے کوششیں کرنا_
5)_ نیکی کا حکم دینا اور برائي سے روکنا _
6)_ دین الہی کا دفاع اور توحید الہی کی دعوت کو عام کرنا _

ب _ دنیوی اہداف

دینی حکومت کے دنیوی اہداف سے مراد وہ اہداف ہیں جن کے بارے میں عقلی طور پر ہمیشہ یہ توقع کی جاتی ہے کہ ایك با صلاحیت عوامی حکومت ان کیلئے خاص اہتمام کرے اور ان کو خصوصی اہمیت دے_ یہاں ان اہداف کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے دینی منابع نے امر معاش ،رفاہ عامہ اور معاشرہ کے امن و امان سے سرد مہری اور بے توجہی نہیں برتي_ اسلامی تعلیمات میں دنیوی آباد کاری کے ساتھ ساتھ ہمیشہ آخرت کی فکر بھی اولیاء دین کے پیش نظر رہی ہے _ بنابریں دینی حکومت کے اہداف میں ان امور کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جو معاش اور مختلف دنیوی پہلوؤں کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں _ دینی حکومت کے دنیوی اہداف وہی اہداف ہیں جن کا دوسری سیکولر حکومتیں دعوی کرتی ہیں _ بحث کے آخر میں ہم ان اہداف کے حصول میں دینی حکومت اور سیکولر حکومت میں جو بنیادی فرق ہے اس کی طرف اشارہ کریں گے _
قرآن مجید میں حفظ امنیت اور اسلامی معاشرہ کی فوجی قوت پر بڑا زور دیا گیا ہے
سورہ انفال کی آیت 60 میں ارشاد خداوندی ہے:
"و اعدوا لہم ما استطعتم من قوة و من رباط الخیل ترہبون بہ عدوّ اللہ و عدوّکم ..."
اور تم بھی جہاں تك ممکن ہوسکے قوت اور گھوڑوں کی صف بندی کا انتظام کرو تا کہ تم اس سے خدا اور اپنے دشمن کو خوفزدہ کرو_
امام صادق بھی امن و امان کی برقراری اور آباد کاری کو لوگوں کی عمومی ضروریات میں سے قرار دیتے ہیں کہ ہر معاشرہ میں ان پر خاص توجہ دینا ضروری ہے _ آپ فرماتے ہیں:
"ثلاثة اشیاء یحتاج الناس طرّاً إلیها : الامن والعدل والخصب"

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

294

تین چیزوں کی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے _ امن ، انصاف ، اور فراخی و خوشحالي_(1)

حضرت علی نے مالك اشتر کو جب مصر کا حاکم بناکر بھیجا تو اسے ایك عہد نامہ دیا جس کے شروع میں چند حکومتی اہداف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے _

" ہذا ما أمر بہ عبداللہ عليّ أمير المؤمنين مالك بن الحارث الأشتر فی عہدہ إليہ حين و لاہ مصر: جباية خَراجہا، و جہاد عدوّہا، و استصلاح أہلہا و عمارة بلادہا(2)

یہ خدا کے بندے علی (ع) امیرالمومنین (ع) کی طرف سے مالك ابن حارث اشتر کو دستور دیا جارہا ہے جب اسے مصر کی ولایت عطا کی کہ: وہ وہاں کا خراج اکھٹا کرے ، اس کے دشمنوں سے جہاد کرے ، اس کے رہنے والوں کی اصلاح اور اس کے شہروں کی آباد کاری کیلئے کوشش کرے_

حضرت امیرالمومنین اپنے ایك خطبہ میں لوگوں کے حقوق بیان کرتے ہیں کہ جنہیں دینی حکومت کے بنیادی اہداف میں سے شمار کیا جاسکتاہے _ ان میں سے بعض یہ ہیں، تعلیم و تربیت کا عام کرنا اور ملك کے مالی منابع سے لوگوں کو ان کاحصہ دینا _

"أيّہا الناس، إنّ لی عليکم حَقّاً و لکم عليّ حقّ; حقّکُم عليّ، فالنصيحة لکم و توفيرُ فيئکم عليکم و تعليمکم کيلا تجہلوا و تأديبکم کيما تعلموا"(3)

1) تحف العقول، ص 236_
2) نہج البلاغہ ،مکتوب 53_
3) نہج البلاغہ ،خطبہ 34_

295

اے لوگوں میرا تم پر ایك حق ہے _ اور تمھارا مجھ پر ایك حق ہے _ تمھارا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں تمھیں نصیحت کروں، تمھارے مال کو تم پر خرچ کروں، تمھیں تعلیم دوں تا کہ تم جہالت سے نجات حاصل کرلو، اور تمھاری تربیت کروں تا کہ تم عالم ہوجاؤ _

ان صاحبان قدرت کے مقابلہ میں جو ظلم و ستم کے ذریعہ اپنی ثروت و طاقت میں اضافہ کرتے ہیں ظلم کے خلافجنگ و مبارزہ اور مظلوموں کی حمایت ان اہداف میں سے ہیں جن کی اسلام نے بہت زیادہ تاکید کی ہے _ حضرت علی اس امر کو علماء کیلئے ایك منصب الہی سمجھتے ہیں اور اس عہد کے وفا کرنے کو خلافت کے قبول کرنے کی ادلّہ میں سے قرار دیتے ہوئے _ فرماتے ہیں:

"لو لا حضورُ الحاضر و قيامُ الحجّة بوجود الناصر و ما أخذَ اللہ علی العلماء أن لا يقارّوا علی کظَّة ظالم و لا سَغَب مظلوم، لا لقيتُ حَبلَہا علی غاربہا "(1)

اگر بیعت کرنے والوں کی موجود گی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوگئي ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو خدا نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر آرام سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کے اونٹ کی مہار اسی کے کند ہے پر ڈال دیتا_

خوارج جو کہ لاحکم الّاللہ کا نعرہ لگاتے تھے اور اس طرح حکومت کا انکار کرتے تھے_ حضرت علی نے ان کے مقابلہ میں وجود حکومت کے کچھ فوائد گنوائے ہیں جو در حقیقت وہ اہداف ہیں کہ ہر حکومت کیلئے ان کا حاصل کرنا ضروری ہے _ ان میں سے ایك ہدف ظالم اور جابر افراد سے کمزوروں اور مظلوموں کا حق وصول کرنا ہے _ فرماتے ہیں :(و يؤخذ بہ للضعيف من القوي)(2)

1) نہج البلاغہ خطبہ 3 _
2) نہج البلاغہ خطبہ 40_

296

اس (حکومت)کے ذریعہ طاقتور سے مظلوم کا حق واپس لیا جاتا ہے _

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مختلف معاشرتی امور کی اصلاح بھی دینی حکومت کے اہداف میں سے ہے _" إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت" میں تو فقط اصلاح چاہتاہوں جہاں تك مجھ سے ممکن ہوسکے(1)
حضرت علی شہروں کی اصلاح کو اپنی خلافت کے اہداف میں سے قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں : "و نُظہر الإصلاح فی بلادك ، فيأمن المظلومون من عبادك"ہم تیرے شہروں میں امن و بہبودی کی صورت پیدا کریں گے تا کہ تیرے مظلوم بندے امن سے رہیں _(2)
گذشتہ مطالب کی روشنی میں دینی حکومت کے دنیوی اہداف کو درج ذیل امور میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے _
1_ امن و امان قائم کرنا _
2_ اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور دفاع کو مضبوط بنانا
3_ رفاہ عامہ اور آباد کاری کیلئے اقدام کرنا _
4_ مختلف معاشرتی امور کی اصلاح _
5_ عمومی اموال کی حفاظت اور معاشرہ میں اس کی عادلانہ تقسیم_
6_ تعلیم و تربیت کو عام کرنا _
7_ معاشرتی ضروریات پوری کرنااور مظلوم اور آسیب زدہ افراد کی حمایت
دینی حکومت کے دنیوی اہداف وہی عمومی اہداف ہیں کہ جن کی ہر حکومت مدعی ہوسکتی ہے _ یہ اہداف عقلائي پہلو کے حامل ہیں اور ان کا بیان کرنا شریعت اور دین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے_ اس کے باوجود ان اہداف کے پورا کرنے میں دینی حکومت دوسری غیر دینی حکومتوں سے مختلف ہے اور یہ فرق دوجہت سے ہے_

1) سورہ ہود آیت 88_
2) نہج البلاغہ ، خطبہ 131_

الف: یہ کہ دینی حکومت ان اہداف پر خاص توجہ دیتی ہے_ جبکہ دوسری حکومتوں میں اس قسم کا اہتمام دیکھنے کو نہیں ملتا _ بطور نمونہ پانچویں اور ساتویں نمبر شمار کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے _ حکومت کے سلسلہ میں ائمہ معصومین کی روایات اور آنحضرت (ص) اور امیرالمومنین کی عملی سیرت میں فقراء ضعفاء اورتہی دست افراد کی مدد کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے _ اور دوسری طرف مختلف معاشرتی امور میں بیت المال کی عادلانہ تقسیم کی تاکید بھی کی گئي ہے _
ب: ان اہداف کے حصول کی روش کے لحاظ سے ہے _ دینی حکومت اپنے دنیوی اہداف کو بھی معنوی اہداف کے ساتھ ساتھ رکھتی ہے _ اجتماعی زندگی کے دنیوی اور عقلائي پہلوؤں کو اخلاقیات ، معنویات اور دین کے سایہ میں آگے بڑھاتی ہے _ مثال کے طور پر معاشرہ کی اصلاح اور آبادکاری اگر چہ دینی حکومت کے دنیوی اہداف ہیں لیکن انہیں بھی معنوی اہداف کے زیر سایہ پورا کیا جاتا ہے _ یعنی عدل و انصاف کی حاکمیت ان دنیوی اہداف کے حصول کی راہیں ہموار کرتی ہے _ حضرت علی فرماتے ہیں :
"العدلُ يضع الأُمور فی مواضعها" (1)
عدل یہ ہے کہ تمام امور کو ان کے مقام پر رکھا جائے _
"ما عُمرت البُلدان بمثل العَدل ..." (2)
شہروں کی آبادکاری عدل سے ہی ممکن ہے_
در حقیقت رفاہ عامہ اور امن و امان اسی وقت پابرجا ہوسکتے ہیں جب انسان کی اجتماعی زندگی اخلاقیات ، معنویات اور الہی اقدار سے سرشار ہو_ اسی وجہ سے دینی حکومت کے معنوی اہداف کا تحقق اس کے دنیوی اہداف کے حصول کیلئے مددگار ثابت ہوتا ہے _

1) بحار الانوار، ج 75، ص 357، باب احوال الملوك والامرائ، ح 72_
2) غررالحکم، آمدی ج 6 ، ص 68،ح 43 95_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

298

دینی حکومت کے اہلکاروں کے فرائض

دینی حکومت کے مادی اور معنوی اہداف کا حصول اس کے حکّام اور اہلکاروں کے کندھوں پر سنگین ذمہ داری ہے_ معنوی اہداف پر اسلام کی تاکیداسلامی حکّام سے ایك خاص انفرادی خصوصیات کی خواہاں ہے _ یہ بھی دینی حکومت کی ان خصوصیات میں سے ہے ہیں جو اسے دوسری حکومتوں سے ممتاز کرتی ہیں _ ہم یہاں اجمالی طور پر بعض فرائض کی طرف اشارہ کرتے ہیں _

1_ تقوی الہی کی رعایت :
دینی حکومت نے روح ایمان و تقوی کی تقویت ،معارف الہی کے پھیلاؤ اور عدل و انصاف کے قیام کو اپنا ہدف قرار دیا ہے _ اسی لئے ضروری ہے کہ حکومتی اہل کار تقوی اور عبودیت سے سرشار ہوں آشکار اور پنہان دونوں حالتوں میں تقوی الہی کو مد نظر رکھیں ، ان کی گفتار اور کردار ایك ہو _ حضرت علی اپنے ایك عامل کو خط لکھتے ہوئے فرماتے ہیں _
"آمرہ بتقوی اللہ فی سرائر امرہ و خفیّات عملہ، حیث لا شاہد غیرہ و لا وکیل دونہ، و أمرہ أن لا یعمل بشيء من طاعة اللہ فیما ظہر; فیخالف الی غیرہ فیما أسرہ و مَن لم یختلف سرہ و علانیتہ و فعلہ و مقالتہ ، فقد أدّی الامانة و أخلص العبادة" (1)
میں انہیں حکم دیتا ہوں کہ وہ اپنے پوشیدہ امور اور مخفی کاموں میں اللہ سے ڈرتے رہیں _ جہاں نہ خدا کے سوا کوئي گواہ ہے اور نہ اس کے سوا کوئي نگران ہے _ اور انہیں حکم دیتا ہوں کہ وہ ظاہر میں اللہ کا کوئي ایسا فرمان بجانہ لائیں کہ ان کہ چھپے ہوئے اعمال اسکے خلاف ہوں _

1) نہج البلاغہ مکتوب 26_

299

اور جس شخص کا باطن و ظاہر اور کردار و گفتار مختلف نہ ہو ، اس نے امانتداری کا فرض انجام دیا اور اللہ کی عبادت میں خلوص سے کام لیا _
تقوی کا تقاضا ہے کہ اسلامی مملکت کے حکمران ہر کام میں الہی فرامین کو مد نظر رکھیں ، اپنی خواہشات نفسانی کو امرخدا پر ترجیح نہ دیں ، امام صادق پیشواؤں کو حق و باطل کی طرف تقسیم کرنے کے بعد اس خصوصیت کو پیشوایان حق کا طرہ امتیاز قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:
إن الائمة فی کتاب اللہ عزّوجلّ _ إمامان ; قال اللہ (تبارك و تعالي): "و جعلناہم ائمة یہدونَ بأمرنا" لا بأمر الناس، یقدّمون أمر اللہ قبل أمرہم، و حکم اللہ قبل حُکمہم _ قال: (و جعلناہم ائمة یہدون إلی النار) یقدمون أمرہم قبل أمراللہ و حُکمہم قبل حکم اللہ ، و یأخذون بأہوائہم خلاف ما فی کتاب اللہ (1)
قرآن مجید میں دو قسم کے ائمہ کا ذکر ہے خدا فرماتا ہے " وجعلناہم أئمة یہدون بأمرنا ..."کہ: ہم نے انہیں پیشوابنایا جو ہمارے حکم کے مطابق راہنمائي کرتے ہیں نہ کہ لوگوں کے امر کے مطابق ، خدا کے امر کو اپنے امر پر اور خدا کے حکم کو اپنے حکم پر ترجیح دیتے ہیں _ دوسری جگہ خداوند متعال نے فرمایا "و جعلنا ہم ائمة یہدون الی النار""اور ہم نے ان کو ایسے ائمہ قرار دیا جو جہنم کی طرف لے جاتے ہیں " یہ اپنے امر کو خدا کے امر پر اور اپنے حکم کو خدا کے حکم پر ترجیح دیتے ہیں _ اور کتاب خدا کی ہدایات کے برعکس اپنی خواہشات پر عمل کرتے ہیں _

1) کافی ج 1 ص 216 باب ان الائمة فی کتاب اللہ امامان ... ح 2 _

300

2_ شائستہ قیادت :

اسلامی حکّام کے لئے پہلے مرتبہ میں یہ ضروری ہے کہ وہ خود لائق اور پابند افراد ہوں شائستہ اور مہذب افراد کو عہدے دیں ، اسلام و مسلمین کی مصلحت کو تمام روابط و ضوابط پر ترجیح دیں _ حضرت علی نے اپنے عہد نامہ میں مالك اشتر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کو حکومتی اہلکاروں کے انتخاب کے سلسلہ میں خاص توجہ دینے کا حکم دیاہے اور مختلف پہلوؤں کو مد نظر رکھنے پر اصرار کیا ہے _
"ثمّ انظر فی أمور عُمّالك فاستعملہم اختباراً ، و لا تولّہم محاباة و اثرة ; فانّہما جماع من شُعب الجَور والخیانة، و توخّ منہم أہل التجربة و الحیاء من أہل البیوتات الصالحة و القدم فی الإسلام المتقدّمة: فانّہم أکرم أخلاقاً و أصحّ أعراضاً و أقلّ فی المطامع إشراقاً و أبلغ فی عواقب الامور نظراً"
"ثم اختر للحكم بین الناس أفضل رعیّتك فی نفسك، ممّن لا تضیق بہ الأمور و لا تُمحکُمہ الخصوم، و لا یتمادی فی الزلّة، و لا یحصر من الفيء إلی الحقّ إذا عرفہ"(1)
پھر اپنے عہدہ داروں کے بارے میں نظر رکھنا اور انہیں اچھی طرح آزمانے کے بعد منصب دینا ، صرف رعایت اور جانبداری کی بناپر عہدہ نہ دینا کیونکہ یہ چیزیں نا انصافی اور بے ایمانی کا سرچشمہ ہیں ، ایسے لوگوں کو منتخب کرنا جو تجربہ کار اور غیرت مندہوں ، اچھے گھرانوں سے ان کا تعلق ہو ، اسلام کے سلسلہ میں پہلے سے ان کی خدمات ہوں ، کیونکہ ایسے لوگ بلند

1) نہج البلاغة مکتوب 53_

اخلاق ،بے داغ عزت والے ہوتے ہیں حرص و طمع کی طرف کم مائل ہوتے ہیں اور عواقب و نتائج پر زیادہ نظر رکھتے ہیں _ پھر یہ کہ لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرنے کیلئے ایسے شخص کو منتخب کرو جو تمھارے نزدیك تمھاری رعایا میں سب سے بہتر ہو، جو واقعات کی پیچیدگیوں سے اکتا نہ جاتا ہو ، اور نہ جھگڑا کرنے والوں کے رویہ سے غصہ میں آتا ہو ، اور نہ ہی اپنے کسی غلط نقطہ نظر پر اڑتا ہو اور نہ ہی حق کو پہچان کر اس کے اختیار کرنے میں طبیعت پر بوجھ محسوس کرتا ہو _

3_زہد اور سادگی :
گذشتہ سبق میں ہم اشارہ کرچکے ہیں کہ اسلامی نقطہ نظر سے "حکومت" ایك سنگین ذمہ داریوں کی حامل الہی امانت ہے اور ہرگز کسی اجتماعی امتیاز یا دولت سمیٹنے کیلئے کوئي وسیلہ شمار نہیں ہوتی _ دوسری طرف کمزوروں کی حمایت اور طاقتور افراد سے ستم رسیدہ اور کمزور افراد کے حق کی وصولي،اسلامی نظام کے اہداف میں سے ہے لہذا ضروری ہے کہ حکام اور حکومتی اہلکار فقیروں اور مظلوموں کے درد سے آشنا ہوں اور معاشی و اقتصادی لحاظ سے ان سے دور نہ ہوں _ حضرت امیرالمومنین فرماتے ہیں :
"إنّ الله جعلنی إماماً لخلقہ، ففرضَ علی التقدیر فی نفسی و مطعمی و مَشربی و مَلبسی کضعفاء الناس، کی یقتدی الفقیر بفقری و لا یطغی الغنی غناہ " (1)
خدا نے مجھے لوگوں کا امام بنایا ہے _ اور مجھ پر واجب قرار دیا ہے کہ میں اپنے نفس ،کھانے پینے اور لباس میں فقراء کی طرح رہوں تا کہ فقیر میرے فقر میں میری پیروی کرے اور دولتمند اپنی دولت کی بناپر نافرمانی اور سرکشی نہ کرے _

1) کافی ج1 ص 410 باب سیرة الامام فی نفسہ ح1_

معلی ابن خنیس کہتے ہیں : میں نے خاندان بنی عباس کی معاشرتی حالت اور شان و شوکت دیکھ کر خواہش کی کہ کاش امام صادق-- کو حکومت مل جاتی تا کہ ہم بھی ان کے زیر سایہ ایك خوشحال اور عیش و عشرت سے بھری زندگی گزارتے امامنے جواب میں فرمایا :
" ہیہات، یا معلّی أما و الله ان لو کان ذاك ما کان إلا سیاسة اللیل و سیاحة النہار و لُبس الخَشن و أکل الجَشب" (1)
ہرگز نہیں اے معلی خدا کی قسم اگر ایسا ہوتا (یعنی ہم حکمران ہوتے) تو تدبر شب ،دن میں کام کاج ، کھردرے کپڑے اور سادہ کھانے کے سوا کچھ نہ ہو تا_

4_اجتماعی امور میں مساوات :
اسلامی معاشرہ کے صاحبان اقتدار کے فرائض میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دوسرے عام افراد سے اپنے آپ کو برتر اور ممتازنہ سمجھیں _قانون کے سامنے اپنے کو دوسروں کے برابر سمجھیں_لہذا اگر کسی حکومتی اہلکار سے کوئي جرم سر زدہو جائے تو دوسرے افراد کی طرح اس پر بھی خدا کی حدودجاری ہو نگی _امام صادق فرماتے ہیں :
قال أمير المؤمنين لعمر بن الخطاب : "ثلاث ان حفظتہن و عملت بہن كفتك ما سواہن و ان تركتہن لم ينفعك شي سواہن" قال: و ما ہنّ يا أبا الحسن؟ قال: " إقامة الحدود على القريب والبعيد، والحكم بكتاب الله فى الرضا والسخط، و القسم بالعدل بين الاحمر والاسود"(2)

1) كافى ج1 ص 410 باب سيرة الامام فى نفسہ ح2_
2) وسائل الشيعہ، ج27،ص 212،213، باب 1، از ابواب آداب قاضى ح 2_

امیرالمومنین علی نے عمر ابن خطاب سے فرمایا اگر تو نے تین چیزوں کا خیال رکھا اور ان پر عمل کیا تو تم دوسری چیزوں سے بے نیاز ہو جائوگے اور اگر ان تین چیزوں کو چھوڑدیا تو کوئي دوسر ی شےء تمھیں فائدہ نہیں دے گی _پوچھا اے ابوالحسن وہ کیا ہیں ؟فرمایا :قریبی اور غیر قریبی پر حدود الہی کااجرا خوشنودی و ناراضگی میں قرآن کے مطابق حکم لگانا ،اور سرخ و سیاہ کے در میان عادلانہ تقسیم_

5_لوگوں سے براہ راست رابطہ :
اسلام نے حکام سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ عوام کے ساتھ محبت سے پیش آئیں ،ان کی بات سنیناور ان سے مشورہ لیں _اس سے عوام کی حوصلہ افزائي ہو گی اور حکاّم بھی ان کے دردسے آشنا ہوں گے اور ان کی مقبولیت میں اضافہ ہو گا ارشاد خداوندی ہے :
"فبما رحمة: من الله لنْتَ لہم و لو كنت فظّاً غليظ القلب لانفضّوا من حَوْلكَ فاعف عنہم و استغفر لہم و شاورہم فى الامر"(1)
(اے رسول)یہ اللہ کا کرم ہے کہ آپ ان لوگوں کیلئے نرم ہیں _وگرنہ اگر آپ تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے پس انہیں معاف کردو ، ان کے لیئے استغفار کرو اور معاملات میں ان سے مشورہ کرلیاکرو _
دوسری جگہ ارشاد ہوتاہے:
"و منہم الذين يُؤذون النبيّ و يقولون ہو أذن قل أُذنُ خَير: لَكُم يُؤمن بالله و يُؤمن للمؤمنين و رحمةٌ للّذين آمنوا منكم"(2)

1) آل عمران آيت 159_
2) سورہ توبہ آيت 61_

ان میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر (ص) کو اذیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں: وہ تو صرف کان (کے کچے) ہیں_ آپ کہہ دیجئے تمھارے حق میں بہتری کے کان ہیں کہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں ،مومنین کی تصدیق کرتے ہیں اور جو تم میں سے صاحبان ایمان ہیں ان کیلئے رحمت ہیں_
امیرالمومنین مالک اشتر کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اپنے اور لوگوں کے در میان کوئي رکاوٹ قائم نہ کرنا _کیونکہ اس سے لوگوں کے بارے میں حکاّم کی اطلاع کم ہو جاتی ہے ،حق و باطل مخلوط ہو جاتے ہیں اور حقیقت ان پر مشتبہ ہو جاتی ہے :
"فلا تطوّلنَّ احتجابك عن رعيتك فان احتجاب الولاة عن الرعية شعبة من الضيق و قلة علم بالامور ، و الاحتجاب منہم يقطع عنہم علم ما احتجبوا دونہ ..."(1)
پس رعایا سے لمبی مدت تك روپوشی اختیار نہ کرنا _کیونکہ حکمرانوں کا رعایا سے چھپ کررہنا ایك طرح کی تنگ دلی اور معاملات سے بے خبر رہنے کا سبب ہے اور یہ روپوشی انہیں بھی ان امور پر مطلع ہونے سے روکتی ہے کہ جن سے وہ ناواقف ہیں ...

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

6_فقر کا خاتمہ اور ضروریات زندگی کی فراہمي:
دینی حکومت کا اہم ترین فریضہ غربت کا خاتمہ اور معاشرہ کے کمزور افراد کی مادی ضروریات کا پور ا کرنا ہے_ اس بارے میں بہت سی روایات موجود ہیں _ہم نمونہ کے طور پر صرف دو روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں_ رسولخدا (ص) فرماتے ہیں:
" ما من غریم ذہب بغریمہ الی و ال من وُلاة المسلمین و

1) نہج البلاغہ، مکتوب نمبر 53_

305

استبان للوالی عُسرتہ، إلاّ بَرأ ہذا المعسرمن دینہ و صار دینہ علی و الی المسلمین فیما یدیہ من أموال المسلمین "(1)
قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا شخص جب اسلامی حاکم کے پاس جائے اور اپنی بدحالی کا ذکر کرے تو وہ اس قرض سے بری ہوجاتاہے_اس کا یہ قرض حاکم پر ہے اور وہ اسے بیت المال سے ادا کرے_
حضرت علی نے ایك بوڑھے فقیر کو دیکھا جو بھیك مانگ رہاتھا _ آپ نے پو چھا یہ مرد کون ہے ؟ ساتھیوں نے کہا: عیسائي ہے _حضرت نے فرمایا :"استعملتموہ،حتّی اذا کبر و عجز منعتموہ؟ أنفقوا علیہ من بیت المال"تم نے اس سے کام لیالیکن جب یہ بوڑھا اور عاجز ہو گیا تو اسے پوچھا تك نہیں ؟ اسے بیت المال سے نفقہ عطا کرو (2)
اسلامی حکمرانوں کے فرائض اس سے بہت زیادہ ہیں جو ہم نے یہاں بیان کئے ہیں واضح سی بات ہے کہ دینی حکومت کے معنوی اور دنیوی اہداف میں سے ہر ایك اسلامی معاشرہ کے حکاّم پر خا ص فرائض اور ذمہ داریاں عائد کرتا ہے _

1) مستدرك الوسائل _ ج13،ص 400 ح15723 _
2) وسائل الشیعہ ،ج 15 ،ص66باب 19 از ابواب جہاد العدو ،ح1 _

306

خلاصہ :

1)حق کا قیام ،باطل کا خاتمہ ،عدل و انصاف کی ترویج ،حدودالہی کا اجرا ،نیکی کا حکم د ینااور برائي سے روکنا اور معارف الہی کی تعلیم ، دینی حکومت کے اہم ترین اہداف میں سے ہے _
2)دینی حکومت کے دنیوی اہداف سے مرادوہ اہداف ہیں جو عقلائي طور پر ہر حکومت کے پیش نظر ہوتے ہیں _
3)امن وامان کا برقرار کرنا ،سر حدوں کی حفاظت ،رفاہ عامہ کا قیام ،آباد کاری ،تعلیم و تربیت کا عام کرنا اور مختلف معاشرتی امور کی اصلاح حکومت کے ا ن اہم ترین اہداف میں سے ہیں جن کی آیات و روایات میں بہت تاکید کی گئي ہے _
4)دینی حکومت کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے دنیوی اہداف کو بھی معنوی اہداف کے زیر سایہ حاصل کرتی ہے_
5)دینی حکومت کے اہداف خصوصاً معنوی اہداف کا حصول حکومتی اہل کاروں پر سنگین ذمہ داری لاتا ہے_
6)تقوی الہی کی رعایت ،شائستہ قیادت ،زہد وسادگی اور قانون کے سامنے سب کا برابر ہونا دینی حکومت کے اہل کاروں کے اہم ترین فرائض میں سے ہیں _

سوالات :
1) دینی حکومت کے معنوی اہداف کے پانچ موارد بیان کیجئے ؟
2)دینی حکومت کے دنیوی اہداف سے کیا مراد ہے ؟
3)حکومت کے وہ کونسے دنیوی اہداف ہیں جن پر آیات و روایات میں تاکید کی گئي ہے ؟
4)دنیوی اہداف کے حصول کے سلسلہ میں دینی حکومت کا دوسری حکومتوں سے کیا فرق ہے ؟
5)حکومتی عہدے دارونکے انتخاب کے سلسلہ میں امیرالمومنین نے مالك اشتر کو کونسی نصیحتیں کی ہیں ؟
6)حکومتی اہل کاروں کے کچھ فرائض بیان کیجئے ؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

307

اکتیسواں سبق :

دینی حکومت اور جمہوریت (1)

اسلام کے سیاسی فلسفہ کی اہم ترین بحثوں میں سے ایك "دین اور جمہوریت" کے در میان تعلق کی تحقیق و بررسی ہے _اس بحث میں بہت سے سوالات اور شبہات پائے جاتے ہیں _ ان میں سے بعض شبہات کا سرچشمہ اسلام کے اصول ومبانی اور جمہوریت کے اصول و مبانی کے درمیان ناقابل حل عدم مطابقت وعدم ہم آہنگی کا تصور ہے _ دینی حکومت اور جمہوریت کی ہم آہنگی کے بعض منکرین اس سرچشمہ کو نظریہ ولایت فقیہ میں تلاش کرتے ہیں _ان کے خیال میں اسلام جمہوریت سے ذاتی مخالفت نہیں رکھتا _لیکن ولائي نظام جو کہ ولایت فقیہ پر مبتنی ہے جمہوریت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا _ بنابریں ایك کلی تقسیم بندی کے لحاظ سے ہمیں تین اساسی نظریات کاسامنا ہے _
الف _ ایك نظریہ یہ ہے کہ دینی حکومت اور جمہوریت کی ترکیب ممکن ہے اس نظریہ کے مطابق اسلام اور

308

اس کی تعلیمات کی پابندی جمہوریت اورمعاشرہ کے سیاسی و انتظامی امور میں لوگوں کی مداخلت سے مانع نہیں ہے _ جمہوری اسلامی کا نظام اور اس کا اساسی قانون اسی سیاسی نظریہ پر قائم ہے _
ب_ وہ نظریہ جو اسلام اور -جمہوریت کے درمیان ذاتی تضاد کا قائل ہے یہ نظریہ اس بنیاد پر قائم ہے کہ اسلام بنیادی طور پر عوامی قیادت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا _ اسی لئے نہ صرف" حکومت ولائي" اور ولایت فقیہ کا سیاسی نظریہ ، بلکہ ہر وہ دینی حکومت جو اسلام کی حاکمیت کو تسلیم کرتی ہے اور اس کی تعلیمات اور احکام کی پابند ہے وہ ایك جمہوری اور عوامی حکومت نہیں ہوسکتی _
ج _ تیسرا نظریہ وہ ہے جو بنیادی طور پر دین اور جمہوریت کی ترکیب کے امکان کا منکر نہیں ہے _ بلکہ اسے اس نظام میں مشکل پیش آرہی ہے جو ولایت فقیہ پر مبتنی ہے _ اس نظریہ کی بنیاد پر ولایت فقیہ کے اعتقاد اور جمہوریت کی باہمی ترکیب ممکن نہیں ہے _ جمہوریت اور ولائي حکومت کبھی بھی ہم آہنگ نہیں ہوسکتے وہ حکومت جو ولایت فقیہ کی بنیاد پر قائم ہوکبھی بھی جمہوری اور عوامی نہیں کہلاسکتی _ جمہوریت پر اعتقاد اور ولایت فقیہ پر اعتقاد، دو متضاد چیزیں ہیں _ ان تین نظریات کے متعلق فیصلہ کرنے اور دینی حکومت کے مخالفین کے نظریہ کے متعلق تفصیلی بحث سے پہلے بہتر ہے : جمہوریت کی حقیقت کے متعلق مزیدآشنائي حاصل کرلیں _

جمہوریت کی حقیقت :

جمہوریت ایك یونانی اصطلاح ہے جو دو الفاظ" demo" یعنی عوام اور "cracy" یعنی حکومت سے مرکب ہے _ عوامی حکومت یا عوامی قیادت اپنے دقیق معنی کے ساتھ تو ایك ایسا خواب ہے جو کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا _ کیونکہ آج کے پیچیدہ معاشرے میں کہ جہاں روزانہ دسیوں بڑے بڑے معاشرتی فیصلے

309

کئے جاتے ہیں اور مختلف حکومتی اداروں میں مختلف قوانین وضع ہوتے ہیں ممکن ہی نہیں ہے کہ یہ فیصلے اور قوانین براہ راست لوگوں کے ذریعے انجام پائیں _ پس ناچار جمہوری حکومتوں میں کچھ افراد لوگوں کی اکثریت رائے سے ان کی نمائندگی کرتے ہوئے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور در حقیقت عملی طور پر یہی افراد حکومت کرتے ہیں نہ کہ عوام_ البتہ قدیم یونان کے شہروں کی حکومتوں میں بہت سارے فیصلے شہر کے چوك میں کھلے عام اور لوگوں کی رائے سے انجام دیئے جاتے تھے لیکن وہاں بھی تمام لوگوں کو رائے دہی کا حق نہیں تھا کیونکہ خواتین اور غلام رائے نہیں دے سکتے تھے-_
ڈیمو کریسی یعنی جمہوریت ایك ایسا کلمہ ہے جس کی مختلف تفسیریں اور معانی کئے گئے ہیں _ اس مدعی کی دلیل یہ ہے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کہ مختلف مکاتب فکر نے بالکل متضاد نظریات کے باوجود جمہوریت کی حمایت کی ہے _ لبرل ازم اور فاشزم کے حامی اور قدامت پسند سبھی خود کو جمہوریت نواز کہتے ہیں اور اپنے آپ کو حقیقی جمہوریت قائم کرنے والا قرار دیتے ہیں _ اشتراکی جمہوریت ، لبرل ازم ، آزاد جمہوریت ، صنعتی جمہوریت اور کثیرالرا‏ے جمہوریت (1) جیسی مختلف اصطلاحیں حقیقت میں اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ جمہوریت سے مراد کوئي مخصوص معنی اور اصطلاح نہیں ہے _
جمہوریت کا کوئي ثابت معنی نہیںہے _ دنیا کے بیشتر ممالک میں مختلف جمہوری حکومتیں قائم ہیں اور جمہوریت مختلف سیاسی نظریات کے ساتھ ہم ساز و ہم آہنگ ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جمہوریت کا کوئي ایسا معنی موجود نہیں ہے کہ جس پر سبھی متفق ہوں_ اس نے مختلف معاشروں کے اجتماعی تحولات اور تغیرات کے ساتھ ساتھ مختلف روپ ڈھالے ہیں _

Social democracy - Liberal democracy - Industrial democracy (1

310
آج چونکہ جمہوریت ایك مثبت معنی رکھتی ہے لہذایہت سے سیاسی نظام خود کو جمہوریت نواز کہتے ہیں اگرچہ ان کی حکومتوں میں عوام کا عمل دخل بہت ہی کم ہو_
بنیادی طور پر جمہوریت کو دو لحاظ سے دیکھا جاتاہے_ از لحاظ قدر و قیمت اور از لحاظ ایك روش _ جمہوریت از لحاظ قدر و قیمت سے مراد یہ ہے کہ اکثریت کا انتخاب ہمیشہ معاشرہ کی بھلائي اور حق کے انتخاب کے ہمراہ ہے _ جن موارد میں عمومی آراء کا لحاظ کیا جاتا ہے وہاں حق باطل سے ممتازہوجاتا ہے _ بنابریں جمہوریت اجتماعی زندگی گزارنے کیلئے مناسب اور صحیح راہ حل دے سکتی ہے _ معاشرہ کی سعادت اور خوشبختی اکثریت کے انتخاب کی مرہون منت ہے _ کلاسیکل جمہوریت یعنی اٹھار ہویں صدی کی جمہوریت اسی نظریہ پر استوار تھی اور آج بھی کچھ گروہ اسی زاویہ نگاہ سے جمہوریت کو دیکھتے ہیں اور اکثریت کی رائے کو حق و باطل کی تشخیص کا معیار قرار دیتے ہیں _ اکثریت کی رائے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور حق و حقیقت کو اسی میں تلاش کرتے ہیں _
اس نظریہ کا نقطہ استدلال یہ ہے _
واضح سی بات ہے کہ ہر شخص اپنی انفرادی زندگی میں اپنی ذاتی منفعت اور سعاد ت و خوشبختی کا خواہاں ہے_ اور زندگی کے مختلف شعبوں میں بہترین اور صحیح امور کا انتخاب کرتا ہے _ دوسرے لفظوں میں لوگ اپنی انفرادی زندگی میں منافع پر نظر رکھتے ہیں اور اپنی ذاتی خیرو بھلائي کی تلاش میں رہتے ہیں_ لہذا اجتماعی زندگی میں بھی اکثریت کا انتخاب ایك صحیح ترین انتخاب ہوگا _ چونکہ لوگ اپنے منافع کا صحیح اور بہترین ادراك رکھتے ہیں اور عمومی منافع و مصالح بھی اسی انفرادی تشخیص پر موقوف ہیں _ ہر فرد نے اجتماعی امور اور معاشرہ کے منافع و مصالح کو اپنی ذاتی تشخیص سے متعین کیا ہے اور اکثریت کی رائے معاشرہ کی خیرو منفعت

311
کی تعیین و تشخیص میں عمومی رائے کی نشاندہی کرتی ہے بنابریں ہر اجتماعی واقعہ و مسئلہ آسانی سے خوب و بد اور نافع و مضر میں تقسیم ہوسکتا ہے _ اور ارادہ عمومی جو کہ اکثریت رائے سے حاصل ہوا ہے اس خوب و بد اور مفیدو مضر کی آسانی سے شناخت کرسکتا ہے _
"جمہوریت از لحاظ ایك روش "سے مراد یہ ہے کہ جمہوریت صرف اجتماعی تنازعات کا حل اور سیاسی اقتدار کی تبدیلی کا ایك ذریعہ ہے _ طول تاریخ کے عقلانے تجربہ سے یہ نتیجہ حاصل کیا ہے کہ جمہوریت، حکّام اور صاحبان اقتدار کے تعیّن کا بہترین طریقہ ہے بجائے اس کے کہ مختلف سیاسی جماعتیں ، سیاسی لیڈر اور اقتدار کے خواہشمند افراد جنگ، قتل و غارت ،دہشت گردی اور اختلافی مسائل کے ذریعہ اقتدار کو اپنے درمیان تقسیم کرلیں_ اس کیلئے ایك معقول اور بہترین راہ موجود ہے اور وہ حکمران یا پارلیمنٹ کے ممبران کی تشخیص اور انتخاب کیلئے رائے عامہ کی طرف رجوع کرنا ہے _ اس لحاظ سے جمہوریت اور اکثریت کی رائے خوب و بد اور صحیح و غلط کا معیار نہیں ہے -ہوسکتا ہے لوگوں کی منتخب شدہ جماعت کہ جس کے متعلق اکثریت نے رائے دی ہے عملی طور پر معاشرہ کی فلاح و بہبود کیلئے کوئي قدم نہ اٹھائے _ اکثریت کا انتخاب حق و حقانیت کے انتخاب کی دلیل نہیں ہے _
موجودہ دور کے صاحبان نظرجمہوریت کو از لحاظ قدر و قیمت نہیں دیکھتے کوئي بھی یہ تصور نہیں کرتا کہ اکثریت کی رائے حتمی طور پر معاشرہ کی فلاح و بہبود کا پیغام ہے _ جرمن نازی ، اٹالوی فاشسٹ ، اور روسی اور مشرقی بلاك کے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کیمونسٹ ،اکثریت کی رائے سے انقلاب لائے اور اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے _ لیکن عملی طور پر ان کے دور اقتدار انسانی المیوں سے بھرے ہوئے ہیں _
اجمالی طور پر جمہوریت کی حقیقت کے واضح ہونے کے بعد اس نظریہ کی تحقیق کی باری آتی ہے کہ اسلام اور جمہوریت کے اصولوں میں توافق اور ہم آہنگی ممکن نہیں ہے _

312

اسلام اور جمہوریت کے در میان ذاتی عدم توافق

بعض افراد معتقد ہیں کہ جمہوریت کچھ خاص اصولوں پر مبتنی ہے _ انسان ، معاشرہ اور سیاست پر اس کی ایک خاص نگاہ ہے اور مخصوص اہداف کی حامل ہے _ یہ اصول و اہداف ،اسلامی تعلیمات اور ان پر حاکم اصولوں کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے _
اسلام اور جمہوریت کے درمیان توافق نہیں ہوسکتا اور اسکی ادلة ہم ذکر کریں گے_ اصلاً اسلام اور جمہوریت کے درمیان توافق ممکن نہیں ہے مگر یہ کہ اسلام مکمل طور پر سیکولر ہوجائے _ جمہوریت کے نظری اصول میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان سے خطا اور غلطی کا سرزد ہونا ممکن ہے یہ اصول خود ایک دوسرے اصول پر مبنی ہے کہ انسان ایک صاحب اختیار وجود ہے اور اسے انتخاب کا حق ہے _ خطا اور غلطی اس کے اختیار اور انتخاب کا لازمہ ہے ... انسان کے انتخاب کا بہترین مورد، فکر اور عقائد کی دنیا ہے _ انسان کیلئے یہ امکان ہونا چاہیئے کہ وہ آزادانہ طور پر مختلف آراء و نظریات کے متعلق غور و فکر کرسکے اور آزادانہ طور پر اپنا انتخاب کرسکے _ وہ ادیان میں سے کسی دین یا بے دینی کو اختیار کرنے میں آزاد ہے _ جمہوریت کا ایک اصول یہ ہے کہ حقیقت واضح نہیں ہے اور وہ سب انسانوں کے درمیان منتشر ہے لہذا ہر انتخاب حقیقت اور غیر حقیقت کی ایک ترکیب ہے_لیکن اگر کو ئي مکتب یا دین خود کو حق و حقیقت کا مظہر سمجھتا ہے اور دوسرے ادیان کو کفر ، شرک اور ضلالت کا مجموعہ قرار دیتا ہے تو پھر کسی جمہوری حکومت کی کوئي جگہ نہیں بنتی _ اسلام قرآنی آیات کی روسے فقط خود کو دین بر حق سمجھتا ہے _ درج ذیل آیات صریحاً جمہوریت کی نفی کرتی ہیں _ سورہ یونس کی آیت 32 میں ارشاد ہوتاہے:
"ماذا بعدالحق الاالضلال "
اور حق (کو ترک کرنے) کے بعد ضلالت و گمراہی کے سوا کچھ نہیں _

313

سورہ آل عمران کی آیت 85 میں ہے :
"من يبتغ غير الاسلام ديناً فلن يقبل منہ"
اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا خواہاں ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا_
سورہ توبہ کی ابتدائي آیات بھی انسانی انتخاب کی نفی کرتی ہیں _
اس استدلال میں واضح طور پر جمہوریت کے دو بنیادی اصولونکو مد نظر رکھا گیا ہے _ پہلا یہ کہ" کثرت رائے معرفت شناختي"ہے _ نسبی گرائي (1)اور "تکثر گرائي (2)معرفت شنا ختي" سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے پاس حقیقت کو کشف کرنے کا کوئي راستہ نہیں ہے اور حق کو باطل سے صحیح طور پر تشخیص نہیں دیا جاسکتا ،کوئي شخص بھی یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ اس کی فکر ،سوچ ،اعتقاد اور دین ،حق ہے اور دوسرے افکار باطل ہیں _ حق و باطل دونسبی چیزیں ہیں اور ممکن ہے ہردین ، اعتقاد اور فکر حقانیت رکھتا ہو _ خالص باطل اور خالص حق کا کوئي وجود نہیں ہے_ یہ شکاکیت اور نسبی گرائي معرفتي، تمام افکار و عقائد اور نظریات کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور سب کو قابل اعتبار سمجھتے ہیں لہذا یہ ایک قسم کا پلورل ازم (3)ہے اور اس کا لازمہ یہ ہے کہ کسی فکر ، نظریئےور مذہب کو منطق اور استدلال کے ذریعہ ثابت نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ انسان ہیں -جو مختلف آراء و افکار اور مذاہب میں سے ایک کا انتخاب کرلیتے ہیں _ پس حق کو باطل پر اور صحیح کو غلط پر ترجیح دینے کی دعوت دینے کی بجائے آزاد انتخاب کی راہیں ہموار کی جائیں کیونکہ حق کو باطل سے اور صحیح کو غلط سے تمیز دی ہی نہیںجاسکتی _

Relativism (1

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

pluralism (2
pluralism (3

314

اسی اصول پر ایك دوسرا اصول مبتنی ہے _ یعنی فکر و بیان اور عقائد و افکار کے انتخاب کی آزادی کا سرچشمہ یہی "تکثیر گرائي معرفتي" ہے _ کیونکہ اگر ہمیں حق کو باطل سے تمیز دینے کے امکان کا یقین ہو جائے تو پھر کلی طور پر"آزادی انتخاب" کا کوئي معنی نہیں رہتا _ کوئي صاحب عقل یہ تصور نہیں کر سکتا کہ حق و باطل کے در میان تشخیص کا امکان ہوتے ہو ئے ہم اسے حق وباطل کے درمیان انتخاب کی دعوت دیں _ کیونکہ معقول اور فطری بات یہی ہے کہ حق کی تشخیص کے بعد اس کا اتباع کیا جائے _

اس استدلال کی بنا پر دین اور جمہوریت میں توافق ممکن نہیں ہے _کیونکہ دینی حکومت اسلام کی پابند ہے_ اور فقط اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرتی ہے بلکہ قوانین کے بنانے اور دوسرے معاشرتی امور میں اسی اسلام کو اپنا مرجع قرار دیتی ہے _پس کیسے ممکن ہے کہ دینی حکومت اسلام کی پابند ہونے کے ساتھ ساتھ جمہوریت کی بھی پابند رہے _جمہوریت اپنے دو بنیادی اصولونکے لحاظ سے اسلام اور دوسرے مذاہب کے در میان کسی فرق کی قائل نہیں ہے اور اسی پریقین رکھتی ہے کہ حقانیت کے اعتبار سے اسلام دوسرے مذاہب سے کوئي امتیاز نہیں رکھتا_-

آنے والے سبق میں ہم اس نظریہ پر بحث کریں گے_

315

خلاصہ:

1) دینی حکومت اور جمہوریت کے درمیان توافق ممکن ہے_ اس نظریہ کے مقابلہ میں ایك نظریہ یہ ہے کہ اسلام اور جمہوریت کے درمیان ذاتاً "عدم توافق" ہے_ اور بعض "ولایت فقیہ اور جمہوریت "کے درمیان عدم توافق کے قائل ہیں_

2-) جمہوریت اپنے حقیقی معنی یعنی (عوامی حکومت) کے لحاظ سے ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا_

3-) جمہوریت کی مختلف تفسیریں کی گئي ہیں اور بنیادی طور پر یہ کلمہ لچکدار ہے_

4) جمہوریت کی مختلف تفاسیر کو دو کلی نظریوں میں تقسیم کیا جاسکتاہے_ ایك وہ نظریہ ہے جو جمہوریت کو اجتماعی امور کے نظم و نسق کا ذریعہ اور روش سمجھتاہے_ اور دوسرا نظریہ اسے قابل قدر و قیمت سمجھتاہے_

5) دوسرا نظریہ جو کہ جمہوریت کی قدر کا قائل ہے اکثریت کے انتخاب کو معاشرہ کی فلاح و بہبود کے انتخاب کے مترادف قرار دیتاہے_ بنابریں زندگی گزارنے کی کیفیت اکثریت کے انتخاب کی بنیاد پر ہونی چاہیے_

6) موجودہ دور میں جمہویت کے متعلق "نگاہ قدر "کے نظریہ کی اہمیت کم ہوچکی ہے اور اس کے حامیوں کی تعداد بہت کم رہ گئي ہے _

7) بعض افراد یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام اور جمہوریت کے درمیان عدم توافق کی وجہ جمہوریت کے دو بنیادی اصول ہیں _

8)"تکثر گرائي معرفت شنا ختي"اور" مطلق آزادی انتخاب کا حق" جمہوریت کے دو بنیادی اصول ہیں _

316

9) اسلام اپنی تعلیمات کی حقانیت پر تاکید کرتاہے_ لہذا تکثّر حقیقت اور حق و باطل کی ترکیب کا معتقد نہیں ہے اور اس کے نزدیك حق کو باطل سے تشخیص دی جاسکتی ہے _

سوالات:

1) دینی حکومت کے جمہوریت کے ساتھ تعلق کے بارے میں کونسے تین بنیادی نظر یات ہیں؟

2) جمہوریت اپنے حقیقی مفہوم کے ساتھ قابل وجود کیوں نہیں ہے؟

3) جمہوریت کے متعلق "نگاۃ قدر 'سے کیا مراد ہے؟

4) جمہوریت کو ایك روش سمجھنے سے کیا مراد ہے ؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

5) اسلام اور جمہوريت كے درميان "ذاتى تضاد" كى كيادليل ہے ؟
6)" تكثر گرائي معرفت شنا ختي" سے كيا مراد ہے ؟

اسلامى نظريہ حكومت

317

بتيسواں سبق:

دينى حكومت اور جمہور يت (2)

گذشتہ سبق ميں ہم اس نظريہ كو تفصيل كے ساتھ بيان كرچكے ہيں كہ اسلام اور جمہوريت كے درميان عدم توافق "ذاتي" ہے _ اب ہم اس نظريہ كى تحقيق كرتے ہيں_

دين اور جمہوريت كے درميان توافق كا امكان
پہلے اشارہ كرچكے ہيں كہ جمہوريت كى كوئي ايك تفسير يا تعريف نہيں ہے_ جمہوريت كے متعلق مختلف نظريات بيان كئے جاسكتے ہيں_اسلام اور جمہوريت كے درميان ذاتى عدم توافق كى جو وجہ بيان كى گئي ہے وہ جمہوريت كے متعلق ايك خاص نظريہ يعنى جمہوريت تكثر گرا(كثرت رائے) پر مبنى ہے _ البتہ جمہوريت كى يہ تفسير اسلام اور ہر اس مكتب كے ساتھ مطابقت نہيں ركھتى جو بعض امور كو حق اور صحيح سمجھتاہے_ اور ان كے نسبى ہونے كو نہيں مانتا_ جمہوريت كى مختلف تفسيريں ہيں_ اور ان ميںسے بعض مذكورہ بالا استدلال ميں بيان كئے گئے دو بنيادى اصولوں پر مبنى نہيں ہيں _ مثال كے طور پر وہ نظريہ جو جمہوريت كو سياسى اقتدار كى تقسيم كى ايك روش اور معاشرتى امور كے منظم كرنے كا ايك كارآمد وسيلہ سمجھتاہے وہ تكثر گرائي معرفتى اور مطلق

318
آزادى انتخاب پر موقوف نہيں ہے_
جمہوريت از لحاظ ايك روش كو محدود كيا جاسكتاہے يعنى كچھ مخصوص اصولوں كو حق اور صحيح تسليم كيا جاسكتاہے اس وقت جمہوريت كو ان اصولوں اور اقدار كى حفاظت كے لئے كام ميں لايا جاسكتاہے_ جمہوريت كے اس تصور ميں ايك تو "نسبيت" اورتكثرگرائي معرفتى كو ہٹاديا گياہے كيونكہ حقانيت كا اعتقاد پيدا كرچكے ہيں _ دوسرا يہ كہ لوگوں كا انتخاب ،مطلق اور آزاد نہيںہے بلكہ مقيد ہے كيونكہ اس نظريہ كے قائل افراد ان طے شدہ اصولوں كے خلاف كسى اور چيز كا انتخاب نہيں كرسكتے_ پس جمہوريت كا يہ تصور ان دو اصولوں يعني" تكثر گرائي معرفتى "اور" مطلق آزادى انتخاب "پر موقوف نہيں ہے_
"لبرل جمہوريت" جمہوريت كے اسى تصور كى بنياد پر تشكيل پائي ہے_ ابتداء ميں لبرل ازم كے حاميوں نے جمہوريت كے سلسلہ ميں اكثريت كے انتخاب كو كوئي خاص اہميت نہيں دى كيونكہ وہ اس سے خوفزدہ تھے كہ كہيں اكثريت رائے ان كے لبرل اصولوں اور اقدار كو پامال نہ كردے_ يہ اپنے لبرل اصولوں مثلاً ذاتى مالكيت كا احترام ، آزاد تجارت، آزادى بازار اقتصاد، مذہبى آزادى اور فكر و بيان كى آزادى پر يقين ركھتے تھے _ لہذا وہ چا ہتے تھے كہ جمہوريت كو ان اصولوں ميں اس طرح پابند كرديں كہ اكثريت رائے ان اصولوں كو پامال نہ كرسكے_ بنابريں لبرل ازم كى حقانيت اور اس كے اصولوں اور اقدار كے صحيح ہونے كے اعتقاد اور جمہوريت ميں ناہم آہنگى نہيں ہے_ لہذا جمہوريت كو لبرل اصولوں اور اقدار ميں مقيد ايك روش تصور كرتے ہوئے اسے" لبرل جمہوريت" كہہ سكتے ہيں_
جب ايسا ہے تو پھر كيا مشكل ہے كہ ہم جمہوريت از لحاظ ايك روش كو اسلامى اصول و ضوابط ميں منحصركر د يں اور كہيں: سياسى حكام كے تعيّن كيلئے عوام كى طرف رجوع كريں گے اور لوگ اپنى آراء سے پارليمنٹ كے ممبران

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

319

کاانتخاب کریں گے_ لیکن منتخب شدہ ممبران حق نہیں رکھتے کہ اسلامی تعلیمات کے منافی قوانین بنائیں_ اکثریت کا انتخاب اور لوگوں کی آراء اس وقت تك قابل احترام ہیں جب تك قبول کئے گئے عقائد کے مخالف نہ ہوں بنابریں جس طرح لبرل عقیدہ کے حامی "جمہوریت" کو اپنے اصولوں کے زیر سایہ رکھتے ہیں اسی طرح اسلام بھی جمہوریت کو اپنے اصولوں کے زیر سایہ رکھتاہے_ پس جمہوریت اور اسلام کے درمیان توافق قائم کیا جاسکتاہے_ اسلامی جمہوریہ ایران کا سیاسی نظام اس کا عملی نمونہ ہے_ ایران کا اساسی قانون اگر چہ جمہوری نظام کے تحت بنایا گیا ہے اور اس میں عوام کی آراء شامل ہیں_ لیکن اس کے ساتھ ساتھ خدا کی حاکمیت اور اسلامی تعلیمات کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے اور قومی حاکمیت کو الہی حاکمیت کے زیر سایہ قرار دیا گیا ہے_

ولایت فقیہ اور جمہوریت میں عدم توافق

گذشتہ سبق میں اشارہ ہوچکاہے کہ بعض افراد" ولایت فقیہ اور جمہوریت "کے درمیان عدم توافق کے نظریہ کے قائل ہیں در اصل اس نظریہ کی بنیاد ولایت فقیہ کی ایك خاص تحلیل و تفسیر پرہے- وہ یہ کہ یہ افراد ولایت فقیہ کو بے بس ومحجور افراد کی سرپرستی کے باب سے قرار دیتے ہیں_اس نظریہ کی بناپر نظام ولایت فقیہ اورجمہوریت کی ترکیب دو متضاد چیزوں کی ترکیب کے مترادف ہے_ اور جس اساسی قانون میں جمہوریت اور ولایت فقیہ کو جمع کیا گیا ہے وہ ناقابل حل مشکل سے دوچار ہے _ کیونکہ اس قانون میں دو متضاد چیزوں کو جمع کیاگیا ہے _

اسلامی جمہوریہ ایران میں" مجلس خبرگان رہبري" (1)کے انتخاب کیلئے عوامی آراء کی طرف رجوع کیا جاتاہے_

اکثریت کی آراء کی طرف رجوع کرنے کا معنی یہ ہے کہ در حقیقت یہ عوام ہی ہیں جو رہبر اور ولي

.Assembly Of experts (1

320

امر کا انتخاب کرتے ہے _ فقہی اصطلاح میں وہ افراد جو ولایت فقیہ کے نظام میں" مولّی علیہ" فرض کئے جاتے ہیں مثلاً ، بچے اور پاگل و غیرہ _ اگر مولّی علیہ شرعی یا قانونی طور پر اپنے ولی امر کا انتخاب خود کرے تو وہ خود بالغ اور عاقل ہے اور طبیعی طور پر وہ مولّی علیہ نہیں ہے کہ اسے ولی امر کی احتیاج و ضرورت ہو _ اور اگر حقیقتاً مولّی علیہ ہے اور اسے ولی امر کی احتیاج ہے تو پھر وہ خود کیسے اپنے لئے ولی امر کا انتخاب کرسکتاہے؟

جیسا کہ اس استدلال کی اصلی بنیاد اس پر ہے کہ اسلامی جمہوریہ کے اساسی قانون میں عوام کے بارے میں تضاد پایا جاتاہے _ کیونکہ ایك طرف جمہوریت میں یہفرض ہے کہ عوام سمجھ بوجھ رکھتے ہیں ، صاحب اختیار ہیں اور اپنی سیاسی سرنوشت کا تعین کرسکتے ہیں اور ان کی آراء اور انتخاب قابل اعتبار ہیں _ جبکہ دوسری طرف ولایت فقیہ میں فرض یہ ہے کہ لوگ مولی علیہ ہیں ، سمجھ بوجھ نہیں رکھتے اور انہیں اپنے امورسنبھالنے کیلئے ایك سرپرست اور ولی کی ضرورت ہے _ بنابریں عوام کے بارے مینیہ دو فرض جمع نہیں ہوسکتے_ کیونکہ ممکن نہیں ہے کہ لوگ جس وقت رشید اور مختار شمار کئے جارہے ہیں اسی وقت مولّی علیہ اور غیر رشید بھی ہوں_ پس اس تحلیل کی بناپر اساسی قانون میں جمہوریت اور ولایت فقیہ کی ترکیب دو متضاد باتوں کا جمع کرنا ہے _

مذکورہ شبہہ کا جواب:

ولایت فقیہ اور جمہوریت میں عدم توافق کے شبہ کا منشاء اور سبب در حقیقت ولایت فقیہ کی غلط تفسیر ہے _ پندرہویں اورسولہویں سبق میں اس نکتہ کی وضاحت ہوچکی ہے کہ ولایت فقیہ محجورو بے بس افراد پر ولایت کے باب سے نہیں ہے _ بلکہ اس ولایت کی قسم سے ہے جو رسول خدا (ص) اور ائمہ معصومین کو امت پر حاصل تھی _ بنابریں ولایت فقیہ کی اس صحیح تفسیر کی مدد سے یہ نکتہ واضح ہو جاتاہے کہ ولایت فقیہ میں یہ فرض

321

نہیں کیاگیا کہ لوگ ناسمجھ اور محجورہیں پس اس لحاظ سے جمہوریت اور رائے عامہ کا احترام کرنے میں کوئي مشکل پیش نہیں آتي_

دینی حکومت اور جمہوریت کی بحث کے آخر میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر چہ سیاسی اور اجتماعی

زندگی میں جمہوریت ايك مقبول روش ہے _ ليكن فوائدكے لحاظ سے اسكے بارے ميں مبالغہ آرائي نہيں كرنی چاہے كيونكہ يہ نئي چيز بہت سی آفات اور نقصانات كی حامل ہے _ جن ميں سے بعض كی طرف يہاں مختصر طور پر اشارہ كيا جاتاہے_

جمہوريت كی آفات

جمہوريت كی روح اور اساس يہ ہے كہ مختلف معاشرتی امور ميں لوگوں كی شركت اور رائے عامہ سے استفادہ كيا جائے_ليكن متعدد وجوہات كی بنياد پر آج جو حكومتيں جمہوری كہلاتی ہيں اس روح سے خالی ہيں_ بہت سی حكومتيں فقط نام كی حد تك جمہوری ہيں اور وہ جمہوريت فقط اس معنی ميں ہے كہ اپنے پر حكومت كرنے والوں كو يا انتخاب كرليں يارد كرديں_ در حقيقت يہ سياستدان ہيں جو حكومت كرتے ہيں _
جمہوريت كی ايك اور اہم مصيبت اور مشكل جو كہ اس كی تمام شكلوں ميں موجود ہے اس ميں عوام كا كردار ہے _ عوام عام طور پر سياسی اور اجتماعی مسائل كے بارے ميں غير ذمہ دارانہ رويہ ركھتے ہيں _ اپنے ذاتی امور مثلاً شادي، گھر يا گاڑی كے خريدنے ميں بہت زيادہ غور و فكر اور دقت سے كام ليتے ہيں ان كی پوری كوشش ہوتی ہے كہ مفيد ترين اور بہترين كا انتخاب كريں ليكن اجتماعی اور سياسی امور ميں كاہلی اور تساہل سے كام ليتے ہيں _اس وجہ سے جذباتی نعروں اور پروپيگنڈے كی زد ميں آجاتے ہيں اور داخلی و خارجی عوامل سے متاثر ہوجاتے ہيں_
ايك اور آفت يہ ہے كہ سياسی جماعتيں اور سياستدان جديدترين پروپيگنڈا مشينری اور حربوں كو بروئے

كار لاكر سياسی طاقت كی تقسيم اورحكومتوں اور صاحبان قدرت پر عوامی نظارت كے سلسلے ميں رائے عامہ كی تاثير كو مشكوك بناديتے ہيں_ عالم سياست ميں رائے عامہ كم ہوتی ہے اكثر بناوٹ اور دھوكا بازی سے كام ليا جاتاہے _ موجودہ جمہوريت ميں بجائے اس كے كہ رائے عامہ ايك اساسی عامل اور متحرك قوت ہو يہ پروپيگنڈا اور مخصوص سياسی جماعتوں كی فعاليت كا نتيجہ ہوتی ہے_ ہر برٹ ماركو زہ كے بقول:
ميڈيا اور پروپيگنڈا لوگوں ميں غلط شعور پيدا كرديتے ہيں _ يعنی ايسے حالات پيدا كرديئے جاتے ہيں كہ لوگ اپنے حقيقی منافع كا ادراك نہيں كرپاتے (1)
جديد جمہوريت كی بنيادی اور اصلی ترين مشكل يہ ہے كہ تجارت پر حاوی بڑے بڑے افراد معاشرے كے ايك چيدہ گروہ كے عنوان سے معاشروں كی اقتصاديات پر غير مرئي كنٹرول ركھنے كے علاوہ سياست كے كليدی امور پر بھی كنٹرول ركھتے ہيں_ تمام سياسی جماعتيں ان كے زير اثر ہوتی ہيں اوربہت سے موارد ميں موجود ہ لبرل جمہوريت ميں حكومتی منصوبوں ميں لوگوں كا براہ راست عمل دخل بہت كم ہے فقط نمائندوں كے ذريعہ سے ہے اور نمائندے لوگوں كے دقيق انتخاب كے بجائے پروپيگنڈے كے زير اثر اور اقتصادی طاقتوں كی غير مرئي راہنمائي پر منتخب ہوتے ہيں _ واضح سی بات ہے كہ ايسے نمائندے سب سے پہلے تجارتی پارٹيوں كے مفادات كا خيال ركھيں گے_

1) مدلہای دموكراسی ڈيوڈ ہلڈ، ترجمہ بزبان فارسي، عباس مخبر ، صفحہ 347_

خلاصہ :

1) اسلام اور جمہوريت ميں توافق و مفاہمت ممكن ہے _
2) وہ افراد جو اسلام اور جمہوريت ميں ذاتی عدم توافق كے قائل ہيں در حقيقت ان كے پيش نظر جمہوريت كی ايك خاص تعريف ہے اور وہ" جمہوريت اكثريت رائے "كی حمايت كرتے ہيں_
3) بغير كسی شرط و قيد كے" مطلق جمہوريت"كا كوئي وجود نہيں ہے _ موجودہ دور ميں بہت سے ممالك لبرل اصولوں اور اقدار كے زير اثر جمہوريت كو تسليم كرتے ہيں _
4) لبرل جمہوريت كے مقابلے ميں ہم اسلام كے اصولوں كے مطابق جمہوريت كو قائم كرسكتے ہيں_
5) اسلامی جمہوريہ ايران كا نظريہ عوامی حاكميت كو الہی حاكميت كے زير اثر قبول كرنے كی ايك مثال ہے_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

6) وہ نظریہ جو ولایت فقیہ اور جمہوریت کے درمیان عدم توافق کا قائل ہے اس کے پیش نظر ولایت فقیہ کی ایک خاص تعریف ہے _

7) اگر کوئي غلط طور پر" ولایت فقیہ کو بے بس اور محجور افراد پر ولایت "کے باب سے قرار دیتاہے تو اسے ولایت فقیہ اورجمہوریت میں توافق قائم کرنے میں مشکل پیش آتی ہے _

8)" ولایت فقیہ "امت پر رسول خدا (ص) اور ائمہ معصومین کی ولایت کے باب سے ہے_

9) جمہوریت بہت سی مصیبتوں اور آفات سے دوچار ہے_

10) جدید دور میں جمہوریت کی عظیم ترین آفت یہ ہے کہ لوگوں کے انتخاب کے پیچھے تجارتی یونینز اور پروپیگنڈے کا ہاتھ ہوتاہے _

324

سوالات:

1) اسلام اور جمہوریت کے درمیان" ذاتی عدم توافق "کے نظریہ کا کیا جواب ہے ؟

2) دینی حکومت جمہوریت کی کونسی تعریف کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے ؟

3) لبرل جمہوریت سے کیامراد ہے؟

4) حکومت ولائي اور جمہوریت کے درمیان عدم توافق کی دلیل کیا ہے؟

5) ولایت فقیہ اور عوامی قیادت کے درمیان تضاد والے شبہ کا جواب کیا ہے ؟

6) جمہوریت کو کن آفات و مشکلات کا سامناہے؟

اسلامی نظریہ حکومت

325

ضمیمہ جات

326

باسمہ تعالی

ضمیمہ نمبر 1

سوال : کیا اہلسنت کے نزدیك بھی "ولایت فقیہ" نام کی کوئي چیز ہے؟

مختصر جواب:

اہلسنت کے نزدیك خود" خلافت" در حقیقت " ولایت فقیہ " کی مثل ایك چیز ہے _ لیکن کیفیت اور شرائط کے لحاظ سے مختلف ہے _ اہم ترین فرق یہ ہے کہ شیعوں کے اعتقاد کے مطابق زمانہ غیبت میں ولایت فقیہ رسول خدا (ص) اور ائمہ معصومین (ع) کی حکومت کا تسلسل ہے_ ولی فقیہ بطور عام یا خاص آنحضرت(ص) کی جانب سے منصوب ہونا چاہیے_ لیکن جس خلافت کے اہلسنت قائل ہیں وہ اس طرح نہیں ہے _ تاریخ گواہ ہے کہ خود ان کے اعتقاد کے مطابق خلیفہ اول کا تقرر بھی آنحضرت(ص) کی طرف سے نہیں تھا_ بلکہ ان کا تقرر بعض صحابہ کی بیعت کے نتیجہ میں ہوا تھا_ اموی اور

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

عباسی دور میں جو خلافت تھی اسلامی حکومت سے ذرا بھی مشابہت نہیں رکھتی تھي_

تفصیلی جواب:
انسان نے طول تاریخ میں معاشرتی انصاف اور اپنی سیاسی زندگی کیلئے مختلف نظاموں اور حکومتوں کا

تجربہ کیا ہے _ لیکن رسول خدا(ص) اور امیر المؤمنین (ع) کی مختصر دورانیہ کی حکومت کے سوااس نے اپنے بنیادی اہداف اور منطقی آرزؤوں کو ان حکومتوں سے حاصل نہیں کیا _ جبکہ اسلامی نظام نظریاتی لحاظ سے اور تھیوری کی حد تك مکمل تھا اور زمانہ کی پیشرفت اور ارتقاء کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ تھا _ لیکن کیوں عملی نہ ہوا _ یہ ایك سربستہ راز ہے جس کی وضاحت کسی اور وقت پر اٹھا رکھتے ہیں_

لفظ " ولایت فقیہ" قدیم زمانہ سے شیعہ فقہ اور کلام میں ایك جانا پہچانا کلمہ ہے کہ جوایران میں اسلامی جمہوری نظام کے نفاذ کے ذریعے مرحلہ عمل میں آیا _ اور وہ نام ہے " کائنات اور انسان پر اللہ تعالی کی حاکمیت مطلقہ کی بنیاد پر زمانہ غیبت میں وسیع اسلامی سرزمین میں امت مسلمہ کے دینی اور دنیاوی امور میں ایك زمانہ شناس ' بہادر'اور مدبر فقیہ عادل کی مکمل اور بھر پور حاکمیت " (1)

امام خمینی فرماتے ہیں : حاکمیت کی شرائط براہ راست اسلامی حکومت کی حقیقت سے پھوٹتی ہیں_ عام شرائط یعنی عقل اور تدبر کے علاوہ اس کی دوبنیادی شرطیں اور ہیں _ ایك " قانون کا علم " اور دوسری "عدالت" اگر کسی شخص میں یہ دو شرطیں پائي جاتی ہوں اور وہ قیام کرے وہ حکومت تشکیل دے سکتاہے اور اسے وہی ولایت حاصل ہوگی جو آنحضرت(ص) معاشرتی امور میں رکھتے تھے اور تمام افراد پر واجب ہے کہ وہ اس کی اطاعت کریں (2) اس وضاحت کے ساتھ شیعہ نکتہ نظر سے زمانہ غیبت میں ولایت فقیہ در حقیقت امام معصوم (ع) کی حکومت کا تسلسل ہے اور اس وقت ولی فقیہ امام معصوم (ع) کا نائب سمجھا جاتاہے اس لحاظ سے خدا کی حاکمیت، رسول خدا(ص) اور ائمہ معصومین (علیہم السلام)کی حکومت اور زمانہ غیبت میں ولایت فقیہ بالترتیب ایك ہی سلسلہ کی کڑیاں ہے جو آپس میں جڑی ہوئي ہیں (3)

1) عباس کعبی '' بررسی تطبیقی مفہوم ولایت فقیہ '' قم ، مؤسسہ انتشاراتی ظفر0 138 ، ص 41 _ قانون اساسی جمہوری اسلامی ایران اصل پنجم_
2) '' ولایت فقیہ'' امام خمینی ، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی 1373 ص 37_
3) ایضاً ص 40_

اہلسنت کے نظریہ کے مطابق خلافت نام ہے جانشینی رسول (ص) کے عنوان سے دینی اور دنیاوی امور میں مکمل حاکمیت کا _

ابن خلدون کہتے ہیں : خلافت نام ہے دین کی حفاظت اور سیاست دنیا کیلئے صاحب شریعت کی طرف سے جانشین ہونا (1)
ماوردی (متوفی 450 ھ) کہتے ہیں :
الامامة موضوعة لخلافة النبوة فی حراسة الدین و سیاسة الدنیا(2)
خلافت نام ہے دین کی حفاظت اور سیاست دنیا کیلئے رسول خدا(ص) کی طرف سے جانشین ہونے کا _
اخوان الصفا کہتے ہیں : بادشاہ زمین پر خدا کے جانشین ہیں _اور دین کے پاسبان ہیں (3) ماوردی خلافت کی تعریف کرنے کے بعد کہتے ہیں ' ' اصم" کے علاوہ تمام علماء اسلام متفق ہیں کہ امام کی بیعت واجب ہے _البتہ اس کے وجوب کے مدرك اور دلیل میں اختلاف ہے کہ کیا وہ عقل ہے یا شرع؟ لیکن شریعت نے "حاکمیت" ولی خدا کے حوالے کی ہے _
اللہ تعالی قرآن میں فرماتاہے:
یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (4)

1_ مقدمہ ابن خلدون ص 166_
2_ '' الاحکام السلطانیہ'' علی بن محمد الماوردی ، بیروت لبنان، دار الکتب الاسلامیہ 1985 ، 1405 ق ص 5_
3_ ''نظام حکومتی و اداری در اسلام'' باقر شریف قرشی ترجمہ عباس علی سلطانی مشہد ،بنیاد پوہش ہای اسلامی 1379 ص 240_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

4_ سورہ نساء 59_

329

اے ایمان والو خدا کی اطاعت کرو اور رسول او ر اپنے میں سے صاحبان امر کی اطاعت کرو_
اس طرح خدا نے " اولی الامر" جو کہ معاشرے کے رہبر ہیں کی اطاعت ہم پر واجب قرار دی ہے _
ہشام بن عروۃ، ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں : رسول خدا(ص) نے فرمایا : میرے بعد تم پر رہبر حکومت کریں گے _ نیك حاکم نیکی کےساتھ اور بدکردار حاکم برائي کےساتھ _ پس جو حق کے مطابق ہو اس کی اطاعت کرو _ کیونکہ اگر نیك کام کریں گے تو تمہارے اور ان کے فائدے میں ہوں گے اور اگر برے کام انجام دیں گے تو تمہارے فائدے اور خود ان کے نقصان میں ہوں گے (1)
علمائے اہلسنت نے اصل خلافت کو آیت " اولی الامر" سے لیا ہے (2)جبکہ تمام شیعہ علماء اور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت میں اولی الامر سے مراد ائمہ معصومین (ع) (ع) ہیں جو کہ مادی اور معنوی رہبر ہیں _ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اطاعت کو بغیر کسی قید اور شرط کے اور خدا و رسول (ص) کی اطاعت کے ردیف میں ذکر کیا گیا ہے _ لہذا ایسی اطاعت صرف معصومین(ع) کیلئے قابل تصور ہے _ جبکہ دوسرے افراد جن کی اطاعت واجب ہوتی ہے وہ محدود اور قیود و شرائط کے ساتھ ہوسکتی ہے (3) بہر حال رہبر یا خلیفہ کی شرائط بھی متفق علیہ نہیں ہیں _ ماوردی امامت کیلئے درج ذیل شرائط کو معتبر قرار دیتے ہیں _

عدالت اپنی تمام شرائط کےساتھ مرتبہ اجتہاد پر فائز ہونا

1 _ الماوردی ص 5_
2_ تفسیر کبیر فخر الدین رازی بیروت دار الکتب العلمیة 1411 ق 1990 م ج 9 ، 10 ص 116 ، 117، جامع البیان فی تفسیر القرآن طبری ج 5 ص 241 ، 242 تفسیر المنار ج5 ص 181_
3 _ '' ترجمہ تفسیر المیزان'' محمد حسین طباطبائي ج 4 ص 636_663 سورہ بقرہ ذیل آیت 59 پیام قرآن ، ناصر مکارم شیرازی و ہمکاران ج9 ص 54_

330

ناقص الاعضاء نہ ہو
صاحب را ے ہونا
شجاعت و بہادري
نسب یعنی امام کا تعلق قبیلہ قریش سے ہو (1)
البتہ اکثر علمائے اہلسنت عدالت کو شرط نہیں سمجھتے (2) چنانچہ کہتے ہیں : اولو الامر سے مراد حکام، امراء اور بادشاہ ہیں اور ہر حاکم جو حکومت حاصل کرلے اس کی اطاعت واجب ہے چاہے وہ عادل ہو یا ظالم_
تفسیر المنار میں اشارۃً کہا ہے کہ بعض کا نظریہ ہے کہ آیت تمام حاکموں کی اطاعت کے متعلق ہے اور اسے واجب قرار دیتی ہے (3) اور اس بارے میں انہوں نے روایات بھی نقل کی ہیں (4)
مختصر طور پر یوں کہاجاسکتاہے کہ ہمارے عقیدہ کے مطابق خلافت "الاحکام السلطانیہ" میں مذکور تعریف اور خصوصیات کے پیش نظر حیات اسلامی کی ضروریات میں سے ہے_ لیکن قابل غور نکتہ یہ ہے کہ وہ خلافت جو اموی اور عباسی دور یا حتی رحلت رسول (ص) کے بعد سامنے آئي ، حقیقی اسلامی حکومت کے ساتھ اس کا کوئي تعلق نہیں تھا_ اس دن سے خلافت ابہام کا شکار ہے _ لیکن پہلا سوال یہ ہے کہ رسول خدا(ص) کی طرف سے مقرر کردہ خلیفہ کون ہے ؟ تاریخ بتاتی ہے کہ رسول خدا(ص) نے "یوم الدار"(5) میں لفظ خلیفہ ، نیابت اور جانشینی کے معنی میں حضرت علی (ع) کیلئے استعمال کیا تھا_
حضرت ابوبکر کی خلافت کے بارے میں ابن خلدون کہتے ہیں : رسول خدا(ص) کی وفات کے وقت صحابہ نے پیش قدمی کی اور ان کی بیعت کرلی ...(6) لہذا وہ آنحضرت(ص) کے مقرر کردہ نہیں ہیں_

1) الماوردی ایضاًص 6_
2) الاردشاد ،امام الحرمین جوینی ص 426 ، 427 _ایضاً باقر شریف قرشی ص 256 ، 260 _

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

3) تفسير المنار ج5 ص 181_
4) صحيح مسلم ج 3 ، كتاب الاماره باب اطاعة الامراء و ان منعوا الحق ص 474 ، 467_
5) يوم الدار وہ دن ہے جس دن رسول خدا (ص) نے حكم خدا سے اپنے رشتہ داروں كو اسلام كى دعوت دى تھى _
6) باقر شريف القرشى ص 246_

علاوہ براين " الاحكام السلطانيہ" ميں اسلامى حاكم كى جو خصوصيات بيان كى گئي ہيں اگر انكا مصداق خارجى وجود ميں آجائے تو يہ ان صفات كے بہت قريب ہيں جو علماء شيعہ نے ولى فقيہ كے متعلق بيان كى ہيں _ سوائے قريشى ہونے كے كہ جو خالصةً اہلسنت كا نظريہ ہے _البتہ اہلسنت كے چار مذاہب كے بعض فقہاء معتقد ہيں كہ ممكن ہے خلافت اور حكومت طاقت كے زور پر حاصل كى جائے _ اور جو طاقت كے زور پر حاكم بن جائے اسكى اطاعت واجب ہے (1) احمد ابن حنبل" علم اور عدالت "كو شرط نہيں سمجھتے _ اور ايك حديث نقل كرتے ہيں جس كے مطابق ہر وہ شخص جو تلوار (طاقت) كے زور پر بر سر اقتدار آجائے وہ خليفہ اور امير المؤمنين ہے _ كسى كيلئے جائز نہيں ہے كہ اس كى امامت كا انكار كرے چاہے وہ نيك ہو يا فاسق و فاجر(2)
ان تمام تنازعات اور اختلافات سے صرف نظر كرتے ہوئے شيعہ اور اہلسنت كے نظريات كے درميان بنيادى فرق يہ ہے كہ شيعہ معتقدہيں زمانہ غيبت ميں صرف وہى افراد حق حكومت ركھتے ہيں جو بطور خاص يا بطور عام اس ذمہ دارى كيلئے آنحضرت(ص) كى طرف سے مقرر كئے گئے ہوں_ اصطلاح ميں اسے ولايت فقيہ كہتے ہيں يعنى اس نظريہ كے مطابق حكومت كا تعين اوپر سے ہوتاہے حتى كہ جو حق عوام كو حاصل ہے وہ خدا كى جانب سے ہے_ايك خدا پرست انسان كبھى بھى حكومت كى بنياد كے طور پر مخلوق كے ارادہ كو قبول نہيں كرسكتا جب تك وہ خالق كے ارادہ سے منسلك نہ ہو _ ليكن اہلسنت كے نظريہ كے مطابق ايسا نہيں ہے _ جيسا كہ خليفہ اول كى خلافت بھى رسول خدا (ص) كے تقرر سے نہيں تھي_ بلكہ بعض صحابہ كى بيعت كے نتيجہ ميں وجود ميں آئي تھي_ اور اسى طرز سے آگے بڑھي_

1) ''الفقہ الاسلامى و ادلتہ ''ج 6 ص 682_
2) ''الماوردي'' ص 20_

باسمہ تعالى

ضميمہ نمبر 2

سوال:ايسا معاشرہ جس ميں شيعہ ، غير شيعہ، مسلم اور غير مسلم افراد بستے ہيں اس ميں ولى فقيہ كے حكم كى حد ودكيا ہيں ؟

مختصر جواب:
حكومتى مسائل كے سلسلہ ميں وہ ولايت مطلقہ جو اللہ تعالى كى طرف سے رسول خدا (ص) كو عطا كى گئي ہے وہى حكومتى اختيارات ائمہ معصومين (ع) اور ان كے بعد فقيہ عادل كو ديئے گئے ہيں _ اور اس ميں كوئي فرق نہيں ہے_ قرآن مجيد اور شيعہ و سنى احاديث ميں غور كرنے سے معلوم ہوتاہے كہ اسلام ايسا دين نہيں ہے جو فقط عبادات اور انفرادى آداب و رسوم ميں منحصر ہو_ اور سياسى ، اجتماعى اور اقتصادى مسائل پراس كى نگاہ نہ ہو _ فقيہ كا حكم بھى خدا و رسول كا حكم ہے _ اسلام ايك عالمگير دين ہے _ فقط مسلمانوں كےساتھ مخصوص نہيں ہے _ بلكہ آيات و روايات نے صراحت كے ساتھ اس حقيقت كو بيان كيا ہے _اور اسلامى احكام دنيا كے تمام افراد كيلئے ہيں _

تفصيلى جواب:
اس ميں كوئي شك نہيں ہے كہ رسول خدا (ص) اور ائمہ معصومين (ع) كى ولايت ، اس حكومت و ولايت كے واضح ترين مصاديق ميں سے ہے جو ہر دور و زمانہ ميں معاشرے كى ضرورت رہى ہے _ يہ ولايت اورخلافت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

خداوند کریم کی طرف سے معصومین (ع) اور زمانہ غیبت میں " جامع الشرائط فقیہ " کو تفویض کی گئي ہے(1)
ولایت چاہے تکوینی ہو یا تشریعی ، اللہ تعالی کی ذات میں منحصر ہے _اور اس حاکمیت میں کوئي بھی اس کا شریك نہیں ہے _
عقل نے ہمیشہ انسان کو خدا کی اطاعت کا پابند قرار دیا ہے _اور الہی قوانین کی مخالفت کو اس کیلئے حرام قرار دیا ہے _اور یہ ولایت مطلقہ اور اطاعت ہمیشہ خدا کی ذات واحدہ میں منحصر ہے _ مگر یہ کہ خداند متعال مقام تشریع میں ولایت کا کوئي مرتبہ کسی دوسرے کو تفویض کردے کتاب و سنت کی رو سے اللہ تعالی نے یہ ولایت انبیاء اور ائمہ معصومین علیہم السلام کو عطا فرمائي ہے _
مذکورہ سوال کی وضاحت کیلئے ضروری ہے کہ پہلے فتوی اور حکم کے دقیق معانی بیان کئے جائیں _ نیز حکم اور فتوی کے درمیان موجود فرق کو واضح کیا جائے _پھر ولی فقیہ کے حکم کی حدود اور شیعہ و سنی اور مسلم غیر مسلم تمام افراد کیلئے اس کی اطاعت کے لازم ہونے کی تحقیق کی جائے_ جناب عمید زنجانی کہتے ہیں لغت میں حکم: استقرار ، ثبوت اور استحکام کو کہتے ہیں _ لیکن قرآنی اصطلاحی میں حق کو باطل سے ممتاز کرنے ، اختلاف کو ختم کرنے اور فیصلہ کرنے کو " حکم" کہتے ہیں _ جبکہ فقہی اصطلاح میں "حکم" کا اطلاق عام طور پر قانون الہی پر ہوتاہے _ اس کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں حکم نام ہے اس خطاب شرعی کا جو مکلفین کے افعال کے ساتھ مربوط ہو_ اور اس کی دو قسمیں ہیں تکلیفی اور وضعی (2)

حکم اور فتوی میں فرق
اگر حاکم یا جامع الشرائط مجتہد کسی خاص موضوع کے متعلق کوئي حکم صادر کرے تو دوسرے مجتہدین اس

1) قال الامام حسن العسکری (ع) فانی قد جعلتہ علیکم حاکما فاذا حکم بحکمنا فلم یقبلہ منہ فانما استخف بحکم اللہ و علینا رد و الراد علینا الراد علی اللہ و ہو علی حد الشرك باللہ _ بحار الانوار ج 2 ص 221 ح1_
2) عمید زنجانی ، عباس علی " فقہ سیاسي" ج2 ص 148 انتشارات 1377_

حکم کی مخالفت نہیں کرسکتے اور تمام افراد پر چاہے وہ دوسرے مجتہدین کے مقلد ہوں اس حکم کا اتباع کرنا واجب ہوتاہے _ بلکہ یہ حکم حاکم اور دوسرے مجتہدیں پر بھی حجت ہوتاہے _ جبکہ فتوی میں اگر کوئي مجتہد کسی مسئلہ کے متعلق ایك فتوی دیتاہے تو ممکن ہے بعض دیگر مجتہدین کا فتوی اس کے خلاف ہو(1)

ولی فقیہ کے حکم کی حدود
"مسئلہ ولایت فقیہ " کی ایك اہم ترین بحث " ولی فقیہ کے اختیارات کی حدود" کے بارے میں ہے _ کیا یہ اختیارات محدود اور نسبی ہیں ؟ یا ولی فقیہ رسول خدا(ص) کے تمام حکومتی اختیارات کا حامل ہوتاہے ؟ دوسرے لفظوں میں حکومتی امور میں فقیہ عادل کی ولایت رسول خدا(ص) کی ولایت کی طرح ہے ؟ یا نہ ؟ اگر چہ بعض افراد فقیہ کے اختیارات کو امور حسبیہ اورمال مجہول المالك میں تصرف جیسے امور میں محدود قرار دیتے ہیں _ اور فقیہ عادل کے مکمل اور مطلق اختیارات کے قائل نہیں ہیں _ بلکہ اسے نسبی سمجھتے ہیں _ لیکن اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ فقیہ عادل ایك اسلامی حکومت کا سربراہ ہے _ لہذاضروری ہے کہ وہ اسے بہترین طریقہ سے چلاسکتاہو_ لہذا عوام کے مصالح ، قوانین الہی اور اسلامی موازین و ضوابط کی حدود کے علاوہ ولی فقیہ کے اختیارات کی کوئي حد نہیں ہے _اسی لئے ولایت فقیہ کو ولایت مطلقہ فقیہ سے تعبیر کرتے ہیں حکومتی مسائل کے سلسلہ میں خداوند کریم کی طرف سے رسول خدا کو جو ولایت مطلقہ تفویض ہوئي ہے _ بالکل وہی حکومتی اختیارات ائمہ معصومین (ع) اور ان کے بعد فقیہ عادل کو دیئے گئے ہیں _ اور اس سلسلہ میں کسی قسم کا کوئي فرق نہیں ہے (2)
اسی بارے میں امام خمینی فرماتے ہیں : یہ خیال بالکل غلط ہے کہ رسول خدا (ص) کے حکومتی اختیارات امیر المؤمنین (ع) سے زیادہ تھے یا امیر المؤمنین کے اختیارات کا دائرہ فقیہ کے اختیارات سے وسیع تر ہے_ البتہ رسول خدا(ص) کے فضائل تمام کائنات سے بڑھ کر ہیں_ اور ان کے بعد حضرت امیر المؤمنین کے فضائل

1) احکام تقلید و اجتہاد ، موگہی عبدالرحیم ص 164 ، سال 1375_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

2) ودموكراسى در نظام ولايت فقيہ كواكبيان ، مصطفى ص 126 انتشارات عروج سال 1370_

سب سے زيادہ ہيں _ ليكن معنوى فضائل كى زيادتى حكومتى اختيارات ميں اضافہ كا باعث نہيں بنتى (1)
قرآن كريم ، شيعہ و سنى احاديث اور مختلف ابواب ميں فقہاء كے فتاوى ميں غور كرنے سے معلوم ہوتاہے كہ اسلام ايك ايسا دين نہيں ہے جو فقط عبادات اور انفرادى آداب و رسوم ميں محدود و منحصر ہو_ اور سياسى ، اجتماعى اور اقتصادى مسائل پر اس كى نگاہ نہ ہو_ خدا ، حكومت ، خاندان ، امت مسلمہ اور غير مسلم امتوں كے متعلق انسان كو اپنى پيدائشے سے ليكر زندگى كے آخرى مراحل تك جو كچھ انجام دينا ہے اس كيلئے اسلام كے پاس قوانين و ضوابط ہيں _ جيسا كہ پہلے كہا جاچكاہے كہ فقيہ كا حكم خدا اور رسول (ص) كا حكم ہے _ اور اسلام ايك عالمگير دين ہے _ فقط مسلمانوں كے ساتھ مربوط نہيں ہے _ جس طرح آيات اور روايات اس حقيقت كى وضاحت كرتى ہيں _ ہم بطور نمونہ بعض كى طرف اشارہ كرتے ہيں _
و ما ارسلناك الا كافة للناس بشيراً و نذيراً و لكن اكثر الناس لا يعلمون (2)
اور ہم نے تمہيں تمام افراد كيلئے بشارت دينے اور ڈرانے والا بناكر بھيجا ہے _ ليكن اكثر لوگ نہيں جانتے_
لفظ " الناس" ميں شيعہ ، سنى ، مسلمان اور غير مسلمان سب شامل ہيں _ نيز ارشاد ہوتاہے يا ايہا الناس انى رسول اللہ اليكم جميعا ...(3) اے لوگوں ميں تم سب كى طرف خدا كا بھيجا ہوا ہوں _ لفظ "الناس " ضمير " كم" اور لفظ " جميعاً" سے معلوم ہوتاہے كہ خطاب سب لوگوں سے ہے اور سب اس ميں شامل ہيں _ آيت سے معلوم ہوتاہے كہ رسول خدا(ص) كا تعلق كسى ايك قوم ، گروہ يا قبيلہ كے ساتھ نہيں ہے بلكہ آپ (ص) خدا كى طرف سے تمام افراد كيلئے بھيجے گئے ہيں _

1) ولايت فقيہ ، امام خمينى ص 64 مؤسسہ نشر آثار امام خمينى چاپ اول 1373_
2) سورۃ نساء 28_
3) سورۃ اعراف 158_

بسم اللہ الرحمن الرحيم

ضميمہ نمبر 3

سوال : ولى فقيہ كے ساتھ مسلمانوں كا رابطہ اور تعلق كس طرح كا ہونا چاہيئے؟

مختصر جواب:
1 _ ولايت فقيہ كے الہى اور عوامى جواز والے نظريے كے مطابق غير مسلم ممالك ميں رہنے والے مسلمانوں پر بھى ولى فقيہ كى اطاعت واجب ہے _
2 _ امام خمينى فرماتے ہيں : ولى فقيہ تمام صورتوں ميں ولايت ركھتاہے_ ليكن مسلمانوں كے امور كى سرپرستى اور حكومت كى تشكيل مسلمانوں كى اكثريت آرا كے ساتھ وابستہ ہے_
3 _ جب دوسرے ممالك ميں مسلمانوں كى سرپرستى كرنے ميں كوئي مشكل در پيش نہ ہو تو پھر امت مسلمہ پر ولايت كے سلسلہ ميں كوئي ركاوٹ نہيں رہتى _
4 _ امير المؤمنين (ع) امام اور امت كے رابطے كو مندرجہ ذيل موارد كے قالب ميں بيان فرماتے ہيں امت كے امام پر يہ حقوق ہيں خيرخواہي، حقوق كى ادائيگي، تعليم، آداب سكھانا اور امت پر امام كے حقوق ہيں بيعت پر قائم رہنا، خيرخواہى كا حق ادا كرنا اور مطيع رہنا_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

تفصیلی جواب:

مذکورہ سوال کے جواب کے متعلق سب سے پہلے تو مسئلہ کے تمام مفروضات اور اس کے متعلقہ مسائل پر گفتگو کریں گے _ اور آخر میں رابطہ کی اقسام کو مورد تحقیق قرار دیں گے_

مفروضات _ ایک اسلامی معاشرہ یا جغرافیایی حدود کے ساتھ متعین ایک اسلامی ملک جو ایک خاص سسٹم اور نظام بنام " ولایت فقیہ" کے تحت کام کرتاہو (1) دوسرے لفظوں میں ایک ایسی سرزمین جس پر اسلامی حکومت کا مکمل تسلط ہو _ اور ایک خاص حیثیت کی حامل ہو کہ جسے ہم ام القری کہتے ہیں (2) ام القری کی اہم ترین اور اصلی خصوصیت یہ ہے کہ ایک تو اس سرزمین پر اسلامی حکومت قائم ہو اور دوسرا یہ کہ ام القری کی رہبری کا دائرہ کار تمام امت مسلمہ کی حد تک ہے _اگر چہ فی الحال سرزمین ام القری کادائرہ کار محدود حد تک ہے (3) ان مفروضہ موارد کی طرف دیکھتے ہوئے ولی فقیہ کے ساتھ مسلمانوں کے روابط پر بحث کرتے ہیں _

رابطہ کی اقسام

1 _ سیاسی فقہي2 _ امت اور امام

رابطہ کی اقسام سے پہلے اسلامی ممالک کی حدود، ولایت فقیہ کے معتبر ہونے کی ادلہ اور ولایت فقیہ کے معتبر ہونے میں بیعت کے کردار جیسے مسائل کی تحقیق کرتے ہیں از نظر اسلام امت اور اسلامی معاشرہ کی وحدت کا اصلی عامل عقیدہ کی وحدت ہے _ لیکن اس کے باوجود یہ یاد رہے کہ ایک طرف تو طبیعی اور بین الاقوامی جغرافیایی حدود کی حامل سرزمین کلی طور پر فاقد اعتبار نہیں ہے _ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دار الاسلام جو کہ مخصوص حدود کے ساتھ مشخص ہوتاہے اسلامی فقہ میں اس کے خاص احکام موجود ہیں _

1) آیت اللہ مصباح یزدی '' اختیارات ولی فقیہ در خارج از مرزہا'' مجلہ '' حکومت اسلامي'' سال اول ش 1 ص 81_
2) محمد جواد لاریجانی '' مقولاتی در استراتی ملی '' تہران مرکز ترجمہ و نشر کتاب 1367 ص 25_
3) محمد جواد لاریجانی '' حکومت اسلامی و مرزہای سیاسي'' مجلہ '' حکومت اسلامی '' سال اول ش 2 زمستان 75 ص 46 ، 45_

338

دوسری طرف عقیدہ کا مختلف ہونا کلی طور پراختلاف کا یقینی عامل نہیں ہے _ کیونکہ ممکن ہے :اسلامی ممالک میں موجود غیر مسلم افرا دکو اسلامی حکومت کی حمایت حاصل ہو_ اورایک طرح سے اس کے شہری ہوں (1) ولایت فقیہ کی مشروعیت والے نظریہ کی بناپر ممکن ہے اس کا سرچشمہ ولایت تشریعی الہی ہو یا عوامی ہو _ دوسری صورت میں در حقیقت " بیعت" ولایت فقیہ کو مشروعیت عطا کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے _ ولی فقیہ کے مسلمانوں کےساتھ سیاسی فقہی تعلق کے بارے میںآیت اللہ مصباح یزدی فرماتے ہیں :

اگر ہم ولایت فقیہ کی مشروعیت کے سلسلے میں پہلے نظریہ کے قائل ہوں _ یعنی ولایت فقیہ کا سرچشمہ الہی ولایت تشریعی کو قرار دیں تو پھر اس کا فرمان ہر مسلمان کیلئے لازم الاجراء ہوگا _ پس غیر اسلامی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں پر بھی اس کی اطاعت واجب ہوگي_

اور اگر دوسرے نظریہ کے قائل ہوں یعنی ولایت فقیہ کی مشروعیت کا سرچشمہ عوام ہوں _ تو کہہ سکتے ہیں کہ امت کی اکثریت کا انتخاب یا اہل حل و عقد اور شوری کے ممبران کی اکثریت کا انتخاب دوسروں پر بھی حجت ہے _

اس نظریہ کی بنیاد پر بھی غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں پر ولی فقیہ کی اطاعت ضروری ہے چاہے انہوں نے اس کی بیعت کی ہو یا نہ (2)

اسی کے متعلق جب امام خمینی سے فتوی پوچھا گیا کہ کونسی صورت میں جامع الشرائط ولی فقیہ اسلامی معاشرہ پر ولایت رکھتاہے تو آپ نے فرمایا :

بسمہ تعالی _ تمام صورتوں میں ولایت رکھتاہے _ لیکن مسلمانوں کے امور کی سرپرستی اور حکومت کی تشکیل مسلمانوں کی اکثریت آراء کےساتھ مربوط ہے کہ جس کا ذکر اسلامی جمہوریہ ایران کے قانون

1) سابقہ مصدرآیت اللہ مصباح یزدی ص 84_
2) آیت اللہ مصباح یزدی _ اختیارات ولی فیہ در خارج از مرزہا حکومت اسلامی سال اول ش 1 ص 88، 89_

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اساسی میں موجودہے _ اور جسے صدر اسلام میں بیعت کے ساتھ تعبیر کیا جاتا تھا _ روح الله الموسوی الخمینی(1)
اس بارے میں آیت اللہ جوادی آملی فرماتے ہیں :
یہاں دو باتیں ہیں جو ایک دوسرے سے جدا ہونی چاہیں ایک شرعی جہت کے ساتھ مربوط ہے اور دوسری بین الاقوامی قانون کے ساتھ _شرعی لحاظ سے کوئی مانع نہیں ہے نہ فقیہ کیلئے کہ وہ سب کاوالی ہواور نہ ہی تمام دنیا کے مسلمانوں کیلئے کہ اس کی ولایت کو تسلیم کرلیں _ بلکہ ایسی ولایت کا مقتضی موجودہے جس طرح مرجع کی تقلید اور قضاوت کا نافذ ہونا ہے _کیونکہ اگر ایک مرجع تقلید (مجتہد) ایک خاص ملک میں زندگی بسر کرتاہو اور اسی ملک کا رہنے والا ہو تو اس کا فتوی دنیا میں رہنے والے اس کے تمام مقلدین کیلئے نافذ العمل ہے _ اسی طرح جامع الشرائط فقیہ اگر کوئی فیصلہ صادر کرتاہے تو تمام مسلمانوں پر اس پر عمل کرنا واجب ہے اور اس کی مخالفت کرنا حرام ہے_
اور دوسرا مطلب یعنی بین الاقوامی قانون کے لحاظ سے جب تک کوئی رسمی تعہد او ر قانونی عہد و پیمان اس ولایت کے نافذ ہونے میں رکاوٹ نہ بنے اور نہ ولایت فقیہ کیلئے کوئی مانع ہو اور نہ ہی دنیا کے دوسرے ممالک کے رہنے والے مسلمانوں کی سرپرستی کیلئے کوئی رکاوٹ ہو تو پھر تقلید اور فیصلے کی طرح یہ ولایت بھی واجب العمل ہوگی _ لیکن اگر کوئی قانونی اور بین الاقوامی عہد اس ولایت کے نفوذ میں مانع بن جائے اور مخالفین عملی طور پر اس کیلئے رکاوٹ بن جائیں تو پھر فقیہ اور عوام دونوں مجبور ہیں (2)
اب ہم رابطہ کی دوسری قسم یعنی امت اور امام کے رابطہ پر بحث کرتے ہیں _ اور اس کیلئے یہاں ہم نہج البلاغہ سے امیر المؤمنین (ع) کے کلام کا ایک ٹکڑا ذکر کرتے ہیں _امیر المؤمنین قاسطین (اہل صفین) کے

1) مصطفی کواکبیان '' مبانی مشروعیت در نظام ولایت فقیہ '' تہران عروج چاپ اول 1378 ص 258 ، 257_
2) عبداللہ جوادی آملی '' ولایت فقیہ'' ولایت فقاہت و عدالت'' اسراء ، چاپ اول 1378 ، ص478، 479_

خلاف جنگ پر ابھارتے ہوئے لوگوں سے فرماتے ہیں :
اے لوگو میرا تم پر ایک حق ہے او رتمہارا بھی مجھ پر ایک حق ہے _ مجھ پر واجب ہے کہ تمہاری خیر خواہی سے دریغ نہ کروں_ بیت المال میں سے جو تمہارا حق ہے اسے ادا کروں _ تمہیں تعلیم دوں تا کہ جاہل نہ رہو_ اور تمہیں آداب سکھاؤں تا کہ اہل علم بنو_
اور میرا تم پر یہ حق ہے کہ میری بیعت پر قائم رہو_ پوشیدہ اور علانیہ طور پر میری خیر خواہی کا حق ادا کرو _ جب تمہیں بلاؤں تو آجاؤ اور جب حکم دوں تو اس پر عمل کرو (1)

1) نہج البلاغہ خطبہ 34_

اصطلاحات

Rationality (1
Secular Rationality (2
Industrial Democracy (3
Liberalism (4
Pluralism (5
Realism (6
Nazism (7
fascism (8
Absolute choiceism (9

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

Relativism (10
Pluralism (11
Individualism (12
Wholism (13
Political philosophy (14
Strategic Studies (15
Constitutionality (16
.Assembly Of Experts (17

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com